اِبقاءُ المِنَنِ بِالقاءِ المِحَنِ

یعنی

خود نوشت سوانح حیات

نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ

(۱۸۳۲ء ——— ۱۸۹۰ء)

تسہیل :

مولانا محمد خالد سیف

تنقیح ونظرِ ثانی :

قاری نعیم الحق نعیم

دار الدعوۃ السلفیۃ شیش محل روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (القرآن)

ابقاء المنن بالقاء المحن

یعنی

خود نوشت سوانح حیات

نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ

(۱۸۳۲ء — ۱۸۹۰ء)

تسہیل
مولانا محمد خالد سیف
رفیق، ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد

تنقیح و نظر ثانی
قاری نعیم الحق نعیم
رفیق، دار الدعوۃ السلفیہ، لاہور

ناشر:
دار الدعوۃ السلفیۃ
شیش محل روڈ، لاہور، پاکستان

جامعہ بیت العتیق (رجسٹرڈ)

کتاب نمبر ____________

سلسلہ اشاعت نمبر 31

بہ اہتمام .... حافظ احمد شاکر

تسہیل و تنقیح   طبع اول ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ دسمبر 1986ء

کے ساتھ: .... طبع دوم جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ جون 2008ء

ناشر: .... دارالدعوۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور

فون و فیکس 0092-42-7354406

واحد تقسیم کنندہ: .... دارالکتب السلفیہ شیش محل روڈ لاہور

فون۔ 0092-42-7237184

جامعہ بیت العتیق (رجسٹرڈ)

کتاب نمبر ____________

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

الحمد للّٰہ الذی ھدٰنا لھذا و ماکنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللّٰہ ۔
والصلوۃ والسلام علی نبی الھدی والرحمہ ﷺ ۔

نواب والا جاہ سید محمد صدیق حسن خاں قنوجی رحمہ اللہ دارالدعوۃ السلفیہ کے مؤسس مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کی محبوب شخصیت، راہ نما بلکہ وہ ان کو مینارۂ نور جانتے ہوئے ان سے بے انتہا عقیدت رکھتے تھے۔ اس لیے کہ نواب صاحب رحمہ اللہ نے اپنے علم، وقت اور...... میسر ہونے پر...... مال کو جس طرح علوم قرآن وحدیث کی اشاعت کے لیے صرف کیا اور صدیوں سے مستور کتب تفاسیر واحادیث وشروحاتِ حدیث کو منصہ شہود پر لائے وہ ان کے اس جذبہ وعمل کو نہ صرف قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ حسبِ استطاعت وتوفیق اسی طریق کو انہوں نے زندگی کا رفیق اور مشعل راہ بنالیا۔

دوران طالب علمی ۱۹۲۹ء ۱۳۴۹ھ میں گوندلانوالہ ضلع گوجرانولہ کی انجمن ندوۃ الطلبہ ہو ❶، ۱۳۶۵ھ ۱۹۴۵ء میں فیروز پور کا مکتبہ عتیقیہ ہو ❷، ۱۳۷۱ھ ۱۹۵۱ء کا المکتبۃ السلفیہ ہو ❸، ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۵ء کا لعامہ اشاعۃ السنہ ہو ❹، جمعیت اہل حدیث لاہور ❺ کی اہل حدیث اکادمی ہو ❻ یا ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء کا دارالدعوۃ السلفیہ ہو ❼، یہ سب ان کے اسی داعیے اور جذبے کی صدائے بازگشت تھی جو ان کے دل میں والا جاہ نواب رحمہ اللہ کی محبت وعقیدت کے باعث موجزن تھا۔

---

❶ جس کے تحت "التحقیق الراسخ فی ان احادیث رفع الیدین لیس لہا ناسخ" اس اعلیٰ معیار پر طبع کی گئی جو آج بھی قابل رشک ہے۔

❷ اس نام پر "امام شوکانی" کے نام سے امام صاحب کے حالات پر مولانا ہی کے قلم سے ۷۲ صفحات کا ایک کتابچہ شائع ہوا تھا جو بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر کا مصداق ہے۔ نیز امام ابن تیمیہ کے ۸ مختصر رسائل اور امام ابن قیم کی الوابل الصیب کے ایک حصے کا ترجمہ حافظ محمد زکریا (جھوک دادو) رحمہ اللہ کے ترجمہ اور حافظ صاحب مرحوم ہی کے قلم سے ہادی شرح زرادی شائع ہوئی تھی۔

ان کے تلامذہ مستفیدین اور نیاز مند جانتے ہیں کہ جو بھی طالب علم ان سے راہ نمائی حاصل کرنے یا تربیت کی خاطر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو وہ اس کو ''ابقاء المنن بالقاء المحن'' کا مطالعہ ضرور کرواتے، کہ یہ ان کی پسندیدہ کتاب تھی۔

مرور زمانہ سے اردو زبان اور اس کی املاء ترقی پذیر رہی بلکہ اب تک ہے اس کے پیش نظر انہوں نے ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۶ء میں اپنے ایک عزیز اور ہمارے فاضل دوست مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ...... حال اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد...... سے اس کی تسہیل...... زبان و املاء...... کروائی جس پر نظر ثانی ادارہ کے فاضل رفیق قاری نعیم الحق نعیم رحمہ اللہ (م ۲۴ جنوری ۱۹۹۹ء) سے کروا کر دارالدعوۃ السلفیہ کے اہتمام میں طبع کرائی جس پر ایک معلومات افزا تصدیر اس وقت دارالدعوۃ السلفیہ کے رفیق ہمارے فاضل دوست حافظ صلاح الدین یوسف نے تحریر فرمائی تھی، جو اس اشاعت میں بھی شامل ہے۔ تصدیر میں محترم حافظ صاحب نے نواب صاحب کے حالات میں تحریر کی گئی اردو طبع شدہ کتب کا تعارف کرایا ہے لیکن اس میں پشاور یونیورسٹی سے منظور شدہ ایک انگریزی مقالہ برائے p.h.d کا ذکر نہیں ہوا۔

= ③ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر عربی تعلیقات اور شاہ صاحب کی خودنوشت کا عربی ترجمہ...... مولانا ہی کے قلم سے...... کی اشاعت سے المکتبۃ السلفیہ کا آغاز کیا گیا۔ جس کی مطبوعات بحمد اللہ اس وقت ایک سو سے زیادہ ہیں۔

④ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کی تشکیل کے آغاز ہی میں مجلس عاملہ نے اشاعت کتب کے لیے ''ادارہ اشاعۃ السنۃ'' کے نام سے ایک شعبہ شروع کیا تھا جس کے اہتمام میں تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین (عربی) پہلی مرتبہ مولانا کی تصحیح وتعلیق اور شاہ صاحب کے حالات کے ساتھ طبع ہوئی اور اس پر عالمانہ مقدمہ مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا تھا۔ اس ادارے نے تقویۃ الایمان کو اعلیٰ ترین معیار پر مولانا غلام رسول مہر رحمہ اللہ کے تاریخی معلومات سے لبریز مقدمہ اور مولانا رحمہ اللہ کی تعلیقات سے شائع کیا تھا نیز شیخ عبداللہ القصیمی النجدی کی کتاب مشکلات الاحادیث النبویہ کا ترجمہ از قلم مولانا محمد نصرت اللہ مالیر کوٹلوی (جو بعد میں عاصم الحداد رحمہ اللہ کے نام سے معروف ہوئے) اسی ادارے سے شائع ہوا تھا۔

⑤ جمعیت اہل حدیث لاہور نے (جس کے مولانا تاحیات امیر رہے) اہل حدیث کا مذہب، اسلام اور اہل حدیث، =

اس کے بعد ہمارے علم کی حد تک ۱۴۰۸ھ میں ہندوستان کی ایک فاضل شخصیت ڈاکٹر اختر جمال لقمان حفظہ اللہ نے المملکۃ العربیہ السعودیہ سے ''السید صدیق حسن خاں قنوجی آراۂ الاعتقادیہ وموقفہ من عقیدۃ السلف'' کے عنوان سے p.h.d کا ایک مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی جو بعد میں دارالھجرہ الریاض سے طبع بھی ہوا۔

پھر ۱۴۲۴ھ میں جامعۃ الامام محمد بن سعود سے الشیخ علی بن احمد الاحمد نے ''دعوۃ الامیر العالم صدیق حسن خاں واحتسابہ'' کے عنوان سے ایم اے کا ایک مقالہ لکھا جو مکتبۃ الرشد الریاض سے طبع ہو چکا ہے۔

علاوہ ازیں نواب صاحب کے تفسیری منہج پر پروفیسر عبد الحفیظ رحمہ اللہ (سابق صدر شعبہ اسلامیات انجنیئرنگ یونیورسٹی لاہور) کا p.h.d کے لیے ایک مقالہ منظور ہوا جو تحریر تو ہو چکا تھا لیکن ابھی تکمیلی مراحل میں ہی تھا کہ صاحبِ تحریر کا وقت اجل آ پہنچا۔ اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۸ میں ایک طالب علم شاہ نواز نے ''نواب صدیق خان لغویا'' کے عنوان سے ایم اے کا مقالہ لکھا پھر اسی نوجوان کا ۱۹۹۹ء میں ''نواب صدیق حسن خان محدثا'' کے عنوان سے .p.h.d کا مقالہ منظور ہو گیا جو مکمل بھی ہو چکا ہے جس کے نگران محترم ڈاکٹر اکرم چوہدری حفظہ اللہ (v.c سرگودھا یونیورسٹی) تھے جو ابھی تک جمع نہیں ہو سکا۔

= اسلام اور مسیحیت (مولانا امرتسری) رسالہ نجاتیہ (فارسی) از مولانا فاخر زائر الہ آبادی کو حافظ محمد اسحاق لاہوریؒ کے ترجمہ اور تعلیم الزکوۃ (نواب صاحب) وغیرہ شائع کیے تھے۔

⑥ اہل حدیث اکیڈمی بھی جماعت اہل حدیث کے ایک اشاعتی ادارہ کے طور پر شروع کی گئی تھی جس کے ارکان مولانا محمد حنیف ندوی، میاں عبد المجید (مالواڈہ) مولانا محمد عطاء اللہ اور شیخ محمد اشرف رحمہم اللہ تھے لیکن عملاً اس نام کے ساتھ شیخ محمد اشرف مرحوم ہی نے درج ذیل کتابیں شائع کیں۔ فتاویٰ نذیریہ جس میں عربی وفارسی عبارتوں کے ترجمہ کا اہتمام کیا گیا۔ الارشاد الی سبیل الرشاد، حسن البیان فی ما فی سیرت النعمان، ان دونوں کی کتابوں کی تصحیح وتعلیق اور ان کے مصنفین کے حالات مولانا ہی کے قلم سے تھے، حسن البیان کے شروع میں ایک نہایت تاریخی حقائق سے لبریز ایک فاضلانہ مقدمہ =

اسی طرح پنجاب یونیورسٹی ہی کے ایک طالب علم جناب عتیق امجد صاحب نے نواب صاحب کی حدیثی خدمات پر ایم اے کے لیے ایک مقالہ لکھا جو کتاب سرائے اردو بازار لاہور کی جانب سے کتابی صورت میں چھپ چکا ہے۔

ابھی حال ہی میں جماعت کے معروف قلم کار جناب عبدالرشید عراقی صاحب نے ''تذکار نواب صدیق حسن خاں'' کے نام سے نواب صاحب اور ان کے خاندان کا تعارف لکھا جو ادارہ احیاء التراث اہل السنہ الہ آباد (وزیر آباد) سے طبع ہوا ہے۔

کمپیوٹر آنے کے بعد کتابت شدہ مواد چونکہ قاری کو اب بھاتا ہی نہیں اس لیے یہ کتاب ہم کمپیوٹر پر شائع کر رہے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے نفع کو عام کرے، صاحب سیرت، اشاعت کے محرک اور تسہیل ونظر ثانی کرنے والوں کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور دارالدعوۃ السّلفیہ کی مجلس عاملہ کے اراکین اور معاونین کو اجر جزیل عطا فرمائے جن کی توجہات سے دارالدعوۃ السّلفیہ ...... اگرچہ سست روی ہی سے ...... اسلاف کی علمی کاوشوں کی اشاعت میں کوشاں ہے۔

الراجي الى رحمة ربه الغافر

احمد شاکر

غفرله ولوالديه

== مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے قلم سے تھا۔ مولانا ابوالقاسم بنارسی کی کتاب الامرالمبرم بھی طبع ہوئی جس کی تصحیح و تعلیق مولانا محمد عبدہ الفلاح رحمہ اللہ نے کی تھی۔ اس کے علاوہ اہل حدیث اکادمی نے سیرۃ البخاری القول السدید، نمازِ جنازہ (مولانا مبارکپوری) اور اسلام کی کتاب جیسی کتب طبع کی تھیں۔

❼ ۱۹۸۰ میں مولانا نے عمر بھر کا اندوختہ یعنی کتب خانہ جماعت کے لیے وقف کر کے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کی اشاعتی وتبلیغی خدمات ایک مستقل مضمون کا تقاضا کرتی ہیں۔

فہرس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصدیر

والا جاہ نواب سید صدیق حسن خان مرحوم والیٔ بھوپال کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ موصوف دین ودنیا کے جامع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے علومِ دینیہ وعربیہ کی دولت لازوال سے بھی بدرجۂ کمال نوازا تھا۔ جس پر ان کی تین سو سے زائد تصنیفات وتالیفات شاہد عدل ہیں۔ جو عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں ہیں۔ نیز دنیاوی شرف وجاہ سے بھی آپ کو حظ وافر عطا کیا گیا تھا۔ جیسا کہ سب پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں۔

زیر نظر کتاب نواب صاحب موصوف ہی کی خود نوشت سوانح حیات ''ابقاء المنن بالقاء المحن'' ہے جس کی تسہیل مولانا خالد سیف (اسلام آباد) اور تنقیح وتصحیح ونظر ثانی کا کام ہمارے فاضل رفیق مولانا حافظ قاری نعیم الحق صاحب رفیق المجلس العلمی السّلفی لاہور نے حضرت الاستاذ المحترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف (رحمہ اللہ) کی خواہش اور ایماء پر کی ہے۔ جزاھما اللہ احسن الجزاء۔

نواب صاحب موصوف نے یہ کتاب بعض جلیل القدر اسلاف کے تتبع میں مرتب کی ہے۔ جیسا کہ انھوں نے آغاز میں اس کی صراحت کی ہے۔ بالخصوص شیخ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب ''لطائف المنن والاخلاق فی بیان وجوب التحدث بنعمۃ اللہ علی الاطلاق'' ان کے پیش نظر رہی ہے۔ نواب صاحب مرحوم کو امام شعرانی رحمہ اللہ کی یہ تالیف، جس میں انھوں نے ان انعامات واحسانات کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کیے، بڑی پسند تھی اور اس کی ضروری تلخیص بھی انھوں نے اردو میں بنام ''فتح الخلاق للطائف المنن والاخلاق'' ۱۳۰۵ھ میں شائع کی تھی۔

اسی طرز اور انداز پر نواب صاحب نے اپنی سوانح حیات مرتب کی، جس میں انھوں نے انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر بطورِ شکر الٰہی کیا ہے۔ یہ کتاب آج سے ایک صدی قبل (۱۳۰۵ھ) میں طبع ہوئی تھی۔ اب بالکل نایاب تھی۔ علاوہ ازیں اس کی اردو بھی ایک صدی قبل کی تھی، جب کہ اردو ابھی منت پذیر شانہ تھی، جب سے اب تک اردو کے طرز ادا اور تحریر وانشاء میں بھی کافی تبدیلیاں آچکی ہیں۔ اور

نواب صاحب کے دور کا طرزِ تحریر وانشاء اب بالکل متروک ہوگیا ہے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ اس انداز میں تھوڑی (سی) تبدیلی کر کے اردو کے جدید قالب میں اسے پیش کیا جائے تاکہ طرزِ تحریر کے نامانوس ہونے کی وجہ سے اس کی افادیت متاثر نہ ہو۔

الحمد للہ نواب صاحب کی یہ خودنوشت سوانح حیات (تسہیل شدہ) اب آپ کے سامنے ہے۔ جو عوام وخواص، اہل علم واہل دانش، اہل دین واہل دنیا، حاکم ومحکوم، علماء وطلباء اور راعی ورعایا سب کے لیے یکساں مفید اور نہایت نصیحت آموز ہے۔

اس کتاب کے حصہ دوم میں نواب صاحب سے متعلق دوسری کئی مفید اور اہم چیزیں شامل کر دی گئی ہیں۔ مثلاً نواب صاحب ہی کا خودنوشت سفرنامہ جسے جناب علیم ناصری صاحب نے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

②..... مولانا جعفر پھلواروی کا ایک مضمون، جس میں انھوں نے نواب صاحب اور ان کے ذی مرتبت خاندان کی بابت نہایت مفید اور کارآمد معلومات فراہم کی ہیں۔

③..... نواب صاحب کے ایک تربیت یافتہ اور رفیق کار مولانا ذوالفقار احمد بھوپالی کا مضمون، جو ان کی کتاب "قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب" سے ماخوذ ہے۔ اس کتاب میں مولانا موصوف نے نواب صاحب کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز سے لکھا ہے۔ اور آخر میں "تنبیہ" کے عنوان سے ایک مستشرق کے بعض الزامات کا جو اس نے حضرت نواب صاحب مرحوم پر عائد کیے تھے، دفعیہ کیا۔ یہ دفعیہ الزامات بھی اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔

④..... اسی طرح ایک اور صاحب نے کسی ہندوستانی اخبار میں نواب صاحب مرحوم کی خدمات اور ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی تھی۔ جس کے جواب میں مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے اپنے مشہور رسالے "اشاعۃ السنۃ" میں دو مضمون تحریر فرمائے تھے:

(۱) نواب صاحب بھوپال اور ان کی بابرکت تالیفات، (۲) مجدد۔

ان دونوں مضامین میں مولانا بٹالوی رحمہ اللہ نے نواب صاحب پر عائد کردہ بعض الزامات کی وضاحت کے ساتھ ساتھ نواب صاحب مرحوم کی تصنیفی وتالیفی خدمات اور ان کی تجدید علم ودین کی مساعی کو نمایاں کیا ہے۔ یہ دونوں مضامین بھی شامل اشاعت ہیں۔

⑤..... علامہ محمد عبدالحی الکتانی الجزائری مصنف کتاب "التراتیب الاداریۃ" کا بھی ایک

اقتباس نقل کر دیا گیا ہے۔ جو ان کی کتاب "فهرس الفهارس والاثبات" سے ماخوذ ہے۔ علامہ کتانی نے اس کتاب میں نواب صاحب اور ان کی چند تالیفات سلسلۃ العسجد وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ اس الزام کی بھی وضاحت کی ہے جو مستشرق مذکور اور ان کے دیگر بعض ہم نواؤں نے نواب صاحب پر عائد کیا ہے۔

نواب صاحب سے متعلق یہ ساری چیزیں، جو ایک قیمتی دستاویزات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مختلف جگہوں پر بکھری ہوئی ہیں۔ اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ انھیں بھی خودنوشت سوانح حیات میں شامل کر دیا جائے تاکہ یہ محفوظ بھی ہو جائیں اور نواب صاحب کی شخصیت اور ان کی ہمہ جہتی خدمات کا ایک سرسری خاکہ اہل علم کی نظر میں آ جائے۔

ملحوظہ:

نواب صاحب کی زیر نظر خودنوشت سوانح کے علاوہ بھی نواب صاحب نے اپنی مختلف کتابوں میں اپنی زندگی کے جستہ جستہ واقعات اور دیگر مفید معلومات وافادات ذکر کیے ہیں۔ اہل علم کے استفادے کے لیے ان کتابوں کے نام درج ہیں:

①......مقالات الاحسان فی مقامات العرفان

②......غصن البان المورق بمحسنات البیان کے آخر میں اعلان اهل الخیر بما جریات السفر والسیر (سفرنامۂ دہلی)

③......تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار

④......حظیرۃ القدس وذخیرۃ الانس

⑤...... ثمار التنکیت فی شرح ابیات التثبیت

⑥...... حجج الکرامة فی آثار القیامة

⑦...... اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقهاء المحدثین

⑧...... التاج المکلل من جواهر مآثر الطراز الآخر والاوّل

⑨...... رحلة الصدیق الی البیت العتیق (آخر میں سفرنامۂ حج)

⑩......فتح الخلاق للطائف المنن والاخلاق

⑪......سلسلة العسجد فی ذکر مشائخ السند

⑫...... قرة الاعيان ومسرة الاذهان

⑬......الفرع النامی من الاصل السامی

⑭...... المقالة الفصيحة فی الوصية والنصيحة

⑮...... وصيت نامه ابو الوفاء توفيق

چند سال قبل بھوپال میں ایک خاتون ...... رضیہ حامد ...... نے نواب صاحب کی شخصیت اور خدمات پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ یہ مقالہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مقدمہ کے ساتھ کتابی شکل میں بنام "نواب صدیق حسن خان" بھوپال سے شائع ہو گیا ہے۔

ان کے علاوہ نواب صاحب کے صاحبزادۂ گرامی قدر ابونصر، سید محمد علی حسن خاں طاہر (متوفی نومبر ۱۹۳۶) نے اپنے والد گرامی حضرت والا جاہ نواب سید صدیق حسن خاں کی سوانح "مآثر صدیقی" کے نام سے لکھی تھی، جس کے چار حصے آج سے نصف صدی قبل مطبع نول کشور لکھنؤ (ہند) سے شائع ہوئے تھے۔ اس کے بقیہ اجزاء کہاں تک لکھے گئے تھے؟ اور وہ شائع کیوں نہیں ہوئے؟ اور وہ اب کہیں محفوظ بھی ہیں یا نہیں؟ اس کی بابت پاک و ہند میں موجود نواب صاحب کے اہل خاندان ہی کچھ بتا سکتے ہیں۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ "مآثر صدیقی" مکمل طور پر شائع نہیں ہو سکی۔

اس کی تائید مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے اس ادارتی نوٹ سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے ماہنامہ "معارف" میں "تذکرہ طاہر" یعنی سوانح خودنوشت حسام الملک نواب سید محمد علی حسن خاں طاہر مرحوم کی اشاعت کے وقت آغاز میں بایں الفاظ تحریر فرمایا تھا۔

"نواب سید محمد علی حسن خاں مرحوم کی وفات سے جو صدمہ علم و فن کو پہنچا ہے، وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ مرحوم نے اپنے والد ماجد کی جو مفصل سوانح عمری "مآثر صدیقی" کے نام سے لکھی ہے، اس کا اخیر حصہ اُن کی اولاد اور اولاد کی اولاد کے حال میں لکھا تھا۔ اس حصے سے ان کی یہ خودنوشت سوانح عمری شائع کی جارہی ہے۔" [ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ۔ جنوری ۱۹۳۷ء]

اس "تذکرۂ طاہر" کی چھ قسطیں "معارف" (جنوری تا جون ۱۹۳۷ء) میں شائع ہوئی تھیں۔ ضرورت ہے کہ اس "تذکرۂ طاہر" اور اس کے بقیہ اجزاء بھی (اگر وہ کہیں محفوظ ہوں تو) تلاش کر کے شائع کیے جائیں تاکہ اس ذی مرتبت خاندان کے پورے حالات تاریخ میں محفوظ ہو جائیں۔ اسی سلسلے کی یہ کتاب بھی ہے جو اس وقت قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کی اہمیت اس

لحاظ سے سب سے زیادہ ہے کہ یہ خود نواب صاحب کے گوہر بار قلم سے ہے۔ جس میں نواب صاحب نے بڑے عبرت آموز انداز میں ابتلاء ومحن کا ذکر بھی کیا ہے اور احسانات وانعاماتِ الٰہی کا بھی۔ یہ دونوں چیزیں نواب صاحب نے بقولِ غالب

ذکر اُس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

کے سے دلچسپ پیرائے میں بیان کی ہیں۔

بہرحال اہل علم واہل ذوق کے لیے یہ خودنوشت سوانح عبرتوں کا مرقع بھی ہے اور حقائق وواقعات کا گل دستہ بھی۔ علم وعرفان کا گنجینہ بھی ہے اور مفید نصائح کا خزینہ بھی۔

اللهم اجعلنا ممن يتعظ به ويتبعون احسنه . آمين

(حافظ) صلاح الدین یوسف

رفيق المجلس العلمي السلفي

دار الدعوۃ السّلفیہ۔ لاہور

ربیع الاوّل ۱۴۰۷ھ ...... نومبر ۱۹۸۶ء

ابقاء المنن بالقاء المحن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مِنَنِہٖ وَنِعَمِہٖ وَنَوَالِہٖ زِھَاءَ جَلَالِہٖ وَجَمَالِہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدِ نِ الَّذِیْ بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ وَحَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ وَعَلٰی صَحْبِہٖ وَاٰلِہٖ وَمَنْ عَلٰی مِنْوَالِہٖ .

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں ان انعامات کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرمائے ہیں۔ اس رسالہ کی تصنیف کا سبب دو امر ہیں۔

اول منعم حقیقی کا شکر بجالانا مقصود ہے، اگر چہ مجھ میں یا کسی بھی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ اس سے عہدہ برآ ہو سکے۔ ہاں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس فریضہ سے یقیناً عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ چناں چہ حضرت نوح علیہ السلام کے حق میں فرمایا:

﴿ اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا ﴾ ❶

”بے شک وہ شکر گزار بندہ تھا۔“

دوم اپنے متعلق لوگوں کے بعض اوہام کا ازالہ مطلوب ہے۔ کیوں کہ ہر انسان کو اپنے متعلق جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یقینی ہوتا ہے اور جو کوئی دوسرا بیان کرتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ o وَّ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ ﴾ ❷

”بلکہ انسان کو اپنے آپ کا خوب پتا ہے اگر چہ کتنے عذر پیش کرتا رہے۔“

اور حدیث میں آیا ہے۔

” فَلْیَقُلْ اَحْسِبُہٗ کَذَا اَوْ اَظُنُّہٗ کَذَا وَلَا یُزَکِّیْ عَلَی اللّٰہِ اَحَدًا ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ

❶ [بنی اسرائیل:٣] ❷ [القیامۃ: ١٤]

اتّقی.“ ❶

”پس انسان کو دوسرے کے بارے میں یہ کہنا چاہیے کہ میں اسے ایسا خیال یا گمان کرتا ہوں اور اسے اللہ کے ہاں کسی کی (یقینی) صفائی نہیں پیش کرنی چاہیے۔ وہ خود ہی زیادہ جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو جس کام کے لیے بنایا ہے خواہ وہ خیر ہو یا شر، وہ اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

” كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ .“ ❷

”قرآنِ مجید میں بھی ارشاد فرمایا گیا:“

﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۝ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ۝ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ ﴾ ❸

”پس جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا اور پرہیز گاری کی اور نیک بات کی تصدیق کی پس ہم اسے آسانی (کی راہ) کی توفیق دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا اور نیک بات کی تکذیب کی پس ہم اسے تنگی (کی راہ) کی توفیق دیں گے۔“

غرضیکہ ہر انسان کا حال یسر و عسر اور آسائش و تنگی ہی پر منحصر ہے۔

﴿ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ﴾ ❹

جو انسان اپنے آپ کو منعم حقیقی کی نوازشات سے مشرف اور اخلاقِ حسنہ سے متصف پائے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بقدر استطاعت واجب ہے۔ اور توقع ہے کہ اگر وہ شکر بجالائے تو اللہ تعالیٰ اپنی نوازشات میں اضافہ فرما دے گا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴾ ❺

”البتہ اگر تم شکر کرو گے تو میں یقیناً تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے۔“

---

❶ [متفق علیہ، بخاری: ٢٦٦٢۔ مسلم: ٣٠٠٠/٦٦]

❷ [متفق علیہ، بخاری: ٧٥٥١۔ مسلم: ٢٦٤٩/٩]

❸ [اللیل: ٥ تا ١٠] ❹ [الشوریٰ: ٧] ❺ [ابراھیم: ٧]

معلوم ہوا کہ جس طرح شکر سے نعمتوں میں اضافہ ہوجاتا ہے، اسی طرح کفرانِ نعمت سے عذاب کی شدت میں اضافہ ہوگا۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر میرے استحقاق کے مجھ پر بے شمار نوازشات فرمائیں اور مجھے اخلاقِ حسنہ سے متصف فرمایا۔ اس لیے مجھ پر فرض ہے کہ میں ہمیشہ اس کا شکر بجالاتا رہوں۔ زبان سے شکر اسی وقت تک ادا کیا جاسکتا ہے جب تک انسان بقید حیات ہو، لیکن جو شکر کتابی صورت میں لکھ کر کیا جائے اس کا اثر باقی رہتا ہے اور کتاب شاکر کی وفات کے بعد بھی گویا اس کے نائب کی حیثیت سے شکر ادا کرتی رہتی ہے۔

فیکون کالنائب فی العلم والعمل وکأن ذلک الشاکر لم یمت .

''یعنی شکر گزار اگرچہ فوت ہوجاتا ہے۔ تاہم وہ کتاب علم وعمل میں اس کے قائم مقام رہتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ہم عصر لوگ جب میرے علم وعمل سے آگاہ ہوں گے تو ان میں سے خدا کی توفیق جن کے شامل حال ہوگی، میری طرح کتب شریعت کے حفظ کی اور اخلاقِ حسنہ کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ کیوں کہ دین وہی ہے جو قرآن وحدیث کے سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے سلف صالحین میں سے ایک جماعت نے تحدیث نعمت کے طور پر اپنے حالات خود سپرد قلم فرمائے ہیں۔ مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور ان کے تلمیذ رشید علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ۔

اس موضوع پر شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ کی ''منن کبریٰ'' ایک مشہور ومبسوط کتاب ہے۔ جس میں آپ نے بہت سے خودنوشت سوانح حیات لکھنے والے اہل علم کا ذکر کیا ہے۔ اس رسالہ میں انہی کی اقتدا کی گئی ہے۔ فبہداھم اقتدہ۔ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انما ذکرت مناقبي اقتدآء بالسلف الصالح وتحدثا بنعمة الله لا افتخارا علی الاقران ولا طلبا للدنیا ومناصبھا وجاھھا وای قدر للدنیا حتی یطلب تحصیلھا بما فیه ذھاب الدین واللعنة والطرد عن حضرة الله تعالی وقد ظھر شیبي ومضی اطیب عمری وعیشي ودنی رحیلي ...... انتھی حاصلهٗ .

[التحدث بالنعمة]

''میں نے سلف صالح کی اقتدا اور تحدیث نعمت کے پیش نظر اپنے فضائل ذکر کیے ہیں اس

سے ہم عصروں پر افتخار، طلب دنیا یا حب جاہ و منصب مقصود نہیں۔ دنیا کی قیمت ہی کیا ہے کہ اسے طلب کیا جائے۔ جب کہ اس میں دین کا نقصان، خدا کی پھٹکار اور اللہ سے دوری ہے اور پھر خصوصاً جب کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں، عمر کا خوشگوار حصہ بسر ہو چکا ہے اور کوچ کرنے کا وقت قریب آ چکا ہے۔''

میں بھی بقول علامہ سیوطی رحمہ اللہ یہی کہتا ہوں کہ میرا مقصود انعامات واحسانات کے ذکر سے ہم عصروں پر فخر نہیں بلکہ نعمت الٰہی کے شکر کا اظہار میرے پیش نظر ہے۔ طلب دنیا میرے لیے تحصیل حاصل ہے، منصب اور جاہِ دنیا میرے کسی ذاتی واضافی استحقاق کے بغیر اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے حوصلہ سے بھی زیادہ بخشا ہے، عمر کی بھی پچپن بہاریں گزر چکی ہیں۔ شباب گیا، بڑھاپا آیا، بال سفید ہو گئے، دانت گر گئے، ناتوانی کا ہجوم ہے اور سفر آخرت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ یہ جھوٹ بولنے اور فخر کرنے کا کون سا وقت ہے؟ محو واثبات کا مجھے علم نہیں۔

﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚۖ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴾ ❶

میں نے جو یہ چند کلمات لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر حسن ظن کے باعث لکھے ہیں کہ اس نے مجھے جو یہ مال وکمال عنایت فرمایا ہے۔ وہ اہل کرم کی طرح مجھ سے سلب نہیں کرے گا۔ جب کہ وہ سب سے بڑا صاحب کرم ہے۔ بلکہ میرا خاتمہ بخیر کرے گا اگرچہ میں خسف کے لائق ہوں اور میرے حسن ظن کی وجہ خدا کا وہ ارشاد ہے جو ایک حدیث قدسی میں آیا ہے:

''میں اپنے بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے بارے میں گمان کرتا ہے۔'' ❷

حدیث شریف میں آیا ہے کہ

''ایک شخص ساری عمر اہل نار کے سے عمل کرتا رہتا ہے۔ حتی کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر کتابِ ازل سبقت کرتی ہے اور مرنے سے پہلے وہ اہل جنت جیسا کوئی کام کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے، وبالعکس۔'' ❸

ہر چند کہ تکلیف شرعی کے ابتدائے وجود سے آج تک میری دانست کے مطابق میرا کوئی ایسا

---

❶ [الرعد:٣٩] ❷ [بخاری:٧٥٠٥]

❸ [متفق علیه، بخاری: ٦٥٩٤۔ مسلم:١/ ٢٦٤٣]

عمل نہیں جس کو میں لائق قبول سمجھوں۔ لیکن اللہ کی رحمت سے نا اُمیدی کفر ہے۔ میں اللہ کا بندہ ہوں، اگر چہ کبائر میں آ گندہ ہوں اور اپنے گناہوں سے شرمندہ، لیکن اس کے رسول ﷺ کی امت سے ہوں۔

گر نہ رفتم طریقِ سنتِ تو !
ہستم از عاصیانِ امتِ تو

اس لیے اس کی رحمت عامہ سے مایوس نہیں ہوتا ہوں ع

نا امید از رحمت شیطان بود

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ سے علوم و معارف کو سلب نہیں کرتا بلکہ وہ چیز جو مسلوب ہو جاتی ہے حال ہے۔ کیوں کہ اس کا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال بہت جلد ہوا کرتا ہے۔

ونعوذ باللّٰہ من الحور بعد الکور .

بہر حال تحدیث نعمت میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ نعمت طویل عمر تک بندہ پر مکرر سہ کرر ہوتی رہے بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ بندہ اس سے متمتع ہوا ہو، اگر چہ عمر بھر میں صرف ایک لحظہ کے لیے ہی ہوا ہو۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَمَنْ تَخَلَّقَ بِخُلُقٍ وَلَوْ لَحْظَةٍ صَارَ مِنْ اَهْلِ ذٰلِكَ الْخُلُقِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ فَاِذَا قَالَ اَعْطَانِيَ اللّٰهُ كَذَا وَكَذَا فَقَدْ صَدَقَ . [1]

''جس کو کوئی نعمت نصیب ہوئی، خواہ ایک لحظہ کے لیے ہی ہوئی ہو وہ ہر حال میں اس نعمت کے اعتبار سے منعم علیہ لوگوں میں شمار ہوتا ہے اس لیے جب وہ یہ کہے کہ اللہ نے مجھے یہ کچھ دیا تو اس نے سچ کہا۔''

آدمی جب اپنے کمالات کو یاد کرتا ہے تو اس کے دل سے بہت سا شکر صادر ہوتا ہے اور جب اپنے نقائص کو یاد کرتا ہے تو وہ قلیل الشکر ہوتا ہے۔ اس لیے اصل بات یہی ہے کہ محاسن ہر وقت سامنے ہیں۔ اور نقائص صرف اس وجہ سے مدنظر رہنے چاہئیں تا کہ انسان اپنے نفس ہی پر اتراتا نہ رہے۔

میرا مقصد بھی اپنے اخلاق کے ذکر سے شکر الٰہی کا اعلان ہے۔ فخر وغیرہ ہرگز نہیں اور اگر کہیں اپنے متعلق کچھ مدح ہو تو وہ اصلاً مقصود نہیں۔ اس لیے کہ وہ نہ مطابقت ہے نہ تضمن، بلکہ لازم ہے۔

---

[1] [لطائف المنن للشعرانی]

اور لازم مذہب علمائے اصول کے راجح قول کے مطابق مذہب نہیں ہوتا۔ غرضیکہ جب میں یہ کہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ انعام کیا یا نوازش فرمائی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا اعلان کرتا ہوں۔ اس سے یہ ہرگز مقصد نہیں کہ وہ انعام مجھے اپنی طاقت یا کسی استحقاق سے نصیب ہوا ہے۔ معاذ اللہ من ذالک

میں نے اس رسالہ کا نام ''ابقاء المنن بالقاء المحن'' رکھا ہے۔ اور اس میں کتاب ''منن کبریٰ'' کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ اور بعض جگہ احادیث کا بھی کچھ اضافہ کیا ہے۔ اپنے حال وقال کی مناسبت کو ہر جگہ ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ اس لیے کہ ہر کوئی اپنے ڈھب پر کام کرتا ہے۔

﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا﴾ [1]

وانی واللہ ثم واللہ اری نفسی قد اسبقت الخسف بی من سنین لولا فضل اللہ وحلمہ علی ولا اری احدا علی وجہ الارض اکثر اقتحاما للمعاصی منی ولا اقل حیاء منی وکثیرا ما اشھد ان جمیع ما یقع علی ھذا البلد وقراھا من البلاء انما ھو بسبب ذنوبی وحدی وان ذنوب غیری کلھا مغفورۃ لا اتعقل غیر ذلک۔

شیطان کے وسوسہ سے نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر صبح کے وقت دل ایمان کی حالت پر ہوتا ہے تو شام کو کفر کا خطرہ دامن گیر ہو جاتا ہے۔ اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ ان خطرات کے تسلسل کا تقاضا خسف یا مسخ ہے۔ لیکن اللہ کے حلم رحم اور کرم کے قربان جائیے کہ اس نے مجھے نہ خسف کیا اور نہ مسخ، بلکہ بدستور نوازشات سے سرفراز فرمائے رکھا۔ لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک

وَلَوْ أَنَّ لِيْ فِيْ كُلِّ مَنْبَتِ شَعْرَةٍ
لِسَانًا لَمَا اسْتَوْفَيْتُ وَاجِبَ حَمْدِهٖ

بخدا! اللہ تعالیٰ نے مجھ ظلوم وجہول پر یومِ ولادت سے اس وقت تک جو احسان اور انعام فرمائے ہیں۔ وہ حیطۂ شمار میں نہیں آ سکتے۔ اسی طرح مجھ سے ظاہری و باطنی طور پر جن جن معاصی کا ارتکاب ہوا ہے وہ بھی بے حد و شمار ہیں۔ دل میں گزرنے والے ہر خیال کو دیکھوں تو محسوس ہوتا ہے کہ ابھی پھٹکار

---

[1] [بنی اسرائیل: ۸۴]

اور لعنت کا مستحق ٹھہرا۔ لیکن اللہ کی رحمت مجھے نا اُمید نہیں ہونے دیتی۔ کیوں کہ میں مسلمان ہوں اور میرے والدین بھی مسلمان تھے ورنہ میں خسف ومسخ اور ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا مستحق ہوں۔

اس لیے تو میں ہر وقت عذابِ الٰہی سے ڈرتا ہوں۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لیے نجات مقدر کر رکھی ہے تو میرا یہ سارا کفر وضلالت موت سے قبل، حسن خاتمہ کے باعث ان شاء اللہ ختم ہو جائے گا۔ اور اگر خدانخواستہ قلم تقدیر نے کچھ اور لکھا ہے تو علم وعمل میں خواہ وحید دہر اور فرید عصر کیوں نہ بن جاؤں تو بھی یہ فضائل میرے کسی کام نہ آئیں گے۔ اس لیے میرا دل چاہتا ہے کہ میں وہ کام کروں جو میرے معبود وحدہٗ لاشریک کو پسند ہوں اور شیطان کو خوش کرنے والے اُمور سے اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دوں۔ کیوں کہ اچھا اور برا عمل نیک بختی اور بد بختی کا میزان ہے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

❀❀............❀❀............❀❀

مقدمہ

حضرت علی خواص رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اعمال کے اظہار واخفاء کے اعتبار سے لوگوں کی کئی قسمیں ہیں:

اوّل: وہ جن کا ظاہر، باطن سے بہتر ہے۔

دوم: جن کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔

سوم: جن کا باطن خیر میں علانیت کی نسبت راجح ہے۔

چہارم: جو ان سب اقسام سے غائب ہیں۔

مؤخر الذکر کے علاوہ پہلی تین قسموں میں ترجیح کے واضح ہونے کے باعث ریا کاری کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مشائخ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص اخلاص کا اظہار کرتا ہے، اس کا اخلاص ابھی تک محتاجِ اخلاص ہے۔ قیامت کے دن تو صرف اسی شخص کی میزان وزنی ہوگی، جو اپنے آپ کو اس بار بردار جانور کی طرح سمجھتا ہے جس کو معلوم نہیں کہ اس کی پشت پر سامان نفیس ہے یا خسیس۔ جب کسی انسان کو کشف و یقین سے یہ معلوم ہو جائے کہ میں سزاوارِ عقوبت ہوں، اور میرے ان سارے کمالات میں سے کوئی چیز بھی میری نہیں بلکہ میرے آقا نے یہ سب میرے پاس مستعار رکھے ہیں، اسے سب کے سامنے تحدیث نعمت جائز ہے کیوں کہ وہ اپنے آپ کو کسی دوسرے سے بہتر نہیں سمجھتا۔ واللہ! میں دنیا و آخرت میں اپنے تئیں اللہ کے کسی فضل کا مستحق نہیں پاتا۔ میں تو روئے زمین کے تمام عاصیوں کے پیچھے کھڑا ہونے کا مستحق ہوں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کم عقلی، عدمِ توانائی کے باوجود بغیر اسباب کے ہزار ہا لوگوں سے زیادہ جاہ و مال عنایت فرما رکھا ہے اور بہت سے عقل و شعور اور فہم و دانش مندی کے بلند مراتب پر فائز لوگ حاجت کے باوصف ان سے محروم ہیں۔ تو یہ اللہ پاک کا مجھ پر احسانِ عظیم اور انعام عمیم نہیں تو اور کیا ہے کہ مستحق تو محروم ہیں اور غیر مستحق حد سے زیادہ خوش حال۔ مجھے زیادہ خدشہ اس بات کا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا تو دوست دشمن دونوں کو دیتا ہے، لیکن دین کی دولت سے صرف اپنے دوستوں ہی کو نوازتا ہے اس لیے دنیا دار اور مالدار کو بھی یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ مجھے دنیا میں عزت و جاہ نصیب ہوئی ہے تو میں اللہ کو بھی عزیز ہوں اور آخرت میں بھی مجھے عزت نصیب ہوگی۔ اور

یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ جو لوگ یہاں دنیا میں فقیر اور حقیر ہیں۔اللہ کے ہاں بھی ان کی کوئی عزت نہیں ہے۔ورنہ وہ یوں خوار اور محتاج نہ ہوتے کیوں کہ آخرت دنیا کی سوت ہے،وہاں کے معاملات یہاں کے معاملات سے برعکس ہوں گے۔ممکن ہے کہ دنیا کے اغنیاء وملوک آخرت میں غلام وکنیز سے بھی بدتر ہوں اور یہاں کے فقراء وہاں کے سلاطین بن جائیں، بلکہ یہاں کے ایمان دار اغنیاء بھی فقراء سے پانچ سو برس بعد جنت میں جائیں گے،اس سے آپ ان مالداروں اور دنیا کے پجاریوں کا اندازہ لگا لیجیے جو محض دنیا کی خاطر جیتے ہیں اور آخرت سے انھیں کوئی سروکار نہیں،ان کا ٹھکانا یقیناً جہنم ہوگا۔

نعوذ باللہ من غضب اللہ!

❀❀............❀❀..... .....❀❀

باب اول

احسانات ِخداوندی

حسب ونسب

میں شریف النسب ہوں۔ لیکن یاد رہے کہ تقویٰ کے بغیر یہ شرف قطعاً نفع بخش نہیں ہے۔ امام شعرانی رحمہ اللہ نے اپنا شجرۂ نسب محمد بن الحنفیۃ بن الامام علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب تک ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

" مما من الله به علی شرف نسبی . [1]

"اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو احسان فرمائے ہیں ان میں سے ایک شرف ِنسب بھی ہے۔"

نیز اُنھوں نے لکھا ہے کہ میرے جد پنجم سلطان تلمسان تھے۔ اسی طرح میں بھی یہاں اپنا شجرۂ نسب حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک سپردِ قلم کرتا ہوں۔ اگرچہ قبل ازیں اپنی کتاب "فرع" نامی میں لکھ چکا ہوں اور اس کتاب میں ہر نام کا مختصر تعارف بھی کرا چکا ہوں تاہم یہاں بھی شجرۂ نسب لکھتا ہوں اور صرف اسماء کے ذکر کر دینے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ چناں چہ میرا سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:

"صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ بن عزیز اللہ بن لطف علی بن علی اصغر بن سید کبیر بن تاج الدین بن جلال رابع بن سید راجو شہید بن سید جلال ثالث بن حامد کبیر بن ناصر الدین محمود بن جلال الدین بخاری معروف بمخدوم جہانیاں جہاں گشت بن احمد کبیر بن جلال اعظم گل سرخ بن علی موید بن جعفر بن احمد بن محمد بن عبداللہ بن علی اشقر بن جعفر زکی بن علی نقی بن محمد تقی بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین سبط بن فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔"

گویا میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین تینتیس (۳۳) نفوس کا واسطہ ہے۔ اور ان میں سے آٹھ ائمہ اہل بیت ہیں، جن کا شمار ائمہ اثنا عشر میں ہوتا ہے۔ پھر جعفر زکی سے لے کر جناب مخدوم جہانیاں بلکہ جلال رابع تک غالباً تمام اولیاء وصلحاء تھے۔ اور سید تاج الدین سے لے کر جد امجد علی بن لطف اللہ تک تمام اہل دولت ہوئے ہیں۔ میرے دادا جو سید اولاد علی خاں کے نام سے مشہور ہیں،

---

[1] لطائف المنن للشعرانی

انھیں ریاست حیدر آباد دکن سے نواب انور جنگ بہادر کا خطاب ملا تھا۔اور وہ پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کا علاقہ اور ایک ہزار سوار و پیادہ رکھتے تھے۔میرے نانا مفتی محمد عوض ساکن بانس بریلی عالم، عارف باللہ، صحیح النسب قریشی اور خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ان کا اپنی جگہ مضبوط نسب نامہ ہے۔آصف الدولہ والیٔ اودھ ان کو نذر دکھلاتے تھے۔

میرے والد سید اولاد حسن رحمہ اللہ نے شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ قدس سرہما سے علم حاصل کیا۔شاہ عبدالقادر صاحب موضح القرآن کو دیکھا اور شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے خلیفہ حضرت سید احمد رحمہ اللہ ساکن رائے بریلی کے ہاتھ پر بیعت کی۔آپ عالم باعمل تھے۔کلکتہ سے لاہور اور شمال سے دکن تک کے اکثر علماء و امراء آپ سے واقف ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کے نصائح میں نہایت اثر ودیعت فرمایا ہوا تھا۔چناں چہ قنوج و اطراف قنوج کے دس ہزار سے زیادہ آدمی ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔جن میں اہل حرفت کی اکثریت ہے۔اور باقی شیخ، سید، مغل اور پٹھان ہیں۔

ولادت

میں ۱۹۔جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوا۔ابھی چار پانچ برس ہی کا تھا کہ ۱۲۵۳ھ میں والد ماجد اللہ کو پیارے ہو گئے، اور والدہ محترمہ نے پرورش کی۔اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ تَوَالَدَا وَارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِیْ صَغِيْرًا ۔

شرافت نسب

میں نے اپنے نسب کو جو شریف لکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو تطہیر کی بشارت دی ہے اور انسان کا سب سے بڑا شرف یہی ہے کہ وہ مطہر ہو۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوقت صبح باہر تشریف لائے۔اس وقت سیاہ بالوں کا منقش کمبل زیب تن تھا۔اتنے میں حضرت حسن بن علی آئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کمبل میں چھپا لیا۔پھر حسین آئے، آپ نے ان کو بھی حضرت حسن کے ہمراہ کر لیا۔پھر حضرت فاطمہ آئیں انھیں بھی اور پھر حضرت علی آئے تو انھیں بھی اس کمبل میں داخل کر لیا اور فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ [1]

---

[1] [الاحزاب:۳۳]

''اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کر دے اور تمھیں بالکل پاک صاف کر دے۔''

اس حدیث میں گویا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چاروں اور ان کی اولاد قرآن مجید کی نص کے ساتھ اہل بیت کے نام سے موسوم ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت شریفہ ''نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ'' نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلا کر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلِيْ . ❶

''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔''

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ کی اولاد کا اہل بیت ہونا کتاب و سنت کی نصوص سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا فَاطِمَةُ اَمَا تَرْضَيْنَ اَنْ تَكُوْنِيْ سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَوْ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ . ❷

''اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! تو اس بات سے خوش نہیں کہ تو اہل جنت کی عورتوں یا (آپ نے یہ فرمایا کہ) مومنوں کی عورتوں کی سردار ہو جائے۔''

مسور بن مخرمہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّيْ فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِيْ . ❸

''فاطمہ رضی اللہ عنہا میرا ٹکڑا ہے جو اسے ناراض کرے اس نے گویا مجھے ناراض کر دیا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لے آئے اور فرمایا کیا یہاں لکع ہے؟ کیا یہاں لکع ہے؟ لکع کے معنی ہیں چھوٹا بچہ، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد حضرت حسن سے تھی۔ اچانک وہ بھی دوڑتے ہوئے آ گئے تو آپ نے ان کو گلے لگا لیا۔ پھر فرمایا:

---

❶ [رواه مسلم: ٣٢/ ٢٤٠٤ والترمذی: ٢٩٩٩]

❷ [متفق عليه، بخاری: ٣٦٢٤۔ مسلم: ٩٩/ ٢٤٥٠]

❸ [متفق عليه، بخاری: ٣٧٦٧۔ مسلم: ٩٤/ ٢٤٤٩]

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهٗ . ❶

''اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر اور جو اس سے محبت کرے اس سے بھی محبت کر۔''

یہ آنحضرت ﷺ کی محبت اہل بیت کے حق میں دعا ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں رات کو آنحضرت ﷺ کے پاس کسی کام کی غرض سے آیا۔ آپ ﷺ جب باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے کچھ اُٹھا رکھا تھا۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا ہے۔ جب میں اپنے کام سے فارغ ہوا تو عرض کی، حضور! آپ کیا اٹھائے ہوئے ہیں۔ آپ نے کپڑا کھولا تو حسن و حسین آپ ﷺ کے زانو پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

هٰذَانِ اِبْنَایَ وَابْنَا اِبْنَتِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا . ❷

''یہ دونوں میرے بیٹے ہیں، میری بیٹی کے لخت جگر ہیں اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر اور جو ان سے محبت رکھے اس سے بھی محبت فرما۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد آنحضرت ﷺ کی اولاد ہے۔ اگرچہ اولادِ دختر اپنی اولاد نہیں ہوتی۔ لیکن یہ جناب رسالت مآب ﷺ کی خصوصیت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ

اَیُّ اَهْلِ بَیْتِکَ اَحَبُّ .

آپ کو اپنے اہل بیت میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ . ❸

''حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

ادعی لی ابنی . ''میرے بیٹوں کو تو ذرا بلاؤ۔''

---

❶ [متفق علیہ، بخاری: ٥٨٨٤۔ مسلم: ٥٧/ ٢٤٢١]

❷ [رواہ الترمذی: ٣٧٦٩] ❸ [رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب: ٣٧٧٢]

جب وہ آ جاتے تو آپ ﷺ ان کو سونگھتے اور گلے لگاتے۔ ❶

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت حسن و حسین کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

هُمَا رَيْحَانَيَّ مِنَ الدُّنْيَا . ❷

''کہ وہ دونوں میرے لیے دنیا (کی چیزوں میں) سے خوشبو دار پودوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَهُمْ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَهُمْ . ❸

''جو ان سے لڑائی کرے اس سے میری لڑائی اور جو ان سے صلح سے رہے اس سے میری بھی صلح ہے۔''

آپ ﷺ کی مراد حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم سے تھی۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ . ❹

''حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔''

حضرت یعلی بن مرہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ

حُسَيْنٌ مِنِّي اَنَا مِنْ حُسَيْنٍ اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ . ❺

''حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں، خدا اس سے محبت کرے جو حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے حسین رضی اللہ عنہ اسباط میں سے ایک سبط ہیں۔''

سبط پوتے کو کہتے ہیں یہ سبط سے ماخوذ ہے۔ سبط بہت سی شاخوں والے درخت کو کہتے ہیں۔ اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کثرتِ نسل کی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ

---

❶ [رواه الترمذي وقال هذا حديث غريب: ٣٧٧٢]

❷ [رواه البخاري: ٣٧٥٣] ❸ [رواه الترمذي: ٣٨٧٠]

❹ [رواه الترمذي: ٣٧٨١] ❺ [رواه الترمذي: ٣٧٧٥]

اس کے معنی ہیں حسین رضی اللہ عنہ امتوں میں سے ایک امت ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ

اَحِبُّوْنِیْ بِحُبِّ اللّٰهِ وَاَحِبُّوْا اَهْلَ بَيْتِیْ بِحُبِّیْ . ❶

''مجھے اللہ کی محبت کی وجہ سے اور میرے اہل بیت کو میری محبت کی وجہ سے محبوب سمجھو۔''

معلوم ہوا کہ محبت سادات، عین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے در کعبہ پکڑے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلَا اِنَّ مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِیْ فِيْكُمْ مَثَلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ . ❷

''خبردار! میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے۔ جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہا، ہلاک ہوا۔''

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ و مدینہ کے درمیان بُرخم کے مقام پر خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور وعظ و تذکیر کے بعد فرمایا:

اَلَا اَيُّهَا النَّاسُ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ يُوْشِكُ اَنْ يَّاْتِيَنِیْ رَسُوْلُ رَبِّیْ فَاُجِيْبُ وَاَنَا تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ وَاَهْلُ بَيْتِیْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِیْ اَهْلِ بَيْتِیْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِیْ اَهْلِ بَيْتِیْ . ❸

''لوگو! میں ایک انسان ہوں، ممکن ہے کہ جلد ہی میرے پاس میرے رب کا پیامبر آ جائے تو میں دعوت کو قبول کرلوں۔ میں تم میں دو مضبوط گراں قدر چیزیں چھوڑ کر رخصت ہو رہا ہوں ان میں سے ایک کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت و نور ہے لہٰذا کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھام لو۔ الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کی طرف بہت توجہ دلائی۔ پھر فرمایا کہ دوسری چیز جو ہے

---

❶ [رواہ الترمذی بطولہ: ۳۷۸۹ حضرت ابوذر کی یہ روایت اور اس کے علاوہ دیگر صحابہ سے مروی اس مضمون کی روایات سب سنداً مخدوش ہیں۔[دیکھئے مجمع الزوائد، ج:۹، ص:۱۶۸۔ ص۔ ی]

❷ [مستدرك حاكم: ۳/ ۱۵۰] ❸ [رواہ مسلم: ۳۶/ ۲۴۰۸]

میرے اہل بیت ہیں۔ اپنے اہل بیت کے متعلق میں تمہیں خدا سے ڈراتا ہوں۔ اپنے اہل بیت کے متعلق میں تمھیں خدا سے ڈرتا ہوں۔''

اس حدیث میں آپ نے قرآنِ مجید اور اہل بیت کو ''ثقلین'' قرار دے کر دونوں کو ایک ہی سلک میں منسلک فرما دیا ہے۔ اہل بیت کے لیے یہ نہایت شرف کی بات ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ اَحَدُهُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْاٰخَرِ کِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلُ بَیْتِیْ وَلَنْ یَّتَفَرَّقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَخْلُفُوْنِیْ فِیْهِمَا . ❶

''میں تم میں وہ کچھ چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر انھیں مضبوطی سے تھام لوگے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ ایک کتاب اللہ ہے جو اللہ کی آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی ایک رسی ہے اور دوسری میری اولاد ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے۔ حتی کہ مجھے حوض کوثر پر آ ملیں گے۔ سو خیال رکھو کہ تم میرے بعد ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کے موقع پر عرفہ کے دن قصواء اونٹنی پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلُ بَیْتِیْ . ❷

''لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر مضبوطی سے اسے تھامے رکھو گے تو گمراہ نہ ہوگے۔ اور وہ کتاب اللہ ہے اور میرے اہل بیت میری اولاد ہیں۔''

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل بیت کے یہ مناقب حسنین، فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص ہیں یا ان کی اولاد کو بھی شامل ہیں۔ جمہور کے نزدیک وہ فضائل جو خاص اُن کے نام پر آئے ہیں۔ مثلاً ''حسن وحسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔'' وہ تو متجاوز نہیں۔ لیکن وہ الفاظ جو بصیغۂ عموم آئے ہیں، وہ متجاوز ہیں۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قیامت تک کی اولاد کو شامل ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ

---

❶ [رواہ الترمذی: ۳۷۸۸] ❷ [رواہ الترمذی: ۳۷۸۶]

آنحضرت ﷺ نے امام مہدی علیہ السلام کو اہل بیت میں سے قرار دیا ہے۔ حالاں کہ آنحضرت ﷺ اور ان کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ اور حسب ونسب کا ایک عظیم سلسلہ ہے۔ جب وہ آلِ رسول ہیں تو وہ سادات جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ سے تا ظہورِ مہدی دنیا میں گزر چکے ہیں یا گزریں گے یا فی الحال موجود ہیں، قلت وسائط کے باعث بالاولیٰ اہل بیت میں داخل ہیں۔ بشرطے کہ ان کا اعتقاد وعمل قرآنِ مجید کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا ﴾ [1]

"اے ہمارے پروردگار! ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کینہ نہ پیدا ہونے دے۔"

تو اس سے معلوم ہوا کہ جو اپنے دل میں سابقہ مومنوں کے لیے کینہ رکھتا ہو اور ان کے لیے دعا نہ کرتا ہو بلکہ بددعا کرتا ہو۔ جیسے روافض وخوارج کرتے ہیں۔ تو وہ مومن نہیں ہے بلکہ جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر غیظ وغضب آئے۔ اس کے لیے کفر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

﴿ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ﴾

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا ہے۔

﴿ رضی الله عنهم ورضوا عنه ﴾

اب جو کوئی ان سے ناراض ہو، وہ مخالف خدا ہے۔

یہ قید ہم نے دو وجہ سے ذکر کی ہے۔

اوّل تو اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے اہل بیت کو ثقل قرآن کے ہم مثل قرار دیا ہے اور یہ ثقل اسی وقت معتبر ہوگا جب کہ یہ دونوں ترازو کے پلڑوں میں ایک دوسرے کے ہم وزن ہوں۔ تو جو لوگ نسل نبوت میں ہو کر کتاب وسنت پر عمل پیرا نہیں بلکہ شیعہ، خوارج اور روافض کی طرح بدعت وضلالت میں سرگرداں ہیں، وہ ان فضائل کے ہرگز مصداق نہیں ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے مخاطب ہو کر ان کے بیٹے کے بارے میں فرمایا تھا:

---

[1] [الحشر: ١٠]

﴿ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﴾ ❶

"بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ بے شک وہ ناشائستہ افعال کا حامل ہے۔"

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

پسرِ نوح بابداں بنشست خاندانِ نبوتش گم شد

سگِ اصحابِ کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد!

اور دوم اس لیے کہ قرآنِ مجید میں ازواج مطہرات کے حق میں فرمایا گیا ہے کہ تم میں سے اگر کوئی برا کام کرے تو اسے دوگنا عذاب ہوگا۔ اور یہ اس لیے کہ تعزیر بقدر کرامت ہوتی ہے۔ اگر سید سی کبائر کا ارتکاب کرے تو وہ دو گنے عذاب کا مستحق ہوگا اور پھر اگر عالم ہو کر اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے تو وہ اور زیادہ مستحق عقاب ہوگا۔ غرضیکہ سید اور ذریت نبی سے ہونا کوئی آسان بات نہیں۔ کیوں کہ اگر عمل ٹھیک نہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ کے سامنے نہایت ذلت وخجالت ہوگی۔ ایک سید کو اس نسب مبارک کا اسی وقت نفع ہو سکتا ہے جب کہ وہ ہر صورت میں خواہ عالم ہو خواہ جاہل، کتاب وسنت کے مطابق عمل کرے۔ بہت سے لوگ محض اس غرور کے باعث ہلاک ہو گئے کہ ہم اہل بیت ہیں اور ہمیں تمام امت پر شرفِ عظیم حاصل ہے۔ حالاں کہ شیطان نے انھیں دھوکا دیا اور صراطِ مستقیم سے انھیں دور لے گیا۔ امام محمد تستری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اسبابِ تکبر میں سے ایک سبب نسبت ہے۔ چناں چہ:

فَشَرِیْفُ النَّسَبِ یَسْتَحْقِرُ خَسِیْسَهٗ وَاِنْ کَانَ اَرْفَعَ مِنْهُ عِلْمًا وَعَمَلًا وَقَدْ یَرٰی بَعْضُهُمْ اَنَّ النَّاسَ لَهٗ عَبِیْدٌ وَیَاْنَفُ مِنْ مَجَالِسَتِهِمْ وَرُبَّمَا اَظْهَرَ فِی اللِّسَانِ فَقَالَ لِغَیْرِهٖ مَنْ اَنْتَ وَمَنْ اَبُوْکَ وَاَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ وَاَنّٰی لِمِثْلِکَ اَنْ یُکَلِّمَنِیْ وَنَحْوِهَا وَهٰذَا اَدَاءٌ دَفِیْنٌ قَلَّ مَا یَنْفَکُّ عَنْهُ نَسِیْبٌ وَاِنْ کَانَ صَالِحًا لَبِیْبًا لٰکِنْ قَدْ لَا یُظْهِرُهٗ عِنْدَ اِعْتِدَالِ الْاَحْوَالِ فَاِنْ غَضِبَ انْطَفٰی نُوْرُ بَصِیْرَتِهٖ فَظَهَرَ مِنْهُ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ قَاوَلْتُ رَجُلًا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَهٗ یَابْنَ السَّوْدَآءِ فَقَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ لِابْنِ بَیْضَآءَ عَلَی ابْنِ سَوْدَآءَ فَضْلٌ وَتَفَاخَرَ رَجُلَانِ عِنْدَهٗ فَقَالَ اَحَدُهُمَا لِلْاٰخَرِ اَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ فَمَنْ اَنْتَ فَقَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِفْتَخَرَ رَجُلَانِ عِنْدَ مُوْسٰی فَقَالَ اَحَدُهُمَا اَنَا فُلَانُ بْنُ

❶ [هود: ٤٦]

فُلَانٍ حَتّٰی عَدَّ تِسْعَةَ آبَاءٍ فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلٰی مُوْسٰی قُلْ لَهُ اَلتِّسْعَةُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَاَنْتَ عَاشِرُهُمْ . [احیاء الاحیاء]

''شریف نسب والا خسیس نسب والے کو حقیر سمجھتا ہے اگر چہ علم وعمل کے اعتبار سے وہ اس سے ارفع ہی کیوں نہ ہو۔ بعض تو اس قدر مغرور ہو جاتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اپنا غلام سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ بیٹھنے سے بھی نفرت کرتے ہیں۔ حتی کہ اس نفرت کا اظہار ان کی زبان سے بھی اس طرح ہونے لگتا ہے کہ وہ اپنے غیر سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تو کون ہے اور تیرا باپ کون؟ تجھے معلوم نہیں کہ میں فلاں بن فلاں ہوں تیرے جیسے کمینے کو میرے ساتھ بات کرنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ ایک ایسا مخفی مرض ہے کہ شاید ہی کوئی اچھے نسب والا، اس سے محفوظ رہا ہو، نیک اور عقل مند لوگ اگر چہ اعتدالِ احوال کے وقت ایسی باتیں نہیں کرتے۔ لیکن جب غصے میں آ جائیں تو ان کا بھی نورِ بصیرت بجھ جاتا ہے۔ اور وہ بھی ایسی باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی پر طعن کرتے ہوئے کہا اے سیاہ عورت کے بیٹے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سفید عورت کے بیٹے کو سیاہ عورت کے بیٹے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمیوں نے ایک دوسرے پر فخر کرنا شروع کیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں تو فلاں بن فلاں ہوں، تو کون ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی دو آدمیوں نے فخر کیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں تو فلاں بن فلاں ہوں، حتی کہ اس نے اپنے نو آباؤ اجداد کے نام شمار کر دیے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اسے کہہ دو، وہ نو کے نو جہنم میں ہیں اور دسواں تو بھی جہنم میں۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ معزز انسان کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَتْقَاهُمْ . [1]

''اللہ کے ہاں تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو۔''

حضرت عیاض بن حمار مجاشعی سے مرفوع روایت ہے۔

---

[1] [الحديث متفق عليه، بخاری: ٣٣٥٣- مسلم: ١٦٨/ ٢٣٧٨]

إِنَّ اللّٰهَ أَوْحٰى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ وَلَا يَبْغِيَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ . ❶

"اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم سب اس قدر تواضع اختیار کرو کہ کوئی شخص کسی دوسرے پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ

لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَفْتَخِرُوْنَ بِآبَاءِهِمُ الَّذِيْنَ مَاتُوْا إِنَّمَا هُمْ فَحْمُ جَهَنَّمَ أَوْ لَيَكُوْنَنَّ أَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِيْ يُدَهْدِهُ الْخُرَاءَ بِأَنْفِهِ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ إِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَ فَاجِرٌ شَقِيٌّ وَالنَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْا آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ . ❷

"لوگ اپنے مردہ آباؤ اجداد پر فخر کرنے سے باز آ جائیں۔ وہ تو جہنم کے کوئلے ہیں، یا پھر اللہ کے ہاں اس سیاہ کیڑے سے بھی زیادہ حقیر ہو جائیں گے جو اپنے ناک سے گندگی کو حرکت دیتا ہے۔ بلاشبہ اللہ نے تمہارا دورِ جاہلیت کا تکبر اور آباؤ اجداد کے ساتھ فخر کرنا ختم کر دیا ہے۔ وہ (فخر کرنے والا) یا تو مومن پرہیز گار ہے یا بد بخت گنہگار، تمام لوگ آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔"

حضرت حسن، سمرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت نقل فرماتے ہیں کہ

اَلْحَسَبُ الْمَالُ وَالْكَرَمُ التَّقْوٰى . ❸

"حسب سے مراد مال و دولت اور عزت سے مراد تقویٰ ہے۔"

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ

أَنْسَابُكُمْ هٰذِهِ لَيْسَتْ بِمَسَبَّةٍ عَلٰى أَحَدِكُمْ كُلُّكُمْ بَنُوْ آدَمَ طَفُّ الصَّاعِ بِالصَّاعِ لَمْ تَمْلَؤُوْهُ لَيْسَ لِأَحَدٍ عَلٰى أَحَدٍ فَضْلٌ إِلَّا بِدِيْنٍ أَوْ تَقْوٰى . الحديث . ❹

"تمہارے یہ نسب کسی کے لیے گالی اور عار کا محل نہیں تم سب آدم کے بیٹے ہو، اور نقص میں

---

❶ [رواه مسلم: ٦٤/ ٢٨٦٥] ❷ [رواه الترمذی: ٣٩٥٥۔ وابوداؤد: ٥١١٦]

❸ [رواه الترمذی: ٣٢٧١۔ وابن ماجه: ٤٢١٩]

❹ [رواه احمد: ٤/ ١٤٥ والبيهقی فی شعب الايمان: ٤/ ٢٩٢]

برابر ہو، کسی کو کسی پر دین وتقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔"

صحاح وسنن کی ان احادیث مبارکہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انسان اگر چہ کیسا ہی شریف النسب کیوں نہ ہو، اس کے لیے غیر شریف النسب پر فخر کرنا حرام ہے۔ کیوں کہ دین اسلام میں شرف کا انحصار محض دینداری اور تقویٰ پر ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ مرض جاہل سادات اور صوفیاء کی اولاد میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ لوگ علم وعمل سے محروم ہوتے ہیں۔ اور محض ذات اور شرافت نسب پر ناز وتکبر کرتے ہیں۔ قیامت کے دن یہی شرافت ان کے لیے شر وآفت ہو جائے گی۔ **اللھم احفظنا**

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری نظر میں کوئی تقویٰ شعار مسلمان، خواہ وہ کیسا ہی کم ذات وکم نسب کیوں نہ ہو۔ قطعاً حقیر نہیں۔ میں ہر متقی کو اپنے سے ہزار درجہ بہتر سمجھتا ہوں۔ اس لیے میں نے آج تک کسی کے سامنے اپنے نسب پر فخر نہیں کیا، اور نہ میں نے کبھی اپنی شرافت نسب کو تحصیل رزق یا تعظیم کا وسیلہ ہی بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ میری اولاد بھی اسی راستے پر گامزن رہے گی اور ہم سب کا ایمان پر خاتمہ ہوگا۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز، اللھم آمین!**

امت کے بعض افراد میں یہ مرض بھی پایا جاتا ہے کہ وہ سید تو نہیں ہوتے۔ لیکن لوگوں سے طلب دنیا یا حصولِ صدقہ وخیرات کے لیے وہ اپنے آپ کو سید ظاہر کرتے ہیں۔ حالاں کہ غیر باپ کی طرف انتساب حرام ہے۔ صحیح حدیث میں اس کذب بیانی پر لعنت آئی ہے اور فرض صدقات تو تمام بنی ہاشم پر قطعاً حرام ہیں۔ یہاں تک کہ ہاشمی بھی کسی دوسرے ہاشمی کو فرض صدقہ نہیں دے سکتا۔ بلکہ سادات کی لونڈیاں اور غلاموں کے لیے بھی صدقہ کا مال لینا درست نہیں۔ **عافانا اللہ تعالی عن ذالک**

ابتدائی حالات

والد مرحوم کی وفات کے بعد اعزہ واقارب میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو میری پرورش کرتا۔ ہم دو بھائی اور تین بہنیں تھے۔ سب نے مادرِ مہربان کی آغوش میں تربیت پائی۔ آمدنی کا بھی بظاہر کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے خزانہ غیب سے رزق عنایت فرماتا رہا۔ والد مرحوم کے مرید بھی اگر چہ بکثرت تھے، جن کی اولاد ابھی تک باقی ہے۔ لیکن ان میں سے بھی کوئی ہمارا کفیل نہیں تھا۔ محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کے زیر سایہ پروان چڑھے ہیں۔ والد علیہ الرحمۃ کے بعد والدہ علیہا الرحمۃ نے ایک معلم کا انتظام کر دیا تھا۔ جس سے ہم نے قرآنِ مجید اور گلستان وبوستان وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

برادرِ اکبر سید احمد حسن مجھ سے دو برس بڑے تھے اور بڑے ذہین تھے۔ انھوں نے جلد فارسی سیکھ لی اور عربی پڑھنی شروع کر دی۔ گھر میں والد علیہ الرحمۃ کا کتب خانہ موجود تھا۔ ان کے خادم شیخ حسینی جب کتابوں کو دھوپ میں ڈالتے تو ہم محض دل لگی کے لیے ایک ایک کتاب کھول کر جگہ جگہ سے پڑھتے۔ کوئی مقام سمجھ میں آتا اور کوئی نہ آتا۔ لیکن اس محض ورق گردانی کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی برکت سے دل میں علم کا شوق پیدا ہو گیا۔ سید احمد علی مرحوم ساکن فرخ آباد، والد مرحوم سے ارادت کے باعث مجھے اپنے گھر لے گئے۔ میں کئی دفعہ ان کے ہاں کئی کئی ماہ تک رہا اور وہاں کچھ عربی پڑھی۔ لیکن بے نیازی اور غفلت کے عالم میں۔ پھر والد صاحب کے کچھ مرید مجھے تعلیم کے لیے کانپور لے گئے اور وہاں بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔ بچپن ہی سے مجھے علمائے کرام کی مجلس وعظ میں شرکت کا شوق تھا۔ اگرچہ میں اچھی طرح سمجھ نہیں سکتا تھا تاہم مجالس وعظ میں شرکت ضرور کرتا تھا۔ بریلی میں مولانا محبوب علی مراد آبادی [1] کا وعظ سنا۔ فرخ آباد اور کانپور میں مجالس وعظ میں شرکت کی۔ مولانا محمد علی ٹونکی [2] کا ایک مرتبہ قنوج سے گزر ہوا، آپ نے وہاں جو وعظ فرمایا، مجھے بھی اس کے سننے کا شرف نصیب ہوا۔ آپ بڑے خوش بیان واعظ، حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ [3] کے خلیفہ اور مولانا حیدر علی ٹونکی [4] کے برادرِ اصغر تھے۔

مولانا ولایت علی [5] اور مولانا عنایت علی [6] جب قنوج میں تشریف لائے تو انھوں نے میرے مکان میں بھی قدم رنجہ فرمایا اور اپنے اہل بیت کو والدہ مرحومہ کی ملاقات کے لیے گھر میں بھیجا۔ دونوں بزرگوں نے جامع مسجد قنوج میں چند جمعہ تک وعظ فرمایا۔ رخصت ہوتے وقت انھوں نے مجھے وصیت فرمائی کہ تم بلوغ المرام ضرور پڑھنا۔ میری عمر اس وقت بارہ تیرہ برس ہوگی۔ ان کے فرمانے کا نتیجہ ایک مدت دراز کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ میں نے بلوغ المرام کی شرح بھی لکھی۔ مولانا ولایت علی مرحوم کے وعظ میں جو شدت تاثیر تھی، وہ کسی دوسرے کے وعظ میں نہ پائی۔ آپ کے پاس بیٹھنے سے دل دنیا سے بالکل بیزار ہو جاتا تھا۔ اور دین کا جوش تہہ دل سے اٹھتا تھا۔ یہ مصرعہ میں نے آپ ہی سے سنا تھا ع

ہم طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

---

[1] ۱۲۰۰ھ ۱۲۸۰ھ
[2] ۱۱۹۵ھ ۱۲۶۶ھ
[3] ۱۲۰۱ھ ۱۲۴۶ھ
[4] ۱۲۷۳ھ
[5] ۱۲۰۵ھ ۱۲۶۹ھ
[6] — ...... ۱۲۷۳ھ —

کانپور میں مولانا خرم علی صاحب ❶ اور مولانا عبدالحلیم صاحب لکھنوی ❷ کو بھی دیکھا تھا۔ اور مولانا سلامت اللہ صاحب بدایونی ❸ کا وعظ بھی سنا تھا۔ آپ کا وعظ عالمانہ تھا۔ بہت خوش بیان مقرر تھے۔ میں نے کانپور میں شاہ غلام رسول کانپوری اور مولانا زین العابدین الٰہ آبادی کو بھی دیکھا ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب ❹ بارک اللہ فی حیاتہم بھی بار ہا قنوج میں تشریف لا کر جامع مسجد میں ٹھہرتے تھے۔ اور میرے گھر بھی آتے جاتے تھے۔ ہم دونوں بھائیوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور والد علیہ الرحمۃ کی قبر پر بھی جایا کرتے تھے۔ آج کل مولانا صاحب کی شخصیت قناعت اور زہد و تقویٰ کے اعتبار سے یادگارِ روزگار ہے۔ میرے بڑے فرزند نور الحسن خاں کو ان سے بہت زیادہ اُنس اور عقیدت ہے۔

پھر کانپور سے قاضی کلو ساکن چھپرامئو مجھے تعلیم کا شوق دلا کر دہلی لے گئے اور میں تقریباً دو برس وہاں رہا۔ ان دنوں مولانا بشیر الدین قنوجی ❺ بن ناظر کریم الدین وہاں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے دو تین روز مجھے اپنے ہاں مہمان رکھا۔ پھر مفتی محمد صدر الدین خاں صاحب ❻ آ کر مجھے لے گئے۔ اور نواب مصطفیٰ خاں مرحوم ❼ کے مکان میں مجھے ٹھہرا دیا۔ یہ مکان چتلی قبر کے متصل ہی تھا۔ مفتی صاحب سے میں نے سبق لینا شروع کر دیا۔ اور علومِ آلیہ کی کتابیں آپ سے پڑھیں۔ دہلی میں میں نے مولانا نوازش علی واعظ، مولانا قطب الدین مرحوم کے شاگرد خواجہ ضیاء الدین واعظ، مولانا عبدالخالق، ❽ مولانا حفیظ اللہ واعظ، ❾ مولانا عبدالکریم، مولانا محبوب علی، مولانا قطب الدین مترجم مشکوٰۃ شریف، مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اور ہر گروہ کے علماء موجودین کو دیکھا۔ لیکن زیادہ دیر تک کسی کے ساتھ بھی رہنے کا موقع میسر نہیں آیا۔ نیز حضرت سید احمد صاحب کے رفقاء میں سے مولانا نصیر الدین صاحب واعظ جامع مسجد کی بھی زیارت نصیب ہوئی۔ مستعد طلبا میں سے مولانا فیض الحسن سہارن پوری اور ملا نواب صاحب حال مقیم مکہ معظمہ کو دیکھا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کو بھی دیکھا اور ان کے فرزند مولانا عبدالحق سے بھی جلسہ قیصریہ دہلی میں ملاقات ہوئی۔ خانقاہ مرزا مظہر جان جاناں

---

❶ ...... ۱۲۷۶ ❷ ۱۲۰۹ھ ۱۲۸۵ھ

❸ ...... ۱۲۸۱ھ ❹ ۱۲۰۸ھ ۱۳۱۳ھ

❺ ۱۲۳۴ھ ...... ۱۲۶۶ھ ❻ ۱۲۰۴ھ ۱۲۸۵ھ

❼ ۱۲۲۱ھ ...... ۱۲۸۶ھ ❽ ...... ۱۲۶۱ھ ❾ ۱۲۳۵ھ

قدس سرہٗ میں شاہ احمد سعید اور شاہ عبدالغنی کی زیارت ہوئی۔ شعراء میں سے مرزا غالب، شیخ ابراہیم ذوق اور امام بخش صہبائی اس وقت تک بقید حیات تھے۔ امراء میں سے نواب مصطفیٰ خان، نواب امین الدین خان، ضیاء الدین خان اور ان کی اولاد کو دیکھا نواب امین الدین خان نے اپنی دختر نیک اختر کو میرے حبالۂ عقد میں دینا چاہا تھا اور مفتی صاحب کے ذریعہ سے تحریک بھی کی تھی۔ مگر ان کے مغل ہونے کے باعث میں نے ان کی اس پیش کش کو منظور نہ کیا۔

دہلی میں قیام کے زمانہ میں قلعہ کے اندر بہادر شاہ اور ان کے ولی عہد مرزا فخر الدین وغیرہ شہزادگان کو دیکھا۔ اور حکماء میں سے حکیم امام الدین خان اور حکیم احسان اللہ خان کو دیکھا۔ الغرض ان سب کو دیکھا مگر ایسا کوئی نہ دیکھا جو صحیح معنوں میں دنیا سے دست بردار اور خداوند تعالیٰ کا اطاعت گزار ہو۔

در مسجد و خانقاہ بسے گردیدم
بس شیخ و مرید را کہ پا بوسیدم
نے یک ساعت ز ہستی خود رستم
نے آنکہ ز خویش رستہ باشد دیدم

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر اتوار کو اکثر قطب صاحب جایا کرتے تھے۔ میں بھی ان کے ہمراہ چلا جایا کرتا تھا۔ اس وجہ سے بارہا دہلی کے فوت شدہ صلحاء کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں عصر، مغرب اور جمعہ کی نمازیں اکثر جامع مسجد دہلی میں پڑھا کرتا تھا۔ اس وجہ سے میرے زیادہ تر اوقات علماء، عقلاء، امراء اور صلحاء کی صحبت میں گزرے ہیں۔

مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی پتنگ اڑائی ہو، مرغ لڑایا ہو، بٹیر پالا ہو، شطرنج گنجفہ، نرد شیر یا کوئی سا کھیل کھیلا ہو یا کبھی شہدوں کی صحبت میں بیٹھا ہوں، حالاں کہ کوئی بزرگ سر پر نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ مجھ پر احسان فرمایا کہ مجھے کبھی بھی مکروہ امور کا شوق پیدا نہ ہوا۔ اور میں ہمیشہ اچھے لوگوں کی صحبت کا طالب رہا اور اگر اتفاقاً کسی صحبت بد میں پھنس گیا تو جلد متنبہ ہو کر باز آ گیا۔ وللہ الحمد

میں سات برس کا تھا۔ میرے گھر کے دروازہ پر مسجد تھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ صبح کے وقت اذان ہوتے ہی والدہ مرحومہ مجھے بیدار کرا دیتیں، اور وضو کرا کے مسجد میں بھیج دیتی تھیں۔ اور گھر میں نماز کبھی نہ پڑھنے دیتی تھیں۔ اگر نیند کی سستی کی وجہ سے نہ اٹھتا تو منہ پر پانی ڈال دیتی تھیں۔ اس وجہ سے بچپن ہی سے نماز کی عادت پڑ گئی۔ شاید دس برس کی عمر میں والدہ نے روزہ رکھوایا اور اس وقت سے روزہ رکھنے کی عادت پڑ گئی۔ یاد رہے کہ دہلی کا یہ مذکورہ سفر میں نے بلوغت کے بعد کیا تھا۔

والدہ مرحومہ کی یاد میں

مجھے اپنی والدہ سے بہت محبت تھی۔ میرے پاس جو روپیہ پیسہ یا کوئی چیز ہوتی میں ان کو دے دیتا تھا۔ اپنے پاس نہیں رکھتا تھا۔ اور ضرورت کے وقت ان سے لے لیتا تھا۔ وہ بھی مجھ سے بہت محبت فرماتی تھیں۔ اولاد پر ماں کی خدمت اور تعظیم کا حق باپ کی نسبت تین گنا زیادہ ہوتا ہے۔

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں آیا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ

''میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیری والدہ! اس نے عرض کیا ''پھر کون؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیری والدہ! اس نے کہا پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیری والدہ! اس نے عرض کیا ''پھر کون؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا والد۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

اُمَّکَ ثُمَّ اُمَّکَ ثُمَّ اُمَّکَ ثُمَّ اَبَاکَ ثُمَّ اَدْنَاکَ اَدْنَاکَ . ❶

''تیری والدہ، پھر تیری والدہ، پھر تیری والدہ، پھر تیرا باپ، پھر تیرا قریبی، پھر تیرا قریبی۔''

میں نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا۔ ورنہ حتی المقدور ان کی خدمت بجالانے میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتا۔ میری والدہ مرحومہ جب دنیا سے رخصت ہوئیں تو وہ مجھ سے راضی تھیں۔

والحمد لله على ذالک

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" رَغِمَ اَنْفُهُ قِيْلَ مَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَيْهِمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ ." ❷

''اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو۔'' عرض کیا گیا! ''اے اللہ کے رسول! کس شخص کی؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بڑھاپے کی حالت میں اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پائے اور پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہو۔''

---

❶ [متفق عليه، بخاري: ٥٩٧١، مسلم: ١-٢/٢٥٤٨]

❷ [رواه مسلم: ١٠/٢٥٥١]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں جنت میں گیا تو میں نے وہاں قراءت کی آواز سنی تو پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ حارثہ بن نعمان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! یہ اپنی والدہ کے ساتھ بڑے نیکوکار تھے۔'' ❶

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مرفوع روایت ہے کہ

رِضَی الرَّبِّ فِیْ رِضَی الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدِ . ❷

''اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے، اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔''

حضرت بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ اَبَرُّ قَالَ اُمَّکَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمَّکَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمَّکَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبَاکَ ثُمَّ الْاَقْرَبَ فَالْاَقْرَبَ . ❸

''اے اللہ کے رسول! میں کس سے نیکی کروں؟ فرمایا اپنی والدہ سے۔ میں نے عرض کی پھر کس سے؟ فرمایا اپنی والدہ سے۔ میں نے عرض کیا پھر کس سے؟ فرمایا اپنی والدہ سے میں نے عرض کیا پھر کس سے؟ فرمایا اپنے باپ سے اور پھر جو جتنا زیادہ قریبی ہو اس سے۔''

معلوم ہوا کہ باپ کی نسبت ماں نیکی اور حسن سلوک کی سہ چند زیادہ مستحق ہے۔ اور جن احادیث میں صلہ رحمی کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، ان کے اعتبار سے والدین کے ساتھ صلہ رحمی دیگر تمام لوگوں کی نسبت مقدم ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت ہے کہ

'' مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّبْسَطَ لَہٗ فِیْ رِزْقِہٖ وَیُنْسَأَ لَہٗ فِیْ اَثَرِہٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ . '' ❹

''جو شخص پسند کرے کہ اس کا رزق فراخ اور اس کی عمر زیادہ ہو، اسے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔''

میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے اس قدر بکثرت مال عطا فرمایا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے حتی الامکان اپنی والدہ ماجدہ کو خوش رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور میں ان کے سامنے اس طرح رہا ہوں جیسے کوئی کنیز یا غلام اپنے آقا کے سامنے رہتا ہے۔

---

❶ [رواہ فی شرح السنۃ والبیہقی فی شعب الایمان: ۷۸۵۰]

❷ [رواہ الترمذی: ۱۸۹۹] ❸ [رواہ الترمذی: ۱۸۹۷ وابوداؤد: ۵۱۳۹]

❹ [متفق علیہ، بخاری: ۲۰۶۷۔ مسلم: ۲۵۵۷]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ''مجھ سے ایک بڑے گناہ کا ارتکاب ہوگیا ہے کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تیری والدہ موجود ہے؟'' اس نے جواب دیا۔ جی نہیں، آپ نے فرمایا: ''کیا تیری خالہ ہے؟'' اس نے کہا، جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ اس کے ساتھ نیکی کرو۔'' ❶

یہ حدیث گویا اس بات کی دلیل ہے کہ والدہ یا خالہ کے ساتھ نیکی کرنا کبیرہ گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ . ❷

''وہ تیری جنت اور جہنم ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ

''جب بھی کوئی نیک بچہ اپنے والدین کی طرف نظر رحمت سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک حج مبرور کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! اگر ایک شخص ہر دن سو مرتبہ اپنے والدین کو نظر رحمت سے دیکھے؟ فرمایا: اسے اسی حساب سے اجر وثواب ملتا ہے کیوں کہ اللہ اکبر واطیبہ ❸

میں نے والدۂ محترمہ سے سنا ہے کہ والد مرحوم مجھ سے بہت محبت کیا کرتے تھے۔ بلکہ ساری اولاد میں سے میرے ساتھ زیادہ محبت کرتے تھے۔ اور میرے لیے علم اور نیکی کی بکثرت دعائیں فرمایا کرتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ان کی دعاؤں کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم وافر اور رزقِ واسع سے نوازا ہے۔ میں نے اپنے والدین، بھائی اور بہنوں کی طرف سے حج کرا دیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک میت کی طرف سے کسی اجنبی کو حج بدل کرانا درست ہے۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ فتویٰ حدیث کے مطابق قریبی رشتہ دار کی طرف سے کسی قریبی رشتہ دار کو حج کرنا چاہیے۔ میت کی طرف سے کسی غریب غیر رشتہ دار واجنبی کو نہیں کرنا چاہیے اور یہی راجح ہے۔ بہر حال نفقات اور دیگر نیکیوں کا اجر انھیں

---

❶ [رواه الترمذي: ١٩٠٤] ❷ [رواه ابن ماجه: ٣٦٦٢]

❸ [رواه البيهقي في شعب الايمان، ح: ٧٨٥٩]

ان شاء اللہ ضرور ملے گا۔

والدین کے لیے دعائے مغفرت

جب سے میں سن شعور کو پہنچا ہوں، والدین کے لیے نماز میں تشہد اور درود کے بعد دعا کیا کرتا ہوں۔ اگر چہ میں کیا اور میری دعا کیا۔ تاہم حکم شریعت کی بجا آوری ضروری ہے اور والدین کی محبت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوا لَهُ ." ❶

''انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو تین کے سوا اس کے باقی سب اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ اول صدقہ جاریہ، دوم علم نافع اور سوم نیک بچہ جو اس کے لیے دعا کرتا ہو۔''

حضرت ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ بنو سلمہ میں سے ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: ''اے رسول خدا!

هَلْ بَقِيَ مِنْ بِرِّ اَبَوَيَّ شَيْءٌ اَبَرُّهُمَا بِهِ بَعْدَ مَوْتِهِمَا قَالَ نَعَمْ اَلصَّلٰوةُ عَلَيْهِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَاِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِيْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِهِمَا وَاِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا . ❷

''کیا کوئی نیکی باقی ہے جو میں اپنے والدین کی وفات کے بعد کر سکوں؟'' فرمایا ہاں! ان کے لیے دعا، استغفار، ان کے بعد ان کے وعدہ کا ایفا، وہ صلہ رحمی جو صرف ان کی وجہ سے ہی ہو سکتی ہو اور ان کے دوستوں کی عزت۔''

میں نماز میں اپنے مرحوم والدین کے لیے یہ دعا کیا کرتا ہوں۔

" اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ تَوَالَدَا وَارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا وَلِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْيَآءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَاتِ اِنَّكَ مُجِيْبُ الدَّعَوَاتِ ."

---

❶ [رواہ مسلم: ١٤/ ١٦٣١] ❷ [رواہ ابوداؤد: ٥١٤٢ وابن ماجه: ٣٦٦٤]

"اے اللہ! مجھے میرے والدین اوران کی تمام اولاد کو معاف فرما، اوران پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے بچپن میں میری پرورش فرمائی۔ نیز تمام مومن اور مسلمان مردوں اور عورتوں، زندوں اور مردوں کو بھی معاف فرما۔تو ہی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔"

اس دعا میں والدین کے علاوہ بھائی بہن وغیرہ بھی آ جاتے ہیں۔ میں نے والدہ مرحومہ کی طرف سے ایک سرائے اور کنواں بنوایا تھا۔اب ان کی طرف سے بھوپال شہر میں ایک مسجد بھی تعمیر کرادی ہے۔اُمید ہے کہ انھیں اس کا اجر ان شاء اللہ ضرور ملے گا۔اور اگر لاعلمی میں یا بھول چوک سے والدہ کی کوئی نافرمانی ہوئی ہو تو یہ اس کا کفارہ بن جائے گا اور میرا دعا اور استغفار کرنا اس سلسلہ میں ان شاء اللہ نفع بخش ثابت ہوگا۔کیوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ

إِنَّ الْعَبْدَ لَيَمُوْتَ وَالِدَاهُ أَوْ أَحَدُهُمَا وَإِنَّهُ لَهُمَا لَعَاقٌ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْ لَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ بَارًّا . [1]

"جس آدمی کے والدین یا ان میں سے کوئی فوت ہو جائے اور وہ ان کا نافرمان ہو لیکن ان کے لیے دعا اور استغفار کرتا رہے تو اللہ اسے نیکوکار لکھ دیتا ہے۔"

میری والدہ ماجدہ علیہا الرحمۃ کا انتقال بھوپال میں آ کر ہوا۔تاریخ وفات بروز پیر بوقت یکپاس شب ۲۴۔محرم ۱۲۸۵ھ ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس دن انھوں نے مغرب کی نماز لیٹ کر کے پڑھی اور حالت مرض میں سورۂ اخلاص پڑھتی رہی تھیں۔زندگی بھر صرف اس دن عشاء کی نماز وقت اجل کے آ جانے کے باعث فوت ہوئی۔ غسل اور تکفین کے بعد جب میں نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا تو ان کے چہرہ کا رنگ زرد تھا۔اہل علم کی صراحت کے مطابق یہ حسن خاتمہ کی علامت ہے۔آپ کی قبر میرے خسر مدارالمہام صاحب بہادر کے باغ کے متصل ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَلَهَا مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا .

تحصیل علم

میں نے علم کو طلب دنیا یا حصولِ عزت و جاہ کے لیے حاصل نہیں کیا، بلکہ نجات اور ایمان کا سبب سمجھتے ہوئے حاصل کیا ہے۔اور پھر کسی کی تحریک یا تشدید کے بغیر محض اپنے شوقِ خاطر سے سیکھا ہے۔

---

[1] [رواه البيهقي في شعب الايمان:٦/ ٢٠٢ رقم الحديث: ٧٩٠٢]

بچپن میں معلم سے قرآنِ مجید کے دو ایک پارے پڑھے تھے، سارا قرآنِ مجید پڑھنا یاد نہیں۔ البتہ حد بلوغت تک پہنچنے کے قریب میں نے از خود سارا قرآنِ مجید پڑھ لیا تھا۔ فارسی میں بوستان کے دو چار ورق اور گلستان کے دو ایک باب میاں جی سے پڑھے تھے۔ پھر خود ہی انشا ئاتِ فارسی اور کتب فارسی کا بغیر کسی استاد کے مطالعہ کر لیا۔ اس زمانہ میں ہر کتاب کے دیکھنے سمجھنے کا شوق دامن گیر رہتا تھا۔ حتی کہ قصہ و داستان کی بھی کوئی کتاب خواہ نظم ہو یا نثر ایسی نہیں جس کا ایک بار اوّل سے آخر تک مطالعہ نہ کیا ہو۔ حتی کہ فسانہ عجائب، مثنوی میر تقی میر، شعرائے ہند کے دواوین اردو، شعرائے فارس کے متداول دواوین فارسی، مثنوی غنیمت زلیخا، سکندر نامہ، ابوالفضل، توقیعات اور سہ نثر ظہوری وغیرہ کا بھی مطالعہ کیا اور ان تمام کتب سے بحکم ”خذ ما صفا ودع ما کدر“ اچھے اچھے فقرے اور جملے یاد کر لیے۔ فنونِ فارسی میں تحصیل ترتیب وار نہیں ہوئی بلکہ وقتاً فوقتاً کتابوں کا مطالعہ کیا۔ جس سے فارسی سمجھنے کا ملکہ راسخہ اور فارسی انشاء میں قدرتِ کاملہ حاصل ہو گئی۔

میں نے لکھنے کی تعلیم بچوں کی طرح حاصل نہیں کی، اور نہ ہی کسی سے خط کی اصلاح ہی لی۔ میرا خط محض طبعی ہے۔ لیکن اس کے باوصف میں سالہا سال تک ہشت ورق کا ایک جز روزانہ لکھتا رہا ہوں۔ اور اپنی تصنیفات کی متوسط و کلاں صدہا مجلدات لکھی ہیں۔ اور سابقہ مضامین کی بعض کتابوں کو بھی شوق سے اپنے لیے نقل کیا ہے۔

عربی کتابیں میں نے معمول کے مطابق اساتذہ کرام سے پڑھی ہیں۔ مفتی صاحب مرحوم [1] سے علوم آلیہ، ادب، منطق، حکمت، تفسیر اور فقہ وغیرہ حاصل کیے۔ فراغت کے بعد مفتی صاحب نے مجھے سند بھی مرحمت فرمائی۔ وہ سند میں نے اپنی کتاب ”سلسلۃ العسجد“ میں نقل کر دی ہے۔ دہلی سے جب بھوپال واپس آیا تو یہاں فقہ السنہ اور صحاح ستہ کو شیخ زین العابدین اور شیخ حسین [2] سے پڑھا۔ اور ان سے سند حاصل کی۔

اسی جگہ سے مولانا محمد یعقوب صاحب [3] مرحوم نواسہ حضرت شاہ عبدالعزیز [4] دہلوی مہاجر مکہ معظمہ کو خط لکھ کر ان کے خاندانِ عالی شان کے علوم کی سند حاصل کی۔

مولانا عبدالحق صاحب [5] ساکن نیوتنی جو کہ امام محمد بن علی شوکانی وغیرہ محدثین ہند و یمن کے بلا

---

[1] ۱۲۰۴ھ۔ ۱۲۸۵ھ [2] ۱۳۲۷ھ [3] ۱۲۰۰ھ۔ ۱۲۸۳ھ

[4] ۱۱۵۹ھ۔ ۱۲۳۹ھ [5] ۱۲۰۶ھ۔ ۱۲۸۶ھ

واسطہ شاگرد ہیں۔ان سے میں نے اساتذہ حدیث وتفسیر کی جملہ مؤلفات ومرویات کی سند حاصل کی۔

اولاً: اس اجمال کی تفصیل میں نے اپنی کتاب ''الحطہ'' میں اور

ثانیاً: ''سلسلة العسجد'' میں بیان کی ہے۔

جب سے اللہ تعالیٰ نے کتب تفسیر وحدیث کا ذوق وشوق نصیب فرمایا ہے میں نے سب علومِ فلسفیہ وحکمیہ سے دستبردار ہو کر اپنے اوقات کو کتاب وسنت کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔اس خدمت سے مجھے بے پایاں فیوض وبرکات نصیب ہوئے ہیں۔

تفسیر وحدیث کے بعد میں نے دیگر علوم شرعیہ میں بھی کمال اتقان کے ساتھ عبور حاصل کیا۔اور کبھی کبھی ازراہِ تفنن طبع دیگر فنون رسمیہ مثلاً تاریخ، ادب، شعر اور نحو وغیرہ میں بھی تصنیف وتالیف کا اتفاق ہوا لیکن بہت کم، چناں چہ رسالہ ''نصب الذریعہ'' کے آخر میں جو میری مؤلفات کی فہرست درج ہے اس سے یہ بات بخوبی واضح ہے۔

ابتدائے عمر میں طلب علم کے لیے جو ہمت وحوصلہ تھا بحمد اللہ وہ اب تک باقی ہے۔کوئی سال وماہ ایسا نہیں جو علمی مشاغل یا تصنیف وتالیف سے خالی رہا ہو۔کیوں کہ طلب علم کا وقت مہد سے لے کر لحد تک ہے۔اور طلب صادق کا ثمرہ گناہوں کی بخشش ہے۔چناں چہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے:

مَنْ سَلَکَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ . ❶

''جو کوئی طلب علم کے راستہ پر چلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی راہ کو آسان بنا دیتا ہے۔''

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ

''مَنْ سَلَکَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمَلَائِکَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ . ❷

''جو کوئی طلب علم کے لیے کسی راستے پر چلے اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہ پر چلا دیتا ہے۔اور ملائکہ طلب علم کی رضا جوئی کے لیے اپنے پروں کو اس کے پاؤں کے نیچے رکھتے ہیں۔''

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ

---

❶ [ابوداؤد: ٣٦٤١]

❷ [رواہ احمد: ٢/ ٢٥٢۔ ٣٢٥ والترمذی: ٢٦٨٢ والدارمی: ١/ ٨٨]

" لَنْ يَّشْبَعَ الْمُؤْمِنُ خَيْرٌ يَسْمَعُهُ حَتّٰى يَكُوْنَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةَ ." ❶

"مومن خیر سنتے سنتے سیر نہیں ہوتا، حتی کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔"

الحمد للہ کہ میرا نفس طلب خیر یعنی علم سے ہرگز سیر شکم نہیں ہوتا۔ اگر چہ بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن دینی کتب کے مطالعہ اور علوم حقہ کی تالیف میں جوان ہوں۔ اللھم زد فزد!

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مرسلا روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" مَنْ جَآءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ ." ❷

"جس انسان کو اس حال میں موت آئے کہ وہ احیائے اسلام کی غرض سے طلب علم میں مصروف ہو تو جنت میں اس کے اور انبیائے کرام کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔"

میری دعا بھی اللہ تعالی سے یہی ہے کہ مجھے طلب علم کی حالت میں موت آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَوْحٰى إِلَيَّ أَنَّهُ مَنْ سَلَكَ مَسْلَكًا فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهُ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ ." ❸

"اللہ تعالی نے میری طرف یہ وحی فرمائی ہے کہ جو کوئی طلب علم کے راستہ پر چلے میں اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دوں گا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

" تَدَارُسَ الْعِلْمِ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِنْ إِحْيَائِهَا ." ❹

"رات کی ایک گھڑی میں علمی مذاکرہ شب بھر کی بیداری سے بہتر ہے۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے:

" مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا ." ❺

---

❶ [رواه الترمذي كتاب العلم، باب:١٩] ❷ [رواه الدارمي:١/ ١٠٠]

❸ [رواه البيهقي في شعب الايمان: ٥٧٥١]

❹ [رواه الدارمي:١/ ١٤٩] ❺ [رواه البيهقي:١٠٢٧٩]

''دو شائق سیر نہیں ہوتے، علم کا شائق علم سے سیر نہیں ہوتا اور دنیا کا شائق دنیا سے سیر نہیں ہوتا۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث میں اس اجمال کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

'' مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ صَاحِبُ الْعِلْمِ وَصَاحِبُ الدُّنْيَا وَلَا يَسْتَوِيَانِ اَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَيَزْدَادُ رِضًا لِلرَّحْمٰنِ وَاَمَّا صَاحِبُ الدُّنْيَا فَيَتَمَادٰى فِي الطُّغْيَانِ . '' [1]

''دو مشتاق، صاحب علم اور صاحب دنیا کبھی سیر نہیں ہوتے۔ لیکن مرتبہ کے اعتبار سے یہ دونوں ہرگز برابر نہیں کیوں کہ صاحب علم تو خدا کی رضا جوئی میں ترقی کرتا ہے اور صاحب دنیا سرکشی میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔''

یعنی دنیا دار صاحب مال ہوتا ہے اور عالم صاحب کمال، علم سے اللہ تعالیٰ کی رضا ملتی ہے۔ جب کہ دنیا سے سرکشی حاصل ہوتی ہے۔ غرضیکہ طلب علم اور طالب علم کے فضائل بکثرت ہیں، جو شخص طلب علم میں مشغول ہے اور اسے خاص اللہ کی رضامندی اور دین کی سربلندی کے لیے طلب کرتا ہے۔ وہ بڑا خوش بخت ہے۔ یہ فضائل تو طلبۂ علم کے ہیں۔ علماء کے فضائل تو اس سے بھی زیادہ ہیں۔ ان کا یہاں ذکر کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ ہم جیسے لوگوں کو طالب علم ہونا ہی کفایت کرتا ہے۔ مرتبہ علم تک رسائی ہمارے سلف صلحاء کا کام تھا۔ خلف میں نہ وہ ہمت ہے اور نہ اشتیاق۔ سلف وخلف کے علوم میں بہت زیادہ تفاوت ہے۔ اس بارے میں علامہ ابن رجب ۷۹۵ھ نے ایک نہایت مفید اور نفیس تقریر تحریر فرمائی ہے۔ جزاہ اللہ عنا خیرا

علاوہ ازیں ہم لوگ علماء نہیں ہیں۔ بلکہ محض حمال (علم اٹھانے والے) نقال (نقل کرنے والے) اور قوال (زبان سے بیان کرنے والے) ہیں۔ پھر یہ حمل علم بھی عدمِ عمل کی وجہ سے بے اثر ہے، آہ۔

طاعتِ ناقصِ ما موجبِ غفراں نشود!
راضیم گر مدد علتِ عصیاں نشود!

میں نے علوم دین کے تمام ابواب کی خوب چھان پھٹک کر کے عربی، فارسی اور اُردو میں بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں۔ میں نے ائمہ سلف اور علمائے سابقین کی کتب سے استفادہ کیا ہے۔ کتب خلف

[1] [رواہ الدارمی: ۱/ ۹۶]

سے بہت کم اخذ کیا ہے۔ اور بالخصوص معاصرین کی کتب کے مطالعہ کا تو بہت ہی کم اتفاق ہوا ہے۔ اس لیے کہ جو امانت و دیانت سلف اہل علم میں تھی خلف میں نہیں ہے۔ سلف کا اختلاف مکابرہ، مجادلہ، عصبیت یا خواہش نفسانی پر نہیں بلکہ مبنی بر تحقیق تھا۔ وہ لوگ دین کے معاملہ میں بڑے متقی، متدین اور محقق تھے۔ ہر علم، مسئلہ اور حکم میں وہ ہمیشہ اتباع حق کو ملحوظِ خاطر رکھتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خلف کی بکواسات سے انھیں محفوظ رکھا تھا۔ اس لیے ان کے طریقہ کی پیروی موجب نجات ہے۔ اس کے برعکس خلف کا اختلاف سب و شتم اور عصبیت و خواہشاتِ نفس پر مشتمل ہے۔ جس کی بنیاد محض جہالت پر ہے۔ چناں چہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ

" ان من العلم جهلا ."

میری مستقل تصانیف کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے، پھر بعض کتابیں کئی کئی مجلدات پر مشتمل ہیں مثلاً تفسیر "فتح البیان" متوسط درجہ کی دس جلدوں میں ہے۔ "عون الباری شرح تجرید صحیح بخاری" متوسط درجہ کی چار جلدوں میں ہے۔ "سراج وہاج شرح تجرید صحیح مسلم بن الحجاج" دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ "مسک الختام شرح فارسی بلوغ المرام" دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اگر چھوٹے بڑے تمام رسائل کا شمار کیا جائے تو پھر میری تالیفات تین سو سے بھی زیادہ ہیں۔

﴿ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾

میرے خیال میں ہر تالیف عربی، فارسی یا اردو کسی زبان میں بھی ہو، اپنے باب میں "اجمع مافی الباب" اور "خطیب فی المحراب" ہے۔ اور تحقیقی و مدلل ہونے کے اعتبار سے دیگر لوگوں کی تصنیفات کی نسبت فائق ہے۔ بلکہ اس فن کی دیگر کتب سے مستغنی کر دینے والی ہے۔

﴿ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ﴾

ہر چند میں نے یہ کتابیں اپنے استفادہ کے لیے لکھی ہیں۔ کسی کے افادہ کے لیے نہیں لکھیں۔ لیکن اس کے باوجود دوسروں کے لیے نہایت مفید ہیں۔ ان کی تصنیف سے، اولاً: مقصود اپنا نفع ہے کہ ہر حکم اور مسئلہ میں حق کا باطل سے اور صحیح و اصح کا اضعف و ضعیف سے امتیاز ہو جائے۔ اور دلیل سے ثابت شدہ اور محض رائے سے لکھی گئی بات میں فرق نمایاں ہو جائے۔

ثانیاً: اس سے ان مسلمانوں کا فائدہ بھی مقصود ہے جو کسی قسم کے تعصب کے بغیر حق کے طالب ہیں اور جادۂ مستقیم پر چلنا چاہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ . ❶

''تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں کی دولت سے بھی بہتر ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے:

بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً . ❷

''میری ہر بات آگے پہنچا دو، اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔''

اس حدیث میں علم حدیث کی اشاعت اور فضیلت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے حدیث پر لفظ آیت کا اطلاق خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ

لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا . ❸

''دو آدمیوں کے سوا کسی پر رشک نہیں کرنا چاہیے۔ ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہو اور اس بات پر مقرر کر دیا ہو کہ وہ اسے راہِ حق میں بے دریغ خرچ کرے اور دوسرا وہ جسے حکمت عطا کی ہو۔ چناں چہ وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔''

اس جگہ حکمت سے مراد علم سنت ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمانِ خداوندی ہے۔

﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ❹

''(وہ رسول ﷺ جو) انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔''

اس لیے سلف کی کتب تفسیر مثلاً تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں ہر جگہ لفظ حکمت کو بمعنی حدیث لکھا ہے۔ حکمت کی لفظ سنت سے تفسیر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے۔

حدیث ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ میں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِيْنَ حَتَّى النَّمْلَةَ فِيْ جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ . '' ❺

---

❶ [متفق علیه، بخاری: ۲۹٤۲ـ مسلم: ۳٤/ ۲٤۰٦]

❷ [رواہ البخاری: ۳٤٦۱] ❸ [متفق علیه، بخاری: ۷۳ـ مسلم: ۲٦۸/ ۸۱٦]

❹ [البقرۃ: ۱۲۹] ❺ [رواہ الترمذی: ۲٦۸۵]

''اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، ساکنین ارض وسماحتی کہ اپنی بل میں چیونٹی اور مچھلی بھی لوگوں کو بھلائی سکھانے والے کی خیر خواہی کرتے ہیں۔''

تعلیم کے دو طریقے ہیں: اوّل: تدریس، دوم: تصنیف وتالیف۔

تدریس کی نسبت تالیف کا کام دیرپا ہے، اور باقیاتِ صالحات میں شمار ہوتا ہے۔ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ

''جب انسان مرجاتا ہے تو تین کے سوا اس کا ہر عمل منقطع ہوجاتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ، دوسرا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور تیسرا اولد صالح جو اس کے لیے دعا کرے۔''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد باقی رہنے والا علم بھی ایک ایسی بھلائی ہے جو اس علم والے کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی مفید ہے۔ اور تصنیف وتالیف ہی اس کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے سلف وخلف حضرات علمائے کرام تصنیف وتالیف اور علوم وفنون کے جمع وتدوین میں نہایت سرگرم رہے ہیں۔ اگر ان کی تالیفات نہ ہوتیں تو امت گمراہ ہوجاتی۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اہل علم سے عہد لیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اللہ کے احکام کو بیان کریں۔ اور صرف زبانی بیان کردینا یقیناً ناکافی ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں تصنیف وتالیف بھی ایک ضروری امر ہے۔ اگرچہ علم دین تو صرف وہی ہے جو کتاب وسنت میں ہے۔ لیکن زمان ومکان اور لغت وزبان کے اعتبار سے اندازِ بیان بدلتے رہتے ہیں۔ اسی علم کو جب مختلف زبانوں اور متنوع اسالیب نگارش میں، زمانہ کے تقاضوں کے مطابق عالم، محقق اور خوش بیان مصنف بیان کرتا ہے تو اس سے دل بہت متاثر ہوتا ہے حتی کہ ہر قاری بے ساختہ پکار اٹھتا ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

[غالب]

اِسی وجہ سے ہر زمانہ میں علمائے کرام نے اسلام، ایمان اور احسان کے حقائق کو مختلف الفاظ وعبارات میں بیان کیا ہے۔ مثلاً مواعظ میں ''احیاء علوم الدین''[2] بہترین کتاب ہے، حدیث میں فتح

---

[1] [رواہ مسلم: ١٤/ ١٦٣١] [2] [امام غزالی کی مشہور کتاب]

الباری ❶ شرح صحیح البخاری بے مثل، فقہ سنت میں ''نیل الاوطار'' ❷ ''السیل الجرار'' ❸ ''وبل الغمام'' ❹ ''مسک الختام'' ❺ ''فتح العلام'' ❻ اور ''الروضۃ الندیہ'' ❼ تفسیر میں تفسیر ابن کثیر، ''فتح القدیر'' ❽ ''فتح البیان'' ❾ اور ''ترجمان القرآن'' ❿ طبقاتِ اولیاء میں امام شعرانی رحمہ اللہ کی کتاب، مِنن میں ان کی کتاب ''لطائف المنن'' تراجم علماء میں الدرر الکامنۃ ⓫، ''البدر الطالع ⓬'' اور ''التاج المکلل ⓭'' وغیرہ بہترین کتابیں ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اِنَّ مِـمَّـا يَـلْحَقُ الْمُؤمِنُ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلِمَهُ وَنَشَرَهُ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ اَوْ مُصْحَفًا وَرَّثَهُ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِيْ صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ يَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ ۔ ⓮

''مومن کو اس کی وفات کے بعد اس کے درج ذیل اعمال وحسنات کا ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ علم جس کی اس نے اشاعت کی ہو، نیک لڑکا جسے وہ چھوڑ کر فوت ہوا ہو یا قرآنِ مجید جو اس نے کسی کو دیا ہو یا مسجد جسے اس نے بنایا ہو یا سرائے بنائی ہو یا نہر جاری کی ہو یا وہ صدقہ جسے اس نے اپنی صحت وحیات کے زمانہ میں اپنے مال سے ادا کیا ہو''

اس حدیث میں باقیاتِ صالحات کا ذکر ہے۔ اور ان میں سے ایک نشر علم بھی ہے۔ علم کی نشر واشاعت تدریس یا تصنیف سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا۔ ان میں سے اوّل الذکر فانی

---

❶ [حافظ ابن حجر کی شہرۂ آفاق تصنیف]

❷ [امام شوکانی کی تصنیف] ❸ [امام شوکانی کی تصنیف]

❹ [امام شوکانی کی تصنیف] ❺ [حضرت نواب صاحب کی تصنیف]

❻ [نواب صاحب کے بیٹے نور الحسن کی تصنیف]

❼ [حضرت نواب کی تصنیف] ❽ [امام شوکانی کی تفسیر]

❾ [حضرت نواب صاحب کی عربی تفسیر]

❿ [حضرت نواب صاحب کی اردو تفسیر]

⓫ [از حافظ ابن حجر عسقلانی] ⓬ [از امام شوکانی]

⓭ [از نواب صدیق حسن خان] ⓮ [رواہ ابن ماجہ: ۲۴۲]

اور موخر الذکر باقی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ سخاوت کرنے والا کون ہے؟'' عرض کیا گیا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ سخی اللہ تعالیٰ ہے، پھر میں ہوں، اور پھر وہ شخص جو میرے بعد علم سیکھ کر اس کی نشر واشاعت میں سرگرم عمل ہو جائے، یاد رہے ایسے شخص کو قیامت کے دن ایک امت کی حیثیت میں اٹھایا جائے گا۔'' [1]

یہاں بھی نشر واشاعت سے مقصود تدریس اور تالیف دونوں ہیں۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان احادیث میں جس علم کے سیکھنے سکھانے، پڑھنے پڑھانے اور نشر واشاعت کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، وہ کون سا علم ہے؟ اس کا جواب حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشاد میں موجود ہے۔

اَلْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ آيَةٌ مُحْكَمَةٌ اَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ اَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ. [2]

''علم تین ہیں اول آیت محکمہ، دوم سنت قائمہ اور سوم فریضہ عادلہ، اس کے علاوہ سب کچھ زائد ہے۔''

اگرچہ یہاں حصر کا کوئی لفظ تو استعمال نہیں ہوا۔ لیکن عبارت کی ترکیب حصر کی مقتضی ہے۔ یہ حدیث اس سلسلہ میں نص قاطع ہے کہ علم (جس کے فضائل بیان ہوئے ہیں) سے مراد فنونِ حکمت اور علومِ فلاسفہ یونان نہیں بلکہ علومِ کتاب وسنت ہیں۔ اس لیے ان فنون کا کوئی ماہر اگر یہ گمان کرے کہ میں بھی مذکورہ فضائل ومناقب کا مصداق ہوں تو وہ درایت سے جاہل ہے۔ اس کا علم جو غیر طریقہ نبوت سے ماخوذ ہے وہ اس کے لیے موجب نجات ہونے کے بجائے وبالِ عظیم اور باعث ہلاکت ہوگا

علمے کہ نہ ماخوذ ز مشکوٰۃِ نبی ست
واللہ کہ سیرابی ازاں تشنہ لبی ست
جائیکہ بود جلوۂ حق حاکم وقت!
تابع شدنِ حکمِ خرد بولہبی ست!

---

[1] رواه البيهقي في شعب الايمان: ٢/ ٢٨١ رقم الحديث: ١٧٦٧]

[2] رواه ابوداؤد: ٢٨٨٥ وابن ماجه: ٥٤]

بلکہ جب عارف باللہ علمائے کرام کے نزدیک علم فقہ علومِ دنیا میں داخل ہے جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیا" میں اور دوسرے علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کی صراحت کی ہے تو پھر ان فنون کا ذکر ہی کیا، جن کا اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الْاُغْلُوْطَاتِ . ❶

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اغلوطات سے منع فرمایا۔"

مرقاۃ میں اغلوطات کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ

" اَیْ عَنْ سُؤَالِ الْمَسَآئِلِ الَّتِیْ یُغَالِطُ بِھَا الْعُلَمَآءُ لِاِشْکَالٍ فِیْھَا .

"اس سے مراد ایسے مسائل کے متعلق سوال کرنا ہے، جن میں اشکال ہونے کی بنا پر علماء کو مغالطہ میں مبتلا کیا جا سکے۔"

چناں چہ تمام علومِ فلاسفہ اور فنونِ باطلہ، اس حدیث کے مصداق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے بچائے۔

علم کے موتی

اللہ تعالیٰ نے جب مجھے کتاب وسنت کا علم عطا فرمایا اور تمام علومِ متداولہ اور فنونِ رسمیہ سے نفرت بخشی ہے تو اپنے خزانۂ کرم سے مجھے علماءِ سلف اور ائمہ ملت کی وہ کتابیں عنایت فرما دیں جو اس زمانہ میں نہایت کمیاب یا نایاب تھیں۔ ان میں سے کچھ کتابوں کو تو میں نے نہایت کوشش سے خاطر خواہ قیمت دے کر بلادِ عرب وعجم سے خریدا مثلاً "فتح الباری" کا مکمل نسخہ ہندوستان میں کہیں دیکھا سنا نہ گیا تھا۔ میں نے حدیدہ سے چھ سو روپیہ میں خریدا۔ وہ ابن علان کا قلمی نسخہ تھا۔ پھر اسی نسخہ کو پچاس ہزار روپیہ صرف کر کے مطبع بولاق، مصر سے زیورِ طبع سے آراستہ کرایا۔ اور اب تو اسی نسخہ کو سامنے رکھ کر ہندوستان کے بہت سے پریس جابجا شائع کر رہے ہیں۔ اسی طرح نظرثانی کر کے تفسیر ابن کثیر کو "فتح البیان" کے ساتھ طبع کرایا۔ اور یہ ابن کثیر کی طبع دوم تھی، اور کچھ کتابیں بصرہ اور بغداد سے میرے مطالبہ کے بغیر ہی آ گئیں۔

جب دور دراز کے لوگوں کو علومِ قرآن وحدیث کے متعلق میرے شوق کا پتا چلا تو انھوں نے کچھ کتابیں برائے فروخت بھیج دیں اور ان کی حیثیت سے زیادہ قیمت وصول کی۔ میں نے بھی دیدہ

❶ [رواہ ابوداؤد: ٣٦٥٦]

ودانستہ کمال شغف سے ان کو خرید لیا۔

جمادی چند دادم جاں خریدم
بحمد اللہ بسے ارزاں خریدم

میرے پاس ابن حجر عسقلانی، ذہبی، شعرانی، منذری، سفارینی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، ابن رجب حنبلی، ابن الجوزی، سیوطی رحمہم اللہ اور ائمہ یمن اور دیگر علماء کی تالیفات کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ خصوصاً سید محمد بن اسمٰعیل امیر رحمہ اللہ اور قاضی محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ کی تالیفات تو میرے پاس بکثرت موجود ہیں۔ یہ کتب کبریت احمر اور عنقائے مغرب کی طرح اس وقت دنیا میں مفقود ہیں۔ میں نے لاکھوں روپے صرف کر کے ان کتابوں کو حاصل کیا ہے۔ اور ان تمام متبرک کتابوں سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ وللہ الحمد

اِجْعَلْ جَلِيْسَكَ دَفْتَرًا فِيْ نَشْرِهٖ لِلْمَيِّتِ مِنْ حُكْمِ الْعُلُوْمِ نُشُوْرُ
وَكِتَابُ عِلْمٍ لِلْاَدِيْبِ مُوَانِسٌ وَ مُؤَدِّبٌ وَ مُبَشِّرٌ وَ نَذِيْرٌ
وَمُفِيْدُ اٰدَابٍ وَمُوْنِسُ وَحْشَةٍ وَاِذَا انْفَرَدْتَ فَصَاحِبٌ وَ سَمِيْرُ

پھر ان میں بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جن پر ان کے مؤلفین کے دستخط ہیں یا خود مصنف کے قلم سے ہی لکھی ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر، امام شوکانی اور سید امیر رحمہم اللہ کی کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بعض کتابوں کے سو، دوسو، تین سو، چار سو، حتی کہ چھ، سات، آٹھ سو برس کے قدیم نسخے بھی ہیں۔ وہ قدیم وجدید کتب جو اس وقت مصر اور استانبول وغیرہ سے طبع ہو رہی ہیں۔ ان کا تو ایک عظیم ذخیرہ میرے پاس موجود ہے۔ اگر چہ ان میں سے بھی اکثر کتابیں ابھی تک ہندوستان میں نہیں پہنچی ہیں۔ میرا کتاب خانہ ہزاروں نہیں تو صدہا کتابوں سے ضرور متجاوز ہے، اور علوم حقہ کی روحِ رواں ہے۔

خدا جانے میرے بعد میری ان کتابوں کا کیا انجام ہوگا۔ اس لیے کہ میری اولاد اگر چہ بقدر ضرورت تحصیل علم کر چکی ہے۔ لیکن میری طرح کتب نفیسہ اور علوم مختلفہ کا اسے شغف نہیں ہے۔ یفعل اللہ ما یشآء ویحکم ما یرید.

اپنے کتب خانہ کی کچھ کتابوں کے نام میں نے اپنے رسالہ "سلسلۃ العسجد" میں لکھ دیئے ہیں۔ اس فہرست کے بعد جو نفیس کتب مجھے حاصل ہوئی ہیں۔ ان کا یہاں تذکرہ نہایت طوالت کا باعث ہوگا۔ میری اکثر کتابیں علوم تفسیر، حدیث، فقہ، سنت، تصوف اور ادب سے متعلق ہیں۔ فقہ مصطلح کی کتابیں بالکل نہیں ہیں۔ کیوں کہ مجرد رائے لائق تدوین نہیں ہوتی۔ اور شریعت کا مطلوب اور علماء کا

مقصود بھی ہمیشہ کتب ادلہ و براہین ہوتی ہیں۔ چناں چہ وہ بحمد اللہ بکثرت موجود ہیں۔ اسی وجہ سے کتب مروّجہ کی نسبت میری تالیفات کو ترجیح حاصل ہے الصباح یغنی عن المصباح۔ میرا خیال ہے کہ اگر کسی صاحب دین اور صاحب شوق کے پاس کوئی دینی کتاب نہ ہو تو ہر موضوع پر میری کتاب اسے اہل علم سے استفتاء اور کتب مذہب سے مستغنی کر سکتی ہے۔

كُلُّ الصَّيْدِ فِي جَوْفِ الْفَرٰى. وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰى ذٰلِكَ

خلق خدا کی غائبانہ شہادت

میری تصنیفات جب بلادِ عرب و عجم میں منتشر اور مروّج ہوئیں تو دور دراز کے بہت سے علمائے کرام نے کسی تعارف یا راہ و رسم کے بغیر، غائبانہ طور پر ہی ان پر تقاریظ لکھیں، اور صدہا خطوط بھیج کر کتابیں طلب کیں۔ چناں چہ میری کتابیں عدن، یمن، صنعاء، زبید، بیت الفقیہ، حدیدہ، بغداد، حرمین شریفین، مصر، قدس، دمشق، بیروت، فاران، قسطنطنیہ اور فارس تک پہنچ چکی ہیں۔ اہل علم و فضل نے ان کو نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے اور کسی نے ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ حالاں کہ ان کتب میں دلیل کا اتباع کیا گیا ہے۔ تقلید کی پابندی نہیں کی گئی۔ سو یہ ان لوگوں کا انصاف ہے۔ اگر چہ وہ حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی ہیں لیکن ان کے اعتراض نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ میں نے اپنی کسی تصنیف میں بھی ادب کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ ائمہ کرام کے مختلف فیہ مسائل اور ان کے دلائل ذکر کرنے کے بعد، میں نے قیل و قال سے نہیں بلکہ قوتِ دلیل سے ترجیح دی ہے۔ کسی امام یا ماموم کے متعلق کوئی نازیبا کلمہ میرے قلم کی زبان سے نہیں نکلا اور نہ میں نے کسی مخاطب کو اپنے ردو قدح کا ہدف ہی بنایا ہے۔ آخرت کے طلبگار علماء کی یہی شان ہوتی ہے۔ چناں چہ ملاحظہ فرمائیے کہ کسی مذہب فقہ کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں اختلافِ مذاہب کا ذکر نہ ہو لیکن کسی نے آج تک اپنے مخاطب کو برا نہیں کہا۔ اگر چہ بعض مسائل کی تردید یا اپنے مذہب مختار کی توضیح ضرور کی جاتی ہے۔ مثلاً کتب حنفیہ، شافعی و مالکی مذہب سے اختلاف پر مشتمل ہیں۔ لیکن ہمیں جا بجا اس قسم کے الفاظ نظر آتے ہیں:

" خلافا للشافعي وخلافا لمالک وخلافا لفلان الامام ."

اسی طرح کتب شافعیہ میں:

" خلافا للحنفية اولابي حنيفة .

کے الفاظ نظر آتے ہیں۔ بلکہ ایک مذہب کی اپنی کتابوں میں ہی ہمیں حد سے زیادہ اختلاف نظر

آ تا ہے۔ مثلاً حنفیہ وشافعیہ کی کتب تفریعات ملاحظہ فرمائیے، ان میں کس قدر تعارضِ اقوال موجود ہے۔

اختلاف تو بذاتِ خود مذموم نہیں، بلکہ سلف وخلف اور متقدمین ومتاخرین نے جس بات کو مذموم قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ مخالف پر تبرا بازی، لعن طعن اور دشنام طرازی کی جائے یا اس کی تکفیر وتضلیل کی جراًت کی جائے۔ متاخرین نے اس تیرھویں صدی میں یہ کام خوب سرانجام دیا ہے۔ روافض اور شیعہ کی ہمسائیگی کی وجہ سے ان میں بھی یہ خصلت پیدا ہوگئی ہے۔ وما اشبه الليلة بالبارحة

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ

اس زمانہ میں تو تکفیر اس حد تک سستی ہوگئی ہے کہ ایک ذرا سے بے حقیقت جزئی فروعی فقہی مسئلہ کے اختلاف پر ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے لگائے جاتے ہیں۔ حالاں کہ وہ مسئلہ عقائد سے متعلق ہوتا ہے نہ ضروریاتِ دین سے۔ افسوس کہ یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے کہ بسا اوقات مکفر کی تکفیر خود مکفر پر لوٹ آتی ہے۔ کیوں کہ جب تک علانیہ کفر صادر نہ ہو، کوئی شخص محض تاویل سے کافر نہیں ہوتا۔ الا یہ کہ تاویل لہو ولعب کے طور پر کی جائے۔ یہ جراًت صرف ایسے لوگ کرتے ہیں، جو عوام ہوکر عالم بن گئے ہیں یا حرف شناس ہوکر فاضل بن گئے ہیں، نہ ادب رکھتے ہیں اور نہ تمیز!

بہر کیف میں ذکر یہ کررہا تھا کہ بہت سے لوگوں نے غائبانہ طور پر میری کتابوں پر تقریظیں لکھی ہیں۔ اس سلسلہ میں میری کتاب ''قرۃ الاعیان ومسرۃ الاذہان'' خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جو صاحب جوائب جناب احمد فارس متوفی ۴۔ محرم ۱۳۰۵ھ نے میری فرمائش کے بغیر ہی طبع کردی تھی۔ اس پر نظم ونثر میں بہت سی تقاریظ ہیں۔ جو وہاں کے علمائے کرام نے غائبانہ طور پر لکھی تھیں۔ عربی ممالک سے آئی ہوئی صدہا تقاریظ میرے پاس موجود ہیں جو کہ ابھی تک غیر مطبوع ہیں۔ اور جنھیں میں نے ابھی تک کتابوں کے ساتھ ملحق نہیں کیا۔ الا ماشاء اللہ

مجھے ان تقاریظ سے کچھ فخر وفرحت نہیں۔ کیوں کہ من آنم کہ من دانم، البتہ اس بات کی خوشی ضرور ہے کہ ان تقاریظ کے لکھنے والوں میں سے اکثر شخصیتیں ایسی ہیں جن کی دیانت، علم اور تقویٰ مسلمہ امر ہے۔ شاید ان کی ثناء اور دعا میری مغفرت کا موجب بن جائے۔ لہٰذا ان تقاریظ پر میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دوسری قسم کی تقاریظ وہ ہیں جو شعراء، صاحب طرز انشاء پردازوں، اور ادیبوں نے میری اردو اور فارسی کتابوں پر لکھی ہیں، بعض نے محض اپنی کوشش سے اور بعض نے تالیف یا طباعت کی تاریخ ضبط

کرنے کی غرض سے یہ کام سرانجام دیا ہے۔ میں نے ان کو اس لیے درج کر دیا ہے کہ ان تحریروں سے لکھنے والوں کے کلام کی فصاحت و بلاغت ظاہر ہوتی ہے۔ میں نے انھیں اس لیے ہرگز درج نہیں کیا کہ میں ان فرضی مدائح کا مستحق ہوں۔ یا وہ دینی و دنیاوی اوصاف مجھ میں موجود ہیں جو انھوں نے بیان کیے ہیں۔ کیوں کہ اپنے نقائص وعیوب کی حقیقت جو مجھے معلوم ہے، وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے، اگر انھیں بھی معلوم ہو جائے تو شاید وہ مدح کے بجائے کمال ہجو کرتے۔ اس کے باوجود بتقاضائے بشریت میرے دل میں کبھی اس نظم ونثر سے مسرت آئی ہو تو میں بارگاہِ الٰہی میں ہزار زبان ودل سے توبہ کرتا ہوں۔

دینی کتب کی اشاعت

میرا اکثر مال علوم کتاب وسنت کی اشاعت میں صرف ہوا ہے۔ میں نے ہر کتاب کو ایک ہزار کی تعداد میں طبع کرا کے قریب وبعید کے تمام ممالک میں تقسیم کیا ہے۔ اگرچہ ان پر ہزاروں روپے صرف ہوئے ہیں۔ تاہم کبھی کسی سے کسی کتاب کی قیمت وصول نہیں کی۔ میری اولاد نے بھی بعض کتب ورسائل کو تصنیف کیا ہے۔ ان کتب کا ذخیرہ اس قدر ہو گیا ہے کہ اب آیندہ مجھے یا میری اولاد کو کوئی کتاب تالیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر اب زمانہ بھی ایسا آ گیا ہے کہ گھروں میں خلوت نشیں ہو کر سکون کے ساتھ زندگی بسر کرنا فرض ہے۔

عَلَیْکَ بِخَاصَّةِ نَفْسِکَ وَدَعْ أَمْرَ الْعَوَّامِ .[1]

ایک طالب آخرت مسلمان کے لیے اسی قدر کافی ہے کہ علم حق معلوم کر کے خود بقدر استطاعت عمل کرے اور مناظرہ، مکابرہ اور تالیفات سے بچے، اور بحث ومجادلہ سے دور رہے۔

اُسْتُرْ ذَهَبَکَ وَذَهَابَکَ وَمَذْهَبَکَ .

دانی کہ چنگ و عود چہ تقریر می کنند
پنہاں خورید بادہ کہ تکفیر می کنند

آج کل دین ودنیا کے فتنے اس قدر بکثرت ہیں کہ اگر اپنا ایمان محفوظ رہے، تو اسے بہت بڑی غنیمت سمجھنا چاہیے۔ اب کسی کی دینی اعانت ونصرت یا امورِ دنیا میں شرکت کا موقع نہیں۔ فالحذر الحذر

[1] [رواہ الترمذی: ۳۰۵۸ وابن ماجہ، مسند احمد: ۲/ ۱۶۲۔۲۱۲۔۲۲۰۔۲۲۱]

غالب بریدم از ہمہ خواہم کہ زیں سپس
کنجے گزینم و پر ستم خدائے را !

میں دیکھتا ہوں کہ خصوصاً اس جگہ میرا کوئی دوست نہیں۔

﴿فانهم عدو لي الا رب العالمين﴾ ❶

''اللہ رب العالمین کے سوا یہ سب میرے دشمن ہیں۔''

مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کیوں کہ میں اللہ تعالیٰ کو دین و دنیا میں اپنے اخلاف کے لیے کافی سمجھتا ہوں۔ نہ کسی کی دوستی کا طالب ہوں اور نہ کسی کی دشمنی کے لائق ہوں۔

شائستگی عداوتم نیست !
بس منفعلم زکینہ ور ہا

مناظرہ ومباحثہ سے نفرت

ابتدائے طالب علمی سے اب تک عمر کی پچپن بہاریں دیکھ چکا ہوں۔ اس عرصہ میں میں نے کبھی کسی طالب علم، عالم یا درویش سے مناظرہ، مباحثہ، مجادلہ یا مکابرہ نہیں کیا اور نہ کسی معین شخص کی ردّ وقدح میں کوئی کتاب یا رسالہ ہی لکھا۔ کیوں کہ حدیث ابوامامہ رضی اللہ عنہ میں فرمایا گیا ہے:

مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوْا عَلَيْهِ اِلَّا اُوْتُوا الْجَدَلَ ثُمَّ قَرَءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ. ❷

''جو قوم بھی ہدایت پر قائم ہونے کے بعد گمراہی میں گرتی ہے، اس میں جدل وجدال اور جھگڑے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی، انھوں نے تیرے لیے یہ مثال محض جھگڑے کے لیے بیان کی ہے بلکہ وہ تو ہے ہی جھگڑالو قوم۔''

اس حدیث کے ذیل میں شرح مشکوۃ میں لکھا ہے کہ

اَلْمُرَادُ بِالْجَدَلِ هُنَا الْعِنَادُ وَالْمِرَآءُ وَالتَّعَصُّبُ لِتَرْوِيْجِ مَذْهَبِهِمْ مِنْ غَيْرِ اَنْ

---

❶ [الشعراء:٧٧] ❷ [رواه الترمذی:١٩٩٣ وقال هذا حديث حسن وكذا في شرح السنة وفي المصابيح قال غريب]

يَكُوْنَ لَهُمْ نُصْرَةٌ عَلٰى مَا هُوَ الْحَقُّ وَذٰلِكَ مُحَرَّمٌ .

''جدل سے یہاں مراد ناحق طور پر اپنے مذہب کی ترویج واشاعت کے لیے عناد، جھگڑے اور تعصب سے کام لینا ہے اور یہ حرام ہے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

مَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِيْ وَسْطِ الْجَنَّةِ . ❶

''جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے، اس کے لیے جنت کے وسط میں گھر بنایا جائے گا۔''

حدیث بلال بن حارث میں ہے:

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الشَّرِّ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْهِ سَخَطَهُ إِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ . ❷

''آدمی کبھی کبھی ایسا شر انگیز کلمہ کہہ دیتا ہے کہ اس کے شر کا اسے اندازہ نہیں ہوتا لیکن اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت تک اس پر ناراض ہو جاتا ہے۔''

حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ میں ہے:

مَنْ صَمَتَ نَجَا . ❸

''خاموش رہنے والا نجات پا گیا۔''

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ نجات کس چیز میں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ . ❹

''اپنی زبان پر قابو رکھو، گھر میں بیٹھے رہو اور گناہوں پر آنسو بہاؤ۔''

تمام عرب وعجم میں صرف تین چار آدمیوں نے میرے بعض رسائل پر اعتراضات کیے، اور پھر

---

❶ [رواہ احمد: ٥/ ٢٥٢-٢٥٦ والترمذی: ٣٢٥٣ وابن ماجه: ٤٨]

❷ [رواہ فی شرح السنة وروی مالك والترمذی: ٢٣١٩ وابن ماجه: ٣٩٦٩ نحوه]

❸ [رواہ احمد: ٢/ ١٥٩-١٧٧ والترمذی: ٢٥٠١ والدارمی والبیهقی فی شعب الایمان]

❹ [رواہ احمد: ٥/ ٢٥٩ والترمذی: ٢٤٠٦]

انھیں بالا بالا طبع کرا کے مشہور بھی کیا۔ لیکن میں نے ان کا خاموشی کے سوا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اور نہ کسی کے سامنے بے جا شکوہ کیا۔ حالاں کہ ان کا مباحثہ غلط تھا اور اس کی بنیاد تحقیق حق پر نہیں بلکہ مذہبی حسد و عصبیت پر تھی۔ مدراس کے ایک کم علم شخص نے مسئلہ استواء علی العرش پر میرے رسالہ ''احتواء'' کا رد لکھا تھا۔ لیکن میرے علم کے بغیر ہی بعض لوگوں مثلاً مولانا عبدالقادر آرکاٹی اور سید نظام الدین نقوی میلاد پوری سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا شافی جواب لکھ کر اسے عاجز وساکت کر دیا۔

سلہٹ کے ایک عبدالقادر نامی شخص نے میرے رسالہ ''نہج مقبول'' پر حدیث کے دو ایک مسائل مثلاً مالِ تجارت پر زکوۃ کے عدم وجوب کے سلسلہ میں اعتراض کیا تھا۔ اس کا بھی بعض علماء نے نہایت تسلی بخش جواب لکھ دیا تھا۔ مشکل یہ ہے کہ میں تقلید کو نہیں بلکہ دلیل کو مذہب کہتا ہوں۔ لیکن لوگ از روئے تقلید مجھ پر اعتراض کرتے ہیں۔

اسی طرح لکھنؤ کے ایک صاحب نے ''اتحاف'' اور دہلی کے ایک شخص نے رسالہ ''فتح المغیث'' کے سنوات وفیات پر عدمِ صحت کے اعتراضات کیے تھے۔ حالاں کہ یہ امور محل اعتراض سے بالکل بعید ہیں۔ کیوں کہ وفیات وغیرہ کا اختلاف سلف سے برابر کتابوں میں منقول چلا آرہا ہے۔ میں نے یہ سنوات وفیات ''کشف الظنون'' وغیرہ سے نقل کیے تھے اور ناقل پر صرف تصحیح نقل لازم ہے اور بس۔

فقہ سنت کے مسائل جو نصوصِ صریح وصحیحہ سے مستنبط کیے گئے ہیں، اُن کا علماء مذاہب کے اقوال سے مقابلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اور نہ وہ اقوال کسی اہل سنت فقیہ کے لیے حجت ہو سکتے ہیں۔

دلیل کو ماننے والا اور دلیل سے استدلال کرنے والا تو اسی وقت کسی اعتراض کو درخور اعتناء سمجھ سکتا ہے، جب اس کے قول کو کسی مقدم یا مساوی نص کے خلاف ثابت کیا جائے۔ ورنہ اگر تمام دنیا بھی دلیل کے خلاف کہتی ہے تو کہتی رہے، معترض علیہ پر اس کا جواب واجب نہیں ہوگا۔ جس شخص کا علم محض اللہ کے لیے یا آخرت کی بہتری کے لیے ہوتا ہے۔ وہ ہرگز اس طرح کا خرفشار نہیں کرتا۔ یہ گاؤزوری، یہ گردن کی رگوں کا پھول جانا اور یہ بلند آوازی انہی لوگوں کا کام ہے، جو علم اور طلب آخرت کی لذت سے محروم ہیں۔ یاد رہے اس فعل کو حدیث شریف میں نفاق کا ایک شعبہ قرار دیا گیا ہے۔

اختلاف امت

میں صرف اہل سنت کو فرقہ ناجیہ سمجھتا ہوں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، ظاہری، اہل حدیث اور اہل سلوک میں سے کسی کے متعلق گمان بد نہیں رکھتا، اگر چہ مجھے معلوم ہے کہ ان میں سے ہر گروہ کے کچھ

مسائل خلافِ دلائل ہیں اور کچھ موافق نصوص۔ان کے بعض فتاویٰ صحیح اور بعض ضعیف یا مردود ہیں۔ لیکن حکم اکثر کے مطابق ہوتا ہے اقل کے مطابق نہیں۔ائمہ سلف سے بعض احادیث پر جو عمل متروک ہوگیا ہے اس کے بیس وجوہات ہیں جو کہ ''جلب المنفعۃ'' میں لکھے گئے ہیں۔ائمہ سلف پر مخالفت سنت کا طعن کرنا، انصاف کا خون بہانا ہے۔البتہ ان کے جو مقلد کتاب وسنت کے دلائل کے واضح ہو جانے کے بعد بھی ان کی محض رائے کی تقلید پر جمے ہوئے ہیں، میں ان کو خاطی سمجھتا ہوں، گمراہ نہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار نہیں کرتا اور نہ معاذ اللہ انھیں کافر کہتا ہوں۔

عبادات ومعاملات کے مسائل میں اہل علم کا اختلاف کفر واسلام کا اختلاف نہیں اسے زیادہ سے زیادہ اجتہاد یا فہم کی غلطی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔اور اسے صرف علماء راسخین ہی معلوم کرسکتے ہیں، جن کا کام تحریف غالین، انتحال مبطلین اور تاویل جاہلین کی نفی ہے۔اللہ سے اُمید ہے کہ ایسی خطا کا قائل وفاعل اگر دین میں مخلص اور غیر متعصب ہو اور کسی قوی شبہ کی وجہ سے گرفتار ہوگیا ہو تو اس کی خطا معاف ہوجائے گی۔اگر خطا پر جمود خدا ورسول کی مخالفت اور عناد کے باعث دانستہ ہے تو یہ نہایت اندیشہ کی بات ہے۔تاہم کسی راجی وخائف مسلمان کی نسبت ایسی بدگمانی کرنا اچھی بات نہیں۔ نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّوَاهِرِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالسَّرَآئِرِ۔

اصولِ دین کا اختلاف غالباً کفر تک لے جاتا ہے۔اسلام کے بہتر فرقے فروعی اختلاف کے باعث ناری اور غیر ناجی نہیں ہوئے، بلکہ وہ اصول وعقائد میں اختلاف کے سبب دائرہ نجات سے نکل کر ہلاکت کے گڑھے میں جاگرے ہیں۔میں نے رسالہ ''کشف الغمہ فی افتراق الامۃ'' میں ان سب فرقوں کے اصول وعقائد کا ذکر کردیا ہے۔

متبع دلیل کا مرتبہ مقلد کی نسبت بلند ہے یا نہیں؟ یہ ایک ایسی بات ہے جو آفتابِ نصف النہار سے زیادہ روشن اور ماہِ شب چہاردہم سے زیادہ درخشاں ہے اور عقلی، عرفی اور شرعی ہر اعتبار سے لوگوں پر واضح ہے۔اس کا انکار امر بدیہی کا انکار ہے۔مقتدی کی فضیلت کا اندازہ مقتدا کی فضیلت سے لگایا جاتا ہے۔مثلاً امت مسلمہ کا مقام ومرتبہ صرف اسی وجہ سے بلند وبالا ہے کہ اس امت کا رسول دیگر تمام امتوں کے رسولوں کی نسبت اکرم وافضل ہے تو بھلا رسول کی اتباع کرنے والا افرادِ امت کی اتباع کرنے والوں سے کس طرح کم مرتبہ ہوسکتا ہے!

فرق ست میانِ آنکہ یارش در بر
با آنکہ دو چشمِ انتظارش بر در

عوام میں (علماء میں نہیں) ایمان تو عصرِ نبوت ہی سے تقلیدی چلا آرہا ہے۔ ❶ لیکن عمل تقلید چوتھی صدی ہجری میں تھوڑا تھوڑا شروع ہوا اور پھر چھٹی صدی ہجری کے بعد تو اہلِ علم کی قلت اور جہلاء کی کثرت کی وجہ سے تمام دنیا میں عام ہوگیا۔ چوں کہ اکثر لوگ آرام طلب اور راحت پسند ہوتے ہیں۔

اس لیے انھوں نے علم کی طرف توجہ مبذول نہ کی اور نہ علومِ ادلہ کو سیکھا بلکہ حسنِ ظن کی بنا پر تقلید کو اختیار کرلیا۔ علماء نے بھی، جو کہ علم و دین کی انتہائی منزلوں کو طے کر چکے تھے، عوام اور حکام کے ڈر سے اپنے مرتبۂ اجتہاد یا مرتبۂ اتباع پر فائز ہونے کا اظہار نہ کیا۔ بلکہ مصلحتِ عامہ کا خیال رکھتے ہوئے شافعی، مالکی اور حنفی وغیرہ کہلاتے رہے۔ لیکن اس کے باوجود اعتقاد و عمل کے اعتبار سے وہ لوگ مقلد جامد نہ تھے اور یہ بات خود ان علماء کی کتابوں ہی سے ثابت ہے۔ چناں چہ ہم نے ''التاج المکلل'' ❷ میں علمائے مجتہدین میں سے ایک عظیم جماعت کا نام بنام ذکر کرکے بتا دیا ہے کہ وہ کسی کے مقلد نہ تھے، بلکہ فقہاء کے نام سے مشہور اور مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی طرف منسوب تھے۔ اور جو لوگ خالص محدث اور عامل بالحدیث تھے وہ اس قدر بکثرت تھے کہ ان کی صحیح تعداد کا خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں، کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کے ہم عصر محدثین کرام کے زمانہ میں ایک ایک مجلس حدیث میں ستر ستر ہزار آدمی سماعِ حدیث کے لیے شرکت کیا کرتے تھے، اور ان میں سے کوئی شخص بھی تقلید شخصی کا قائل نہیں ہوا کرتا تھا۔ البتہ عامی اور مقلد جاہل جو قرآن و حدیث کے دلائل نہ جاننے کی بنا پر

---

❶ آیت مبارکہ فَاعْلَمْ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے لیے بھی علم کا ہونا ضروری ہے اور تقلیدی ایمان ناقابل قبول ہے۔ چناں چہ امام کرمانی نے لکھا ہے کہ مَذْهَبُ اَكْثَرِ الْمُتَكَلِّمِيْنَ اَنَّ اِيْمَانَ الْمُقَلَّدِ فِيْ اُصُوْلِ الدِّيْنِ غَيْرُ صَحِيْحٍ ''اکثر متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ اصول دین میں مقلد کا ایمان درست نہیں ہے۔'' اسی طرح انھوں نے امام محی السنہ کا قول بھی ذکر فرمایا ہے کہ يَجِبُ عَلٰى كُلِّ مُكَلَّفٍ مَعْرِفَةُ عِلْمِ الْاُصُوْلِ وَلَا يُسْمَعُ فِيْهِ التَّقْلِيْدُ لِظُهُوْرِ دَلَائِلِهِ ''دلائل کے واضح ہونے کے پیشِ نظر ہر مکلف پر اصولِ دین کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور اس سلسلہ میں تقلید قطعاً ناقابل التفات ہے۔'' [شرح البخاری للکرمانی، ج:۲، ص:۳۰]

❷ کتاب کا پورا نام "التاج المکلل من جواهر مآثر الطراز الآخر والاوّل" ہے۔ پہلا ایڈیشن ۱۸۸۰ء میں طبع ہوا تھا۔ جب کہ دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۳ء میں عبدالحکیم شرف الدین کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ نہایت سلیقہ کے ساتھ بمبئی سے زیورِ طباعت سے آراستہ ہوچکا ہے۔ م، خ، س۔

کتاب وسنت پر براہِ راست عمل نہیں کرسکتا۔ اور کتب فقہ سے بھی متمتع نہیں ہوسکتا، اس کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ مسائل میں قولِ غیر کو قبول کرلے۔ یاد رہے محقق علماء نے اگرچہ ایسے انسان کے لیے اس کی جہالت کی وجہ سے تقلید کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ کسی خاص مذہب کی اس انداز میں تقلید نہ شروع کردے کہ دوسرے مذاہب سے وابستہ علماء کی بات کو غلط سمجھے۔ تقلید شخصی کے وجوب پر قوی یا ضعیف کوئی دلیل نہیں ہے۔ لیکن یہ بات ہر زمانہ میں ہر جاہل کو میسر آسکتی ہے کہ وہ کسی عالم سے کہے کہ آپ اس مسئلہ میں کتاب وسنت یا آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں میری راہنمائی فرمائیں۔ لہٰذا اسے خواہ مخواہ اختلاف وشبہات میں پڑنے اور یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ اس مسئلہ میں مجھے فلاں امام کا فتویٰ بتادیں۔ ممکن ہے یہ بات پہلے میسر نہ ہو۔ لیکن آج تو ہر عامی کو ہر شہر اور ہر قریہ میں میسر ہے۔ کیوں کہ آج کل فقہ السنۃ کے فروعی اور اصولی مسائل پر مشتمل رسالے اردو میں بھی لکھے جاچکے ہیں۔ جن سے ہر حرف شناس فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

یہ اعتراض بالکل بے بنیاد اور باطل ہے کہ ان رسائل پر عمل کرنا ان کے مصنفین کی تقلید کے مترادف ہے۔ اور ان کی تقلید کے بجائے ائمہ مجتہدین کی تقلید بہر آئینہ بہتر ہے۔ کیوں کہ دلیل کو تسلیم کرنا اور ثقہ راویوں سے روایت قبول کرنا، اہل علم وعقل کے نزدیک تقلید نہیں۔ تقلید تو غیر کی رائے کو قبول کرنے کا نام ہے۔ شارع کی روایت قبول کرنے کو تقلید نہیں کہا جاسکتا۔ یہ فقط ابلیس کا ایک مغالطہ ہے۔ اور اس دامِ تلبیس میں ایک جہان کو مبتلا کرکے اس نے صراطِ مستقیم سے گمراہ کردیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ کتب ورسائل کے مصنف کتاب وسنت سے دلائل نقل کرتے ہیں۔ اور وہ بھی ان علماء کی کتابوں کے حوالہ سے جو علومِ روایت کے حامل، سنت کے حافظ اور صحیح وغلط کے درمیان بخوبی تمیز کرنے والے تھے۔ وہ نہ اپنا اجتہاد ذکر کرتے ہیں اور نہ اپنی رائے کا اظہار۔ لہٰذا ان کتب ورسائل پر اعتقاد رکھنے اور ان کے مندرجات کے مطابق عمل پیرا ہونے سے کوئی شخص ان کے مؤلفین کا مقلد کیسے ہوسکتا ہے؟

میرا مذہب

مجھے وہ مذہب پسند ہے جو دلائل کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح، قوی، اور احوط ہو۔ اور اس بات کو میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اہل علم کے اقوال کے مقابلہ میں کتاب وسنت کے دلائل کو ترک کردیا جائے۔ بلکہ اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ حتی الامکان مختلف مذاہب کے درمیان جمع وتطبیق کی راہ کو

تلاش کر لیا جائے اور اس سب کچھ سے صرف یہ مقصود ہے کہ میری عبادت تمام یا اکثر مذاہب کے اعتبار سے صحیح ہو اور یہ احتیاط کی بات ہے کہ مکروہ سے اس طرح بچا جائے جس طرح حرام سے بچا جاتا ہے اور سنن کی اس طرح نگہداشت کی جائے گویا کہ وہ واجب ہیں۔

دین میں احتیاط کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ شبہات سے اجتناب کیا جائے۔ تفریعات فقہیہ میں شبہات بکثرت پیش آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کے فتاویٰ میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ اس کے برعکس کتاب وسنت کے ظاہر اور واضح احکام میں نہ کوئی اختلاف ہے نہ شبہ۔

﴿ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾ ❶

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بند
چون ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ ظاہری مذہب سے وابستہ تھے۔ جب کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ حنبلی مشرب سے پیوستہ۔ ظاہری اور حنبلی حضرات گو بظاہر امام داؤد ظاہری رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہیں۔ لیکن درحقیقت متبع کتاب وسنت ہیں۔ کیوں کہ ان دونوں اماموں نے اپنے اجتہاد سے کوئی فقہ مدوّن نہیں فرمائی بلکہ وہ عمل بالحدیث کے قائل تھے۔ اور یہی وہ بہترین راستہ ہے، جس پر اہل اسلام کو رشک کرنا چاہیے۔ وباللہ التوفیق!

میرے خیال کے مطابق ان بزرگوں کے علاوہ اور بھی کوئی شیخ طریقت کسی خاص مذہب کا مقلد نہیں تھا۔ اگر کسی نے اپنے آپ کو کسی مذہب کی طرف منسوب کیا ہے تو وہ عوام الناس کی زبان ودست درازی سے محفوظ رہنے یا کسی اور مصلحت کے پیش نظر کیا ہے۔

حضرت جنید رحمہ اللہ نے جب توحید ومعرفت کے حقائق بیان فرمانا شروع کیے تو اُن پر ہر طرف سے دشمنوں کا ہجوم ہونے لگا تو انھوں نے جان کی حفاظت کے لیے مجبوراً اپنے آپ کو فقہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے اپنے آپ کو امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا ہم مذہب قرار دیا۔ لیکن گھر کی چار دیواری میں پوشیدہ طور پر بدستور توحید بیان فرماتے رہے۔

اکثر اہل علم ودین کو ہر دور میں اسی قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ محدثین، شافعی کہلاتے رہے حالاں کہ وہ مجتہد تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے مقلد وتابع نہ تھے، ان کا

❶ [النساء: ٨٢]

مسلک عمل بالحدیث تھا۔الغرض دین میں جو فتنہ بھی آیا ہے،انہی جہال مقلدین کی طرف سے آیا ہے۔

دیوانگی و مستی از بوئے تو می خیزد
ہر فتنہ کہ می خیزد از کوئے تو می خیزد

مذاہب اربعہ میں حق دائر ہے، منحصر نہیں

اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے کہ میں کسی دوسرے مذہب سے وابستہ انسان سے جاہلانہ تعصب نہیں رکھتا۔اور نہ میں اہل سنت و جماعت کے دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں کو گمراہ ہی سمجھتا ہوں۔ کیوں کہ ائمہ اربعہ کے اصول ایک ہیں اور فروعی اختلاف ضلالت و کفر کا موجب نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے صرف تشدید و تخفیف پر محمول کیا جاتا ہے جیسا کہ علامہ شعرانی نے ''میزان'' میں بیان فرمایا ہے۔قصہ مختصر یہ کہ میں متبع ہوں مبتدع نہیں،اور یہ بھی دلیل کے اعتبار سے کہہ رہا ہوں۔ اس لیے کہ امت کو ظاہری اور باطنی اعتبار سے کتاب و سنت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔اور اللہ و رسول کے سوا کوئی متبوع نہیں ہے۔امت کے جس قدر بھی علماء و مشائخ ہیں،ان کے اقوال مقبول بھی ہیں اور مردود بھی۔ اگر کوئی بات رد نہیں کی جاسکتی تو وہ صرف خدا کا ارشاد اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان ہے۔پس متبع سنت بلاشک وشبہ افضل ہے اور مقلد (اگر مشاقق خدا ورسول نہیں تو) مفضول ہے۔اس بات میں تعصب اور حمیت نفسانیہ کو دخل نہیں۔ بلکہ یہ تو سراسر حقائق امور کا بیان ہے۔واللہ اعلم!

بقولِ مصطفیٰ زائر زرائے دیگراں ماندم
شہودِ یار مانع گردد از اغیار عاشق را

''قول جمیل'' میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

" وَمِنْهَا اَنْ لَّا يَتَكَلَّمَ فِيْ تَرْجِيْحِ مَذَاهِبِ الْفُقَهَاءِ بَعْضِهَا عَلٰى بَعْضٍ بَلْ يَضَعُهَا كُلَّهَا عَلَى الْقُبُوْلِ بِجُمْلَةٍ وَيَتَّبِعُ مِنْهَا مَا وَافَقَ صَرِيْحَ السُّنَّةِ وَمَعْرُوْفَهَا فَاِنْ كَانَ الْقَوْلَانِ كِلَاهُمَا مُخَرَّجَيْنِ اِتَّبَعَ مَا عَلَيْهِ الْاَكْثَرُوْنَ فَاِنْ كَانَ سَوَآءً فَهُوَ بِالْخِيَارِ وَيَجْعَلُ الْمَذَاهِبَ كُلَّهَا كَمَذْهَبٍ وَّاحِدٍ مِنْ غَيْرِ تَعَصُّبٍ . [انتهى]

''مذاہب فقہاء میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے متعلق گفتگو نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہر ایک کو فی الجملہ قبول کرنا چاہیے البتہ اس مذہب کا اتباع کرنا چاہیے جو صریح اور معروف سنت کے مطابق ہو۔اگر دونوں قول سنت کے مطابق ہوں تو اس پر عمل کرنا چاہیے،جس پر اکثر علماء

عمل پیرا ہوں، اگر دونوں برابر ہوں تو اختیار ہے، لیکن تمام مذاہب کو کسی قسم کے تعصب کے بغیر ایک جیسا سمجھنا چاہیے۔"

مجھے معلوم ہے کہ حق ان مذاہب اربعہ میں دائر ہے مگر منحصر نہیں۔ اس لیے کہ اہل حدیث، ظاہریہ اور صوفیہ بھی حق پر ہیں۔ بلکہ یہ لوگ اہل حق میں سب سے افضل ہیں اور ترجیح مذاہب کے سلسلہ میں ترکِ گفتگو کی وجہ یہ ہے کہ ایک مذہب کو ترجیح دینا اکثر لوگوں کے نزدیک باقی مذاہب کی تنقیص کا باعث بنتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض حنفی حضرات مذہب شافعی کو، اور بعض شافعی حضرات مذہب حنفی کو برا کہنے لگتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے (سب سے افضل ہونے کے باوجود) اسی لیے ارشاد فرمایا کہ "مجھے یونس علیہ السلام سے افضل نہ کہو۔"[1] واللہ اعلم!

مذاہب اربعہ کا مطالعہ

ابتدائے طالب علمی میں اس ملک کے رواج کے مطابق میں نے فقہ حنفی کی کتابیں بھی پڑھیں تھیں۔ پھر جب شعور بڑھا تو مذاہب ائمہ ثلاثہ پر بھی عبور حاصل کیا، اور مذاہب اربعہ کے فروعی مسائل کے دلائل تک بخوبی معلومات حاصل کرلیں اور راسخ علماء کے قاعدہ کے مطابق ہر مذہب کے دلائل کا میزان تحقیق میں وزن کیا اور جس بات کو دلیل کے اعتبار سے راجح پایا، اسی کا قائل ہوگیا۔ چناں چہ "مسک الختام شرح بلوغ المرام"، "روضہ ندیۃ"، "بدور الاہلہ"، "نہج مقبول"، "عرف الجادی" اور "بنیانِ مرصوص" وغیرہ کے مطالعہ سے ہر منصف مزاج کو یہ ملکہ حاصل ہوسکتا ہے۔ ایک ہی مذہب وطریقے پر جمود کرنے والا انسان دین کے فیوض وبرکات سے محروم رہ جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اپنی کتاب "الانصاف فی سبب الاختلاف" میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

راہِ اعتدال

ائمہ اربعہ کے مذاہب پر عبور حاصل کرنے کے بعد، میں نے اپنے لیے دلیل کے اتباع کو پسند کیا ہے، یعنی دلیل کے اعتبار سے جو مذہب قوی اور صحیح ہو، میں اسے اختیار کرتا ہوں، خواہ وہ مذہب حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی۔ میں کسی مذہب کو محض تعصب کے پیش نظر رد نہیں کرتا اور نہ کسی مذہب کو محض خواہش نفس کے مطابق اخذ کرتا ہوں۔ مثلاً مسئلہ آب میں مذہب مالک رحمہ اللہ زیادہ قوی ہے، تشہد کے

[1] [بخاری: ۳۳۹۵]

صیغوں کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب زیادہ صحیح ہے اور مسئلہ صفات میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک سب سے قوی ہے۔لہٰذا میں نے انھیں اختیار کیا ہے۔

علی ہذا القیاس میں نے اپنی تمام تالیفات میں اسی قاعدہ کو پیش نظر رکھا ہے۔اس اعتبار سے میں اپنے آپ کو حنفی کہوں یا شافعی، مالکی کہوں یا حنبلی تو کذب لازم نہیں آئے گا۔اور اگر محض سنی کہوں تو بھی بالکل سچ ہے۔ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ مجتہدین کا محبّ اور خادم ہونے کی حیثیت سے اگر میں اپنے آپ کو ان میں سے کسی امام کی طرف منسوب کروں تو بھی درست ہے، چناں چہ سلف امت کی طرف ائمہ علم کی اکثر نسبتیں اسی قبیل سے ہیں۔لیکن

مردم اندر حسرت فہم درست
اینکہ میگویم بقدر فہم تست!

میں خوب جانتا ہوں کہ کسی امام کا کوئی مقلد بھی ایسا نہیں ہے، جو کسی مسئلہ میں بھی امام کے مذہب واقوال کی مخالفت نہ کرتا ہو۔خواہ مسئلہ کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے۔جب یہ بات ہر مذہبِ خاص کے مقلدوں میں موجود ہے، اور اس کا مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے۔تو پھر مجھ پر یا کسی اور متبع پر کوئی الزام کب عائد ہوسکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کسی نے ایک دو مسئلوں میں اپنے امام کے مذہب کے خلاف کیا اور کسی نے پانچ دس مسئلوں میں۔تو یہ تفاوت فقط قلت وکثرت کا ہے، تقلید واتباع کا نہیں۔مثلاً شیخ عبدالحق دہلوی نے سماعِ موتی میں مذہب شافعی اختیار کیا ہے۔اور جمہور حنفیہ کے مذہب عدمِ سماعِ موتی کو چھوڑ دیا ہے۔اسی طرح وہ مشرب میں قادری الطریقہ تھے۔حالاں کہ شیخ جیلانی حنبلی المذہب تھے۔یا اس کی مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ حنفیہ کی ایک جماعت شیخ محی الدین بن عربی کی ولایت بلکہ قطبیت کی معتقد ہے۔حالاں کہ وہ ظاہری المذہب اور محض متبع تھے یا مثلاً امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں زکوٰۃ کی اصنافِ ثمانیہ میں مذہب حنفی کو جائز رکھا ہے حالاں کہ امام شافعی رحمہ اللہ اس مسئلہ میں سخت ہیں یا مثلاً ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ نے بعض فروعی مسائل میں جمہور حنفیہ سے اختلاف کیا ہے۔کتب کی ورق گردانی سے اس قسم کی صدہا مثالیں مل سکتی ہیں۔

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے ''طبقات'' میں علماء کے تراجم ذکر کرتے ہوئے ان کے مختاراتِ متفردہ بھی ذکر کیے ہیں، جو ان کے مشہور مذہب کے خلاف ہیں۔''حجۃ اللہ البالغہ'' کو دیکھو، اس میں بہت سے مقامات پر مذہب شافعی کو راجح کہا گیا ہے۔

''معمولات مظہریہ'' کی سیر کرو۔ اس میں بھی جابجا ظاہر حدیث کو اختیار کیا گیا ہے۔ عدمِ رفع سبابہ میں مذہب مجدد کو چھوڑ دیا ہے۔ حنفیہ ہند کو دیکھو، مذہب شوافع کے مطابق مجالس میلاد منعقد کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ قدیم علماء حنفیہ سے ثابت نہیں۔ اسی وجہ سے حضرت مجدد نے اسے اپنے ''مکتوبات'' میں بدعت قرار دیا ہے۔ اور اس کی بہت سخت تردید کی ہے۔

وَهٰذَا الْبَابُ وَاسِعٌ جِدًّا لَا يَأْتِي فِي الْحَصْرِ .

اس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ اگلے اہل علم اور اہل مذہب اس طرح کا تعصب نہیں رکھتے تھے، جس طرح کا تعصب اس تیرھویں صدی میں ہے بلکہ وہ لوگ آپس میں موافق، محبّ، طالب حق اور متبع صدق تھے۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ''قولِ جمیل'' میں لکھا ہے کہ

''مذاہب فقہاء اور مشاربِ صوفیاء میں سے کسی مذہب و مشرب کو کسی دیگر مذہب و مشرب پر ترجیح نہیں دینی چاہیے بلکہ ظاہر کتاب اور سنت معروف کا اتباع ہی کافی و وافی ہے؟ چناں چہ بغیر کسی قسم کی کمی وبیشی کے ہمارا طریقہ بھی یہی ہے۔'' وباللہ التوفیق!

اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن وحدیث میں فہم صحیح اور درکِ لطیف عطا فرمایا ہے اور ذہن صافی وقلب سلیم سے نوازا ہے۔

چہ می پرسی زحالِ نسخۂ دل چیست تحریرش
کتابے در بغل دارم کہ قرآن ست تفسیرش

میں کسی آیت کی تفسیر یا حدیث کی شرح میں جب اہل علم کے مختلف اقوال پاتا ہوں تو ان میں سے راجح اور صحیح قول کو پہچان لیتا ہوں۔ اِمَّعَہ نہیں ہوں کہ جس کی تقریر تحریر سنی دیکھی اور بظاہر چست ودرست اور برجستہ نظر آئی، اسی کی طرف جھک گیا۔ بلکہ اپنے فکر سے کام لیتا ہوں، اور مختلف اقوال ومذاہب کو کتاب وسنت کی میزان میں تول کر جائزہ لیتا ہوں۔ جو موافق ہو اسے قبول کرتا ہوں اور جو تاویل بعید یا توجیہ ضعیف ہو اس کو پسند نہیں کرتا، اگرچہ اس کا قائل بہت بڑا عالم یا شیخ ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ حق ہی سب سے بڑا اور عظیم ہے اور ہمارا طریقہ کتاب وسنت کا پابند ہے۔ جس طرح کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

طريقتنا هذه مشيدة بالكتب والسنة .

''اور تمام مشائخ، علمائے سلف اور متبعین خلف کا یہی قول اور حال تھا۔''

سرورِ خاطر احباب زائر از رائے ست!
من وتفرجِ باغِ محدثاں تنہا

علوم وفنون میں مہارت

مجھے علوم دین کی جملہ انواع سے ایک طرح کی مناسبت طبعی حاصل ہے اور میں علم کی فقط کسی خاص نوع کا ذائقہ گیر نہیں ہوں۔

من کل شیء لذیذ احتسی قدحا وکل ناطقة فی الکون یطربنی

"نصب الذریعہ" میں جتنے علوم شرعیہ کا میں نے ذکر کیا ہے، ان سب میں مہارتِ ضروری اور فہم کفائی رکھتا ہوں۔ اگر چہ میرا زیادہ تر شغف علم تفسیر، شروحِ حدیث اور متونِ حدیث سے ہے۔ فقہ سنت کو ویسا ہی جانتا، سمجھتا ہوں جس طرح مقلدین اپنے مذاہب کی فقہ کو سمجھتے ہیں، اور ان کے علماء مذہب حنفی، شافعی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔ احکام ومسائل کے دریافت کرنے کے لیے میں اپنے دین میں کسی عالم کا محتاج نہیں ہوں۔ بلکہ عبادات، معاملات اور اخرویات کے ہر مسئلہ کو قرآن وحدیث کے مطابق، تفاسیر مکرمہ وسنن مطہرہ کے معاون سے نکال کر تحقیقاً ودلیلاً بتا سکتا ہوں۔ چناں چہ میری مؤلفات اس دعویٰ پر شاہد عدل ہیں۔ وذلک فضل اللہ یؤتیه من یشآء

جزبہ بندت نقشِ خاطرِ آزادۂ ما
غیر نقشت نہ پذیرد ورقِ سادۂ ما

معاصرین میں سے کسی کو بھی ائمہ اسلام کی کتابوں پر اس قدر عبور حاصل نہیں ہے جتنا کہ مجھے ہے۔ کیوں کہ میں نے ہزار ہا کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور ہر موضوع کی اکثر کتابوں کو اوّل سے آخر تک گہری نظر سے پڑھا ہے۔ فقہ سنت، اصولِ فقہ اور علم تفسیر میں جو دستگاہ مجھے حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔ معاصرین کی کیفیت استدلال کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو علمائے دین کے نام سے مشہور ہیں، وہ اخبار کی ایڈیٹری تو خوب جانتے ہیں اور بحث مسائل میں بھی اسی (ایڈیٹرانہ) روش پر چلتے ہیں۔ لیکن جو بات مقصودِ شرع اور مطلوب دین ہے۔ اس کے علم وفہم سے کوسوں دور ہیں۔ اسی وجہ سے اس زمانہ میں دین لہو ولعب بلکہ عبث ٹھہر گیا ہے نہ کسی کا حفظ ادب ہے، نہ کسی مسئلہ میں انصاف ہے۔ الا ماشاء اللہ! یہ سب آخری زمانہ کے فتنے ہیں۔ معلوم نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔

من زوضعِ زمانہ در فکرم
کہ مبادا ازیں بتر گردد!

میں نے یہ بات بطورِ فخر نہیں لکھی بلکہ اس امر واقعی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اس کے باوصف میری یہ عادت نہیں کہ علم وفضل کی وجہ سے کسی پر مباہات کروں، کسی کی بات کاٹوں، اپنے فہم کے لیے تعقب کروں یا کسی کو اپنے طریقہ کی طرف دعوت دوں بلکہ میں تو کسی شخص کے سامنے علم کی بات تک نہیں کرتا اور نہ کسی حنفی، شافعی سے متنفر ہوتا ہوں اور نہ مجھے علم وفضل پر کوئی غرور ہے۔

تلاشِ فخر ندارم بعار سوگندست
زگل شگفتہ نگردم بخار سوگندست
چراغِ عاریتی تیرگی زیادہ کند
بروشنائی شبہائے تار سوگندست!

میرے عربی وفارسی رسائل موجود ہیں، ان کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہوسکتی ہے کہ مسائل دین اور ادلہ شرع کی تحریر وتقریر کے اعتبار سے ان کے اور معاصرین کی کتابوں کے درمیان کس قدر واضح فرق ہے اور کون کتاب وسنت بلکہ فقہ ملت پر زیادہ عبور رکھتا ہے۔

وَلٰكِنْ مَفَاسِدُ الْجَهْلِ وَالتَّعَصُّبِ كَثِيْرَةٌ لَا تُحْصٰى وَالْمُعَاصَرَةُ اَصْلُ الْمُنَافَرَةِ .

اندازِ بیان اور

میں نے عربی، فارسی اور اردو میں مطول ومختصر بے شمار دینی کتابیں تصنیف کی ہیں اگرچہ ان کے ابواب، فصول اور مطالب علماء راسخین ومحققین سلف وخلف سے منقول وماثور ہیں۔ لیکن ہر کتاب ورسالہ میں طرزِ بیان اور ترتیب مقاصد ومواقف جدید ہے اور پھر اس لطف وخوبی کے ساتھ یہ بیان ہم عصر علماء کے رسائل ومؤلفات میں شاید ہی نظر آئے۔ پھر ان میں سے بعض کتابیں بالکل جدید ہیں۔ جیسے ''التاج المکلل'' اور ''رسالہ یقظہ'' وغیرہ۔

اردو وفارسی کے اکثر رسائل میں دوسرے لوگوں کی عبارتیں نقل کرتے وقت میں نے دو امور کا بطورِ خاص خیال رکھا ہے۔ ایک یہ کہ جس کی وہ عبارت ہو اس کا نام لکھا جائے۔ میں کسی عالم کی تحقیق کو تدلیسا یا تلبیسا اپنی طرف منسوب کرنا خیانت سمجھتا ہوں۔ اور دوسرے یہ کہ نقل مذکور صحیح اور اصل کے مطابق ہو۔ ابوابِ شرع میں سے شاید ہی کوئی ایسا باب ہو جس میں میں نے کوئی مستقل رسالہ یا کتاب

نہ لکھی ہو، تفسیر حدیث، فقہ، علومِ آخرت، عقائد، تاریخ اور نحو وغیرہ کون سا موضوع ہے جس پر میں نے قلم نہیں اٹھایا۔ اور پھر ہر رسالہ ادلہ صحیحہ کے ساتھ مزین ہے۔ ایسی کوئی کتاب نہیں جو کتاب وسنت کے دلائل مع تخریج سے خالی ہو۔ یہ بات تالیفاتِ معاصرین میں نایاب ہے۔

اس زمانہ میں اکثر طرزِ تصنیف یہ ہے کہ چند معروف کتب فقہ سے اقوال وحکایات اور قیل وقال بغیر دلیل کے نقل کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ اور اسے بڑی تحقیق سمجھا جاتا ہے۔ پھر اگر کسی قول کو ترجیح بھی دی جاتی ہے تو دلیل کی رو سے نہیں بلکہ انہی روایاتِ فقہ کی رو سے۔ یہ طریق ان لوگوں کا ہے جو علومِ اصول سے آگاہ نہیں ہیں۔ استدلال کا ملکہ نہیں رکھتے اور کیفیت استدلال واستنباط کو نہیں پہچانتے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اصولِ علوم پر کافی عبور بخشا ہو وہ ہرگز اس خساءت ودناءت کو اپنے لیے پسند نہیں کرے گا۔ علاوہ ازیں ادلہ کتاب وسنت کی جو کثرت تنقیح وتوضیح کے ساتھ میرے رسائل وکتب میں ہے۔ معاصرین کی تالیفات میں اس کی نظیر نہیں ملے گی۔ بلکہ اکثر رسائل میں ابواب وفصول کے ذیل میں آیات کا استقراء کیا گیا ہے بلکہ ایک دلیل کا دوسری کے ساتھ باہمی ربط بھی بیان کیا گیا ہے جیسا کہ کتب فقہ سنت کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی ثابت ہوگی۔ فارسی اور اردو میں بعض رسائل دو دو چار چار کاپی تک ایک ہی حدیث کی شرح میں لکھے گئے ہیں۔ مثلاً شرح حدیث ''حلاوۃ الایمان''، شرح ''حدیث دلی'' اور شرح حدیث ''بنی الاسلام علی خمس'' وغیرہ۔

یہ سب افاضہ مبدأ فیاض کی طرف سے ہے کیوں کہ میں کوئی مختار عامل نہیں بلکہ ایک غلام ہوں جس سے کام لیا جاتا ہے۔ میں کیا اور میری تالیفات کیا، اور میرا سلیقہ کیا۔ اگر یہ خدمت قبول ہوگئی تو زہے سعادت ورنہ ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَمِتْنَا مُسْلِمِیْنَ .

شرفِ قبولیت

اختلاف لغات کے باوجود میری تمام تصنیفات اطراف واکنافِ عالم خصوصاً بلادِ حجاز وعرب ومغرب وغیرہ میں میری زندگی میں ہی شرفِ قبولیت سے نوازی گئی ہیں۔ ہندوستان کے بعض لوگوں کے سوا کسی نے ان کی تردید میں کچھ نہیں لکھا اور ہندوستان کے جن لوگوں نے مخالفت کی ہے وہ بھی معاصرت، اتحادِ وطن اور تحاسد باطن کے باعث ہے۔ میں اس امر پر بھی خدا کے حضور سجدۂ تشکر بجالاتا

ہوں۔ اس لیے کہ سلف نے کہا ہے کہ

لَا بُدَّ لِکُلِّ فَقِیہٍ مِنْ سَفِیہٍ یَنْقُصُہُ ۔

''ہر فقیہ کا کسی نہ کسی بیوقوف سے لازماً سامنا ہوتا ہے جو اس کی تنقیص کرتا ہے۔''

اور یہ بات بھی واضح ہے کہ اشیاء کی شناخت اضداد ہی سے ہوا کرتی ہے۔ کون ایسا عالم، امام یا درویش گزرا ہے، جس کا کوئی حاسد نہ ہو، علمائے امت اور مشائخ ملت کو جانے دو۔ خود کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے بھی ہر دور میں دشمن تو رہے ہیں۔ کسی نے قرآن کا معارضہ کیا، کسی نے قرآن کو غیر معجز بتایا، کسی نے صفات، برزخ اور حشر ونشر کی آیات واحادیث میں صدہا شبہات نکالے، کسی نے کتاب وسنت میں تناقض کا دعویٰ کیا، اور کسی نے قرآن کی فصاحت وبلاغت پر اعتراض کیا اور اب تک ایسے لوگ موجود ہیں جو کتاب وسنت کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہیں۔ اور نفخ صور تک ان کا وجود باقی رہے گا۔ اس جگہ ضابطہ یہ ہے کہ جو عمل خالص اللہ کے لیے کیا جائے وہ باقی رہتا ہے اور جو حصولِ جاہ اور ریا کاری کے لیے کیا جائے، اس کی صولت وہیبت بہت جلد مضمحل ہو جاتی ہے۔

فاما الزبد فیذھب جفاء واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض ۔

اتباعِ کتاب وسنت

میں اظہارِ حق میں کسی یار واغیار کا لحاظ نہیں کرتا۔ میرا دل اتباعِ سنن پر مطمئن ہے اور شک وشبہ کی کوئی گرد میرے دامن خاطر پر نہیں جمتی۔ میں اس سلسلہ میں علمائے ربانی کا ہم زباں ہوں، علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَمِمَّا مَنَّ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلٰی اِنْشِرَاحِ صَدْرِیْ لِاِتِّبَاعِ السُّنَّۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ قَوْلًا وَفِعْلًا وَاِعْتِقَادًا وَانْقِبَاضُ خَاطِرِیْ مِنْ ضِدِّ ذٰلِکَ مِنْ حِیْنِ کُنْتُ صَغِیْرًا حَتّٰی اَنِّیْ بِحَمْدِ اللّٰہِ اَتَوَقَّفُ فِیْ بَعْضِ الْاَوْقَاتِ عَنِ الْعَمَلِ بِبَعْضِ مَا اسْتَحْسَنَہُ بَعْضُ الْعُلَمَآءِ حَتّٰی یَظْھَرَ لِیْ وَجْہُ مُوَافِقَتِہٖ لِلْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ ۔

''اللہ تعالیٰ کا ایک احسان مجھ پر یہ بھی ہے کہ اس نے قولی، فعلی اور اعتقادی طور پر سنت محمدیہ کے اتباع کے لیے میرے سینہ کا انشراح فرما دیا ہے اور اس کے برعکس کے لیے میرے دل میں انقباض ہے اور یہ نعمت مجھے بچپن ہی سے حاصل ہے حتی کہ میں بحمد اللہ بعض اوقات ان امور پر بھی عمل سے توقف کرتا ہوں جنھیں بعض علماء نے مستحسن سمجھا ہوتا ہے۔ جب تک کہ

میرے لیے کتاب وسنت سے اس کی موافقت ظاہر نہ ہو جائے۔"

طالب علمی کے ابتدائی دور میں جس قدر علوم درسیہ ومتداولہ پڑھے تھے، قرآن وحدیث کے مسلسل گہرے مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ ان میں اخلاص نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ وہ خواہشاتِ نفسانی کے ساتھ خلط ملط ہیں۔ کیوں کہ علم خالص کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ اشتغال کے وقت دل کلی طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور یہ بات مجھے کسی علم آلی، درسی یا فن متداول میں حاصل نہ ہوئی بلکہ میرا دل تو ہر وادی میں پریشان اور ہر صحرا میں سرگرداں رہتا تھا۔ صرف کتاب اللہ کے علم ہی میں مجھے جمعیت خاطر میسر آئی۔

﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ ❶

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم اور حدیث رسول رؤف ورحیم کی خدمت مجھ سے بار بار عمل میں آئی اور میں نے مختلف پیراؤں میں فقہ کتاب وسنت کو اہل عصر کے سامنے پیش کیا ہے۔

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ ❷

اسی طرح سنت مطہرہ کے صحائف کے علاوہ اور کسی علم میں میں نے وقت ضائع نہیں کیا۔ کیوں کہ صحائف سنت کی مزاولت سے بصیرت تامہ حاصل ہوتی ہے۔

وَمَنْ اَتْعَبَ نَفْسَهٗ فِيْ جَمْعِ الْعُلُوْمِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْظُرَ فِيْ دَلَالَتِهَا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لِاَنَّهٗ هُوَ الْمَقْصُوْدُ الْاَعْظَمُ بِهَا حُجِبَ عَنْ مَوَاضِعِ الدَّلَالَةِ الَّتِيْ فِيْهَا عَلَى الْحَقِّ جَلَّ وَعَلَا.

ہیچ کار کتب خوانیت نمی آید
ز جمعِ خاطرِ خود نسخۂ فراہم کن

میں جب اپنے اعمال پر غور کرتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یقینی طور پر مجھے ناپسند فرماتا ہے۔ اس لیے کہ کتاب وسنت کے علم کے باوجود مجھ سے کوئی عمل خالص اور فعل صادق صادر نہیں ہوتا۔ میں اپنے خیال میں مکار یا ریاکار نہیں ہوں۔ اس لیے کہ ریاکاری عام طور پر حصولِ جاہ ومال کے لیے ہوا کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے حوصلہ سے بڑھ کر مال وجاہ سے نواز رکھا ہے۔ اگر کوئی عمل مرضی حق تعالیٰ کے موافق صادر ہو گیا ہو تو مجھے اس کا علم نہیں۔ اللہ کی محبت یا کراہت دریافت کرنے

---

❶ [الرعد:۲۸] ❷ [البقرة: ۱۲۷]

کے لیے میزان صرف کتاب وسنت کی ظاہری وباطنی اتباع وموافقت، قول وعمل اور حال کے اعتبار سے مخالفت ہے۔ یہ میزان کبھی بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہیے۔ اگر ہر وقت اور ہر گھڑی یہ وزن نہ ہو سکے تو کم از کم صبح وشام تو اپنے نفس کو اس معیار پر ضرور پرکھنا چاہیے اور معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس غلام سے خوش ہے یا ناخوش۔ **ولا تنتظر احدا غیرک ینبھک علی مثل ذلک فانه مفقود فی هذا الزمان**

''اس دور میں نام کے اہل علم اور مشتغل بعلم فقہ تو بہت ہیں لیکن حقیقت میں یہ خلافِ آدم ہیں آدم نہیں۔''

أَمَّا الْخِيَامُ فَإِنَّهَا كَخِيَامِهِمْ!
لٰكِنْ نِسَآءُ الْحَيِّ غَيْرُ نِسَآئِهَا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝ وَّ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴾ ❶

''بلکہ انسان اپنے آپ پر خود ہی دلیل (یا گواہ) ہے۔ اگر چہ اپنے عذر پیش کرتا رہے۔''

شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَعُلِمَ اَنَّهٗ يَتَاكَّدُ عَلٰى كُلِّ شَخْصٍ لَيْسَ لَهٗ شَيْخٌ اَوْ اَخٌ صَادِقٌ اَنْ يَّزِنَ اَفْعَالَهٗ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَكَلَامِ الْاَئِمَّةِ لِيَنْظُرَ فِيْ رِبْحِهٖ وَخُسْرَانِهٖ .

''پس معلوم ہوا کہ جس شخص کا کوئی شیخ یا برادرِ صادق ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے افعال کتاب وسنت اور کلامِ ائمہ کے میزان پر تولتا رہے تاکہ اسے اپنے نفع ونقصان کا اندازہ ہو سکے۔''

میرا حال یہ ہے کہ میں نے کسی کے ہاتھ پر بیعت ارادت نہیں کی اس لیے کہ مجھے قرآن وحدیث اور سلف صالح کی شروط کے موافق کوئی شیخ میسر نہیں آیا۔ میں بیعت کے وجوب کا قائل تو نہیں البتہ اسے مستحب ضرور جانتا ہوں۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر شیخ صالح نہ ملے تو اخلاصِ نیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود شریف کے ساتھ قرآن وحدیث کا اتباع ہی کافی ہے۔ چناں چہ حدیث مالک بن انس رضی اللہ عنہ میں مرسلاً آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

❶ [القيامة: ١٤، ١٥]

"تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهِ." ❶
"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک انھیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا مانع ضلالت ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ

مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللّٰهِ ثُمَّ اتَّبَعَ مَا فِيهِ هَدَاهُ اللّٰهُ مِنَ الضَّلَالَةِ فِي الدُّنْيَا وَوَقَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سُوْءَ الْحِسَابِ .
"جس نے کتاب اللہ کا علم حاصل کیا پھر اس کے مطابق عمل کیا۔ دنیا میں اسے اللہ تعالیٰ ضلالت سے بچا کر ہدایت سے نوازے گا اور قیامت کے دن برے حساب سے محفوظ رکھے گا۔"

دوسری روایت اس طرح ہے:

مَنِ اقْتَدٰى بِكِتَابِ اللّٰهِ لَا يَضِلُّ فِي الدُّنْيَا وَلَا يَشْقٰى فِي الْآخِرَةِ .
"جس نے کتاب اللہ کی اقتداء کی وہ دنیا میں ضلالت اور آخرت میں شقاوت کا شکار نہیں ہو گا۔"

پھر یہ آیت پڑھی:

﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى﴾ ❷
"پس جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا وہ نہ تو گمراہی کا شکار ہو گا اور نہ شقاوت سے دوچار۔"

اس سے ثابت ہوا کہ بیعت واجب نہیں ہے اور عمل کے لیے کتاب و سنت ہی کافی ہے۔ یاد رہے عصر نبوت میں جو بیعت ماثور تھی، وہ کبھی ہجرت پر، کبھی جہاد پر، کبھی ادائے واجبات پر اور کبھی ترکِ کبائر پر ہوتی تھی۔ مقاماتِ عرفان کے حصول اور منازلِ احسان کے وصول کے لیے نہیں ہوتی تھی۔ کیوں کہ جب انسان شرعاً متقی بن جائے تو اسے یہ سب مقامات اپنے مقدر کے مطابق خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔ یہ سب اعمالِ صالحہ کے نتائج و ثمرات ہیں۔ نفس اعمال و عین افعال نہیں اور نہ مطلوبِ شارع ہی ہیں۔ مومن آدمی کے لیے سب سے بڑی کامیابی و کامرانی یہ ہے کہ وہ نار سے بچ

---

❶ [رواه في الموطا: ١٧٠٨] ❷ [طه: ١٢٣] رواه رزين

کر گلزار میں جا پہنچے۔

﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾ ❶

''پس جو شخص (جہنم کی) آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا، پس وہ کامران ہوا، اور دنیوی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔''

اور یہ مقصد شیخ کے بغیر بھی اکل حلال، صدقِ مقال اور اتباعِ سنت سے حاصل ہو جاتے ہیں۔

چناں چہ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ میں مرفوعاً آیا ہے:

مَنْ اَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِىْ سُنَّةٍ وَاَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا الْيَوْمَ فِى النَّاسِ لَكَثِيْرٌ قَالَ وَسَيَكُوْنُ فِىْ قُرُوْنٍ بَعْدِىْ . ❷

''جس نے طیب کھایا، سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کی شرارتوں سے محفوظ رہے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو آج کل لوگوں میں بکثرت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور میرے بعد بھی کچھ صدیوں تک یہ چیز رہے گی۔''

❀❀..........❀❀..........❀❀

---

❶ [آل عمران: ١٨٥]

❷ رواه الترمذي: ٢٥٢٠]

باب دوم

میں یتیم ہو گیا تھا، خدائے پاک پر توکل کے علاوہ گھر میں اور کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ حاجاتِ بشری کے باوجود کبھی کسی امیر فقیر سے طعام، لباس، نقدی یا کسی اور چیز کا سوال نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ اس ذلت سے محفوظ رکھا، اسی طرح سفر و حضر میں میں نے کبھی کسی شخص سے کچھ قرض بھی نہیں لیا۔

غدرِ ہندوستان کے زمانہ میں جب میرا گھر فوج نے تاراج کر دیا اور میں وہاں سے جان و آبرو کی حفاظت کے لیے قصبہ بلگرام میں جا کر رہنے لگا۔ تو چند ماہ تک صرف ایک وقت کی خشک روٹی پر قناعت کرتا رہا، اور مدت تک ایک موٹے جامہ میں گزر بسر کرتا رہا۔ شام کو چٹنی روٹی ملتی۔ پھر اس کے بعد اللہ نے اس تکلیف کو دور فرما دیا۔ اس تکلیف کے باوجود میں نے کبھی لب سوال نہیں کھولا اور نہ کسی سے پیسہ ہی طلب کیا۔ وللہ الحمد!

بلکہ بچپن سے اٹھارہ بیس برس کی عمر تک ضیق معیشت دامن گیر رہی۔ جب نوکری ہاتھ آ گئی تو قدرے کشائش ہو گئی۔ مگر پھر بھی سامانِ معیشت کافی نہ تھا۔ کیوں کہ والدہ، ہمشیرگان، کنیزگان و خدام بلکہ بعض اقارب کا بارِ گراں بھی میرے سر پر تھا۔ اب جو وسعت رزق نظر آ رہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حج کے بعد عطا فرمائی۔ وللہ الحمد!

دینی اعتبار سے میں اس سابقہ حالت کو موجودہ حالت سے بہتر سمجھتا ہوں۔ اس لیے کہ دنیا جس قدر کم ہو گی، اتنا ہی حساب بھی روزِ حساب کم دینا پڑے گا۔ جس کا جمع خرچ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ تفتیش کی خطرناک حالت میں پھنسا رہتا ہے۔ اہل دین دنیا کو بقائے دین اور حفظ شریعت کے لیے اختیار کرتے ہیں، فخر و مباہات اور اسبابِ فسق و فجور کے لیے نہیں۔ اس لیے بعض اہل علم حضرات پر دنیا کی وسعت کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ کیوں کہ جس طرح غنا (تونگری) کے نقصانات بکثرت ہیں۔ اسی طرح اس کے فوائد بھی بکثرت ہیں۔ اگرچہ فی الجملہ فقر ہی کو غنا پر فضیلت ہے۔ حدیث اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"قُمْتُ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنُ وَاَصْحٰبُ الْجَدِّ

مَحْبُوْسُوْنَ . " ❶

"میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ داخل ہونے والوں کی اکثریت مساکین پر مشتمل ہے۔اور اصحابِ ثروت روکے ہوئے ہیں۔یعنی قیامت کے دن مالدار لوگوں کو روک دیا گیا ہوگا اور مساکین جنت میں جا چکے ہوں گے۔"

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً کہا ہے:

اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَسَنَتُهُ وَاِذَا فَارَقَ الدُّنْيَا فَارَقَ السِّجْنَ وَسَنَتَهُ . ❷

"دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور قحط سالی ہے۔جب دنیا کو چھوڑتا ہے،تو گویا قید خانہ وقحط سالی کو چھوڑتا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے دوست مبتلائے فقر رہتے ہیں۔حدیث قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ میں مرفوعاً آیا ہے:

اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظِلُّ اَحَدُكُمْ يَحْمِيْ سَقِيْمَهُ الْمَآءَ . ❸

"جب اللہ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو دنیا سے اس کو اس طرح بچاتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے۔"

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا تھا:

اِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَاِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ . " ❹

"ناز ونعم سے اپنے آپ کو بچاؤ کیوں کہ اللہ کے بندے متنعم نہیں ہوا کرتے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے:

مَنْ رَضِيَ مِنَ اللّٰهِ بِالْيَسِيْرِ مِنَ الرِّزْقِ رَضِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِالْيَسِيْرِ مِنَ الْعَمَلِ . ❺

"جو اللہ کی طرف سے تھوڑے رزق پر راضی ہو گیا، اللہ اس کے تھوڑے عمل سے راضی ہو جائے گا۔"

---

❶ [متفق عليه، بخاری: ٦٥٤٧۔ مسلم: ٩٣/ ٢٧٣٦]

❷ [شرح السنه، مستدرك حاكم: ٤/ ٣١٥ مجمع الزوائد: ١٠/ ٢٨٨]

❸ [احمد: ٥/ ٤٢٧۔٤٢٨ والترمذی: ٢٠٣٦] ❹ [احمد: ٥/ ٢٤٣]

❺ [بيهقى فى شعب الايمان: ٤٥٨٥، ج: ٤، ص: ١٣٩]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث ہے:

"مَنْ جَاعَ اَوِ احْتَاجَ فَكَتَمَهُ النَّاسُ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَّرْزُقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِنْ حَلَالٍ." ❶

"جس آدمی کو بھوک یا کوئی احتیاج پیش آئی اور اس نے اسے لوگوں سے چھپایا تو اللہ کا حق ہے کہ اسے ایک سال کا حلال رزق عنایت فرمائے۔"

علاوہ ازیں تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ خاندانِ نبوت کے افراد کو دنیا سے محفوظ رکھتا ہے۔ اگر چہ ان کے نفوس اس کا تقاضا ہی کرتے ہوں۔ اس لیے کہ آخرت میں اُن کے لیے اجرِ عظیم اور فوزِ کبیر ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر ان میں سے کسی کو اگر اتفاقاً کچھ کشائش رزق نصیب ہو بھی جائے، تو وہ ان فساق اصحابِ ثروت جیسی نہیں ہوتی جو دین سے محروم ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَفَافًا. ❷

"اے اللہ! آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بقدرِ کفایت رزق عنایت فرما۔"

چناں چہ اس دعا کے مطابق میری عمر کا ایک تہائی حصہ اِسی حالت کفاف ہی میں گزرا۔ اس وقت ہمارا خاندان سات آٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ جب میں نے نکاح کیا، اولاد ہوئی، ازواج واخوات کے مصارف کا بوجھ بھی سر پر پڑا تو اللہ تعالیٰ نے کسی کا منت کش نہیں ہونے دیا۔ بلکہ اپنے فضل وکرم سے مجھ پر رزق کا دروازہ کھول دیا۔ اس نعمت کا شکر میرے امکان سے باہر ہے۔

عاجزی وانکساری

اللہ تعالیٰ نے مجھے بچپن ہی سے متواضع اور خاکسار بنایا ہے۔ مخلوقِ خدا کے لیے میں طبعی طور پر شفقت، رحمت، رأفت اور رقت کے جذبات رکھتا ہوں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے:

لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ. ❸

---

❶ [بیهقی فی شعب الایمان، ح: ١٠٠٥٤]

❷ [متفق علیه، بخاری: ٦٤٦٠۔ مسلم: ١٢٦/ ١٠٥٥]

❸ [متفق علیه، بخاری: ٧٣٧٦، مسلم: ٦٦/ ٢٣١٩]

''جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا خدا اس پر رحم نہیں فرمائے گا۔''

اور فرمایا کہ

اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ . ❶

''کرو مہربانی تم اہل زمیں پر، خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر۔''

اور مجھے یہ حدیث مسلسل پہنچی ہے۔ اور حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِي عَلٰى مَا سِوَاهُ . ❷

''اللہ تعالیٰ نرم ہے، نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ نرمی پر اس چیز سے نوازتا ہے جس سے سختی یا کسی اور چیز پر نہیں نوازتا۔''

میں ہمیشہ سے اپنی فطرت میں ہیّن، لیّن اور سہل قریب ہوں۔ جدل وغضب، کبر و حقد اور حسد وحرص وغیرہ اخلاقِ ذمیمہ سے بالطبع متنفر رہتا ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے مارا ہو، یا کسی کو گالی دی ہو، یا کسی کو اس کے منہ پر سخت سست کہا ہو، یا اعداء سے انتقام لینے کا قصد کیا ہو۔ بلکہ ہمیشہ اپنے لیے تحمل وصبر و بے چارگی، خاموشی و عاجزی اور فروتنی کو پسند کیا ہے۔ اور دوسروں سے بھی اخلاقِ حسنہ کا خواہش مند رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے غضب وغرور، کبر باطن اور ظلم صریح سے بچایا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو ہمیشہ مظلوم ومجبور ہی پایا ہے۔ وللہ الحمد!

مجھ پر اگر کوئی شخص غصہ یا ظلم کرتا ہے تو مجھے حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث یاد آجاتی ہے، جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ . ❸

''بہادر پچھاڑ دینے والا نہیں ہے، بلکہ بہادر تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھ سکے۔''

اسی طرح ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ [ابوداؤد: ٤٩٤١ وترمذی: ١٩٢٤] ❷ [مسلم: ٧٧/ ٢٥٩٣]

❸ [متفق علیہ، بخاری: ٦١١٤۔ مسلم: ١٠٧/ ٢٦٠٩]

لَا تَغْضَبْ ''غصے میں نہ آیا کرو۔''

اس نے بار بار استفسار کیا۔ آپ ﷺ ہر بار یہی فرماتے رہے۔ [1]

حضرت شیخ سعدی نے بوستان میں لکھا ہے۔

زخاک آفریدت خداوند پاک!
پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک
حریص و جہاں سوز و سرکش مباش
زخاک آفریدندت آتش مباش
چو گردن کشید آتشِ ہولناک
بہ بیچارگی تن بینداخت خاک
چو ایں سرفرازی نمود آں کمی
ازیں دیو کردند وزاں آدمی

میں اپنے شہر کی جامع مسجد میں بچپن ہی سے امام وخطیب اور واعظ تھا اور یہ اُجرت وخدمت کے بغیر صرف آبائی جاہ وعزت کے لیے تھا۔ جب طلب رزق میں بھوپال آیا تو یہاں بھی گاہے گاہے بعض مساجد میں وعظ کہا کرتا تھا۔ لیکن پھر زمانہ کی حالت دیکھ کر ترک کر دیا۔ لیکن حضر ہو یا سفر، وطن ہو یا غربت کبھی بھی علم، نسب یا وعظ کو ضیافت طعام یا اخذ حطام ونذر کے لیے وسیلہ نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آلودگی سے مجھے ہمیشہ بچا کر رکھا، وللہ الحمد!

اسبابِ فسق سے روٹی کما کر کھانا اس سے بہتر ہے کہ آدمی دین کو حصولِ دنیا کے لیے جال بنائے یا علم دین کو تحصیل معاش یا سوال وقرض کے لیے وسیلہ ٹھہرائے۔ ایسے لوگ عام طور پر علم دین کی برکات سے دنیا وآخرت میں محروم ہوتے ہیں۔

استعانت باللہ

جب بھی کوئی فکر، خوف، حزن یا اندوہ دامن گیر ہوا تو میں نے کسی شخص کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا اور نہ کبھی کسی سے امداد یا اعانت طلب کی بلکہ اپنے ہی جی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا وتضرع

---

[1] [رواہ البخاری: ٦١١٦]

کی اور توبہ واستغفار بجالایا اور اپنے کام کو اس کے علم وارادہ پر چھوڑ دیا۔ اور اس سے ہمیشہ خیر ونجات کی توقع رکھی۔

کارِ خود را بخدا باز گزار
کت نمی بینم ازیں بہتر کار

اس طرح اللہ تعالی نے میری ہر مشکل آسان کر دی اور مجھے ہر خوف ودہشت سے بچالیا اور مجھے کسی کا منت کش نہ ہونا پڑا۔ علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

مِنْ اَعْوَنِ شَیْءٍ عَلٰی قَضَآءِ الْحَوَائِجِ مِنْ طَرِیْقِ الْخَلْقِ اِنْزَالُ الْحَاجَةِ بِمَنْ بَصَرُہٗ مَقْصُوْرٌ عَلَی الدُّنْیَا مِنَ الْعِبَادِ وَالْاُمَرَآءِ وَغَیْرِھِمْ لِاَنَّهٗ مَحْجُوْبٌ عَنْ اَحْوَالِ الْآخِرَةِ.

''مخلوق کے ذریعے حاجات پوری کرانے کا ایک آسان ترین راستہ یہ ہے کہ انھیں ایسے شخص کے سامنے پیش کر دیا جائے جس کی نگاہیں صرف دنیا پر لگی ہوئی ہیں خواہ وہ کوئی عام شخص ہو یا حاکم وغیرہ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت کے احوال سے بالکل حجاب میں ہوتے ہیں۔''

اہل باطن کا تجربہ ہے کہ جو شخص مخلوق کے مطلع ہونے سے قبل اپنی مصیبت کا اظہار اپنے خالق کے سامنے کرتا ہے۔ وہ بلا جلد دور ہو جاتی ہے۔ مجھے بھی اس کا تجربہ ہوا ہے۔ حدیث ابن عباس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ. [1]

''جب سوال کرو تو اللہ سے اور جب مدد مانگو تو اللہ سے۔''

اور یہی معنی ہیں اس آیت شریفہ کے:

﴿ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ [2]

''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔''

عام لوگوں کا دستور یہ ہے کہ کسی ضرورت یا مصیبت کے وقت ہر حشیش وخسیس اور نفیس سے ملتجی ہوتے ہیں۔ خواہ دین ودنیا کی آبرو سلامت رہے یا دست برد ذلت ہو جائے۔ لیکن مجھ پر جب کبھی غم والم اور تفکر کا ہجوم ہوتا ہے تو اپنے آپ کو سب تدابیر میں عاجز پا کر، اللہ ہی سے فریاد رسی کرتا ہوں۔ نہ

---

[1] [احمد: ۱/ ۳۰۷ وترمذی: ۲۵۱٦] [2] [الفاتحة: ٤]

کسی سے زیادہ اظہار شکوہ وشکایت کرتا ہوں اور نہ کسی سے حفاظت وحمایت چاہتا ہوں۔ بلکہ اپنی تقدیر پر رضا مندر ہتا ہوں۔یعنی حتی الامکان! ورنہ رضا بالقضا ہم جیسے کم ہمتوں کا کام نہیں۔ یہ مقام تو صد یقین کا ہے لیکن بحکم

برمن منگر بر کرم خویش نگر

اللہ تعالیٰ مجھ جیسے نالائق عاصی عاجز کو ذلیل نہیں کرتا۔ ہر بلاو ابتلاء سے محفوظ فرمادیتا ہے۔ وللہ الحمد والمنة

فقر وغنا

اگر چہ میں فقر سے ڈرتا ہوں خصوصاً اس اعتبار سے کہ فقر اکثر زوالِ دین کا موجب اور بالیقین باعث سوال وذلت ہوتا ہے۔لیکن میرے دل میں دنیا کی محبت اتنی نہیں جتنی کہ اہل دنیا کو ہوتی ہے۔ بچپن سے آج تک کبھی کسی لذیذ طعام ،نفیس لباس یا عمدہ سواری وغیرہ کا شوق نہیں ہوا۔ جو ملا وہ کھالیا، جو ہاتھ آیا وہ پہن لیا۔ وللہ الحمد!

کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ باطنی اعتبار سے دنیا سموم ِ قاتلہ ،اباطیل مفتعلہ ،خداعِ کثیر ،مصائد ومکائد بسیار پر مشتمل ہے اور لوگ اس کی وجہ سے ایک دوسرے سے بغض رکھتے ہیں ،حسد کرتے ہیں ، دشمنی ،قطع تعلقی اور انقباض کرتے ہیں۔ دنیا کی خاطر خواہ مقدار مکر و زور اور فریب و دروغ کے بغیر ہاتھ نہیں آتی ،اور یہ سب امورِ دین کی جڑ کاٹ دیتے ہیں۔ اس لیے مقدر پر شاکر اور مقدار میسر پر قانع رہنا خیر و برکت کی علامت ہے۔

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ [1]

ہاں اسراف وتبذیر کو بہت برا جانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مبذرین کو قرآنِ پاک میں اخوان الشیاطین فرمایا ہے اور اسراف سے منع فرمایا ہے، میانہ روی کا حکم دیا ہے۔ جو شخص اس قاعدہ کا خیال نہیں رکھتا، وہ دنیا وآخرت میں نقصان اٹھاتا ہے۔ جاہل لوگ اسراف کو جود وسخا سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی غلط فہمی اور شریعت سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ جب کسی کی قسمت میں رزق کی فراوانی ہو تو غیب سے اس

[1] [القصص:۸۳]

کے سامان جمع ہو جاتے ہیں۔ انسان کتنا ہی کیوں نہ بھاگے، وہ دولت اسے مل کر رہتی ہے۔ اور اگر تقدیر میں تنگی عیش ہو تو خواہ آسمان وزمین کے سارے طبقے ملا ڈالے، ایک درہم ہاتھ نہیں آتا۔ انسان کو چاہیے کہ اپنی چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلائے، اور سنن صحیحہ کے بموجب ہمیشہ اوّل خویش بعدہٗ درویش'' اپنا نصب العین بنائے رکھے۔

بے حکم شرع آب خوردن خطا ست!
وگر خوں بفتوی بریزی روا ست

میں اگر صاحب اہل وعیال نہ ہوتا، یا میرے اہل وعیال تدبیر منزل اور تحصیل رزق میں میرے محتاج نہ ہوتے تو میں اپنے آپ کو بالکل زاہد وقانع پاتا ہوں۔ تاہم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث مرفوع خاطر شکستہ کے لیے باعث تسلی ہے۔

اَلزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ وَلَا إِضَاعَةِ الْمَالِ وَلٰكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَّا تَكُوْنَ بِمَا فِيْ يَدَيْكَ أَوْثَقَ مِمَّا فِيْ يَدَيِ اللّٰهِ. الحديث [1]

''دنیا میں زہد، حلال کو حرام قرار دینا یا مال کو ضائع کرنا نہیں ہے بلکہ دنیا میں زہد تو یہ ہے کہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھوں میں ہے اس چیز کی بہ نسبت جو خدا کے ہاتھ میں ہے، زیادہ اعتماد نہ کرو۔''

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ. '' [2]

''مومن کا معاملہ تعجب انگیز ہے کہ اس کے تمام امور اس کے حق میں بہتر ہیں اور یہ صرف مومن ہی کی امتیازی شان ہے۔ اگر اسے مسرت نصیب ہو تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو صبر کا مظاہرہ کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے۔''

مجھ پر یہ دونوں حالتیں گزر چکی ہیں۔ پہلی حالت ''ضراء'' کی تھی اب ''سراء'' کی ہے۔ الحمد للہ کہ پہلی حالت میں شاکی نہیں بلکہ صابر تھا۔ اب جاحد (منکر، ناشکرا) نہیں بلکہ شاکر ہوں۔

---

[1] [الترمذی: ۲۳۴۰ وابن ماجه: ۴۱۰۰]

[2] [مسلم: ۶۴/ ۲۹۹۹]

کسب معاش

جب میں معاش کی تلاش میں گھر سے نکل کر بھوپال آیا تو بالکل بے وسیلہ تھا میں نے ملازمت کے ارادہ کے اظہار کے لیے مدار المہام کو ایک رقعہ لکھا تھا اور پھر کرایہ کے مکان میں مقیم ہو گیا۔ مدار المہام نے رئیسہ مرحومہ سے میری سفارش کی تو انھوں نے مجھے اپنے محکمہ آستانہ خاص میں ملازم رکھ لیا، امیدداری اور درباداری کے لیے کچھ زیادہ کش مکش کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

۱۳۔ رجب ۱۲۷۱ھ کو یہاں آیا تھا اور اسی سال رمضان المبارک میں ملازم ہو گیا۔ اور ۱۲۷۲ھ کے آخر تک ملازم رہا۔ پھر ۱۸۔ محرم ۱۲۷۳ھ کو بعض اشخاص کی کوششوں سے برطرف ہو کر وطن روانہ ہو گیا۔ اور اسی اثنا میں ۱۲ شوال کو کانپور وغیرہ میں غدر افواج ہو گیا تھا۔ میں اپنے غریب خانہ میں جا کر گوشہ نشین ہو گیا۔ ۱۰۔ ذیقعدہ ۱۲۷۴ھ کو مرزاپور گیا تھا۔ وہاں سے رئیسہ مرحومہ کے طلب کرنے پر ۳۔ محرم ۱۲۷۴ھ کو روانہ ہو کر ۲۴۔ صفر کو عین موسم برسات میں آیا۔ اس مرتبہ کسی کی وساطت سے ملاقات میسر نہ آسکی۔ ۱۹۔ ربیع الاوّل کو ٹونک کی طرف روانہ ہو گیا۔ ۱۱۔ ربیع الآخر کو وہاں پہنچا۔ رئیس ٹونک وزیر الدولہ مرحوم نے والد مرحوم کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے نہایت اصرار کے ساتھ مجھے اپنے ہاں ملازم رکھ لیا۔ وہاں مجھے آٹھ ماہ تک قیام کا اتفاق رہا۔ اس عرصہ میں پھر رئیسہ بھوپال نے مجھے طلب فرمایا۔ ۲۰۔ ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ کو چل کر ماہِ محرم ۱۲۷۶ھ کو وارد بھوپال ہوا۔ اور اسی سال صفر میں پھر ملازم ہو گیا اور نواب سکندر بیگم رئیسہ مرحوم کی وفات تک نہایت عزت و حرمت کے ساتھ ملازم رہا۔ اپنے زمانہ ملازمت میں گھر اور مکان کچہری ہی سے واسطہ رکھا۔ اور اخوان وارکان واہل کارانِ ریاست میں سے کسی شخص سے کوئی رابطہ نہ رکھا۔ بندہ جب اپنے رب پر صحیح توکل کرتا ہے تو وہ غیب سے جمعیت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ اور اپنے بندے کو خوار و زار نہیں کرتا اور نہ دربدر کی ٹھوکریں کھانے دیتا ہے۔ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ارشاد ہے:

إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوعِي أَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا أَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَإِنَّهُ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ إِلَّا بِطَاعَتِهِ. [1]

---

[1] [شرح السنه: ١٤/ ٣٠٤]

''روح القدس نے میرے دل میں اس بات کو ڈالا ہے کہ کوئی شخص اپنا رزق مکمل طور پر حاصل کیے بغیر فوت نہیں ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور احسن انداز میں رزق طلب کرو، رزق کی تاخیر تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم اللہ کی نافرمانی کی راہوں سے رزق طلب کرنے لگو، کیوں کہ اللہ کے رزق کو اس کی طاعت ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔''

الحمد للہ! میں نے کبھی رزق کو معصیت کے وسیلہ سے طلب نہیں کیا۔ اور نہ معاش واموال کی تحصیل کے لیے کوئی لمبی چوڑی دوڑ دھوپ ہی کی بلکہ طلب رزق میں ہمیشہ ''اجمال'' ہی کو اپنے لیے پسند کیا ہے۔ شاید اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رزق کی بارش کردی ہے۔

لَا غِنٰی لِیْ عَنْ بَرَکَتِکَ . ''تیری برکت سے میں بے پروا نہیں ہو سکتا۔''

میں نے بھوپال کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ ایک محمدی نامی نواڑ باف جو کہ عطاری کا پیشہ کرتا تھا اور والد مرحوم کا مرید تھا۔ وہ میرے اس طرف کے سفر کا محرک ہوا، وہی میرے ہمراہ آیا۔ چوں کہ میرا رزق اسی جگہ مقدر تھا۔ لہٰذا اسی جگہ قیام ہوگیا۔ حدیث ابودرداء رضی اللہ عنہ میں مرفوعاً آیا ہے:

اِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ اَجَلُهُ . ❶

''رزق بندے کو ایسے ہی تلاش کرتا ہے جیسے موت۔''

ملازمت کے پندرہ سال

میں نے اس ریاست میں رمضان ۱۲۷۱ھ سے لے کر ۱۲۸۵ھ کے اواخر تک مکمل پندرہ سال رئیسہ مرحومہ کی ملازمت کی۔ اگرچہ وہ مرحومہ نہایت تیز مزاج درشت خو، بے مروت اور سخت گو تھیں۔ لیکن انھوں نے مجھ پر کبھی کوئی سختی، درشتی یا جرمانہ وغیرہ نہیں کیا۔ میں بھی اوقاتِ حاضری اور خدمت کی بجا آوری کی نہایت پابندی کیا کرتا تھا اور ان کے غصہ سے خائف رہتا تھا۔ پہلے انھوں نے مجھے آستانہ خاص کا منشی مقرر کیا تھا۔ چھ ماہ بعد قائم مقام میر منشی ریاست کر دیا، پھر مجھ سے بھوپال کی تاریخ نگاری اور پھر قانونِ ریاست کی ترتیب کا کام لیتی رہیں۔ تعظیم کے لیے سر دربار سروقد کھڑی ہو جایا کرتی تھی۔ اور ملاقات کے وقت سلام کی ابتدا خود کیا کرتی تھیں۔ جس زمانہ میں قنوج سے ہو کر واپس آئیں اور اس اثناء میں انہیں میرے خاندان کے حالات، مراتب اور احترام واعزاز سے کچھ واقفیت

❶ [رواه ابو نعيم في الحلية: ٦/ ٨٦]

حاصل ہوئی تو انھوں نے مراعات میں بہت کچھ اضافہ فرمادیا۔ سفر آگرہ کے وقت جب ان کا گزر قنوج سے ہوا تو بندہ نے انھیں ضیافت قبول فرمانے کی زحمت دی، طعام تو انھوں نے قیام گاہ پر طلب کر کے تناول فرمایا، البتہ میرے گھر آ کر والدہ محترمہ اور ہمشیرگان کی خدمت میں درہم و دینار پیش فرمائے، اور وفات تک کمال عزت و محبت سے پیش آتی رہیں۔

ومن شر حاسد اذا حسد

میں اس شہر میں چونتیس برس سے سکونت پذیر ہوں۔ جب تک اس ظاہری اوج موج پر فائز نہ تھا۔ جسے اکالین بطالین دنیوی عروج سمجھتے ہیں۔ لیکن میں اسے دینی زوال سے تعبیر کرتا ہوں۔ اکثر لوگ میرے ساتھ کوئی حسد یا دشمنی نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے کہ انھیں کوئی امتیازی وصف مجھ میں نظر نہ آتا تھا۔ لیکن اب جب کہ اٹھارہ سال سے مجھے اپنے اقران و اماثل پر ایک طرح کی فضیلت حاصل ہے۔ اندرونی طور پر بازارِ حسد گرم ہو گیا ہے، چوں کہ حاسدوں کی سب سرگرمیاں خفیہ تھیں۔ اس لیے مجھے ان کے حسد و بغض سے لاعلمی رہی۔ کیوں کہ میں کسی شخص کا حق تلف کر کے اس مرتبہ و منصب پر نہ پہنچا تھا۔ اور نہ میری گزران کسی کے ساتھ حسد و عداوت یا نفرت پر مبنی تھی۔ اس لیے میں کسی کی طرف سے دشمنی کا خیال تک نہ کر سکتا تھا۔ میں تو ہمیشہ سے بے پروا، غافل مزاج تھا، غفلت میں رہا، اور سب کے ساتھ مدارات و مواسات کرتا رہا۔ اور یہ لوگ در پردہ میری خرابی کے لیے تدابیر کرتے رہے۔ اکثر لوگ دین و دنیا کے بارے میں مجھ پر حاسد تھے۔ لیکن جب انھیں دست اندازی کا کوئی موقع ہاتھ نہ آیا۔ بجز خفیہ سوچوں کے تو انھوں نے کبھی زہر دینے کی کوشش کی، کبھی مجھے غفلت میں قتل کر دینے کی سازش کی، کبھی جادوگروں اور اہل عزائم سے استمداد کی۔ لیکن ان کا کوئی حیلہ کارگر ثابت نہ ہوا، اللہ نے مجھے ہر بلا سے محفوظ رکھا، جب ان کی سب تدابیر ناکام ہو گئیں اور انھیں قطعاً کامیابی نہ ہوئی تو انھوں نے تہمت مذہبی اور بدنظمی ملک کا ہنگامہ برپا کر کے مجھے علیحدہ کرنے اور خود رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی اور سب لوگوں نے متفق ہو کر جھوٹی مخبری سے کام لیا۔ چناں چہ میں بحمد اللہ جملہ کاروبارِ ریاست سے بالکل جدا ہو گیا۔ لیکن پھر بھی ان کا مدعا ان کے ہاتھ نہ آیا۔ جب اس امر میں بھی انھیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے میرے اندرونِ خانہ کے امور کے بارے میں افترا پردازیاں اور طوفان باندھنے شروع کر دیئے۔ لیکن انھیں ثابت کرنے سے عاجز و قاصر رہے۔ انھوں نے ملک ۔۔

قریہ قریہ اور شہر شہر میں پریس کے اخبارات کے ذریعے ان اباطیل اور خرافات کی اشاعت کی پوری پوری کوشش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی بدنیتی کا ثمرہ یہ دیا کہ ان ہزارہا کوششوں کے باوجود وہ اپنا مدعا حاصل نہ کر سکے۔ اس پانچ سال کے عرصہ میں میں ان لوگوں کے مخفی ارادوں پر اچھی طرح مطلع ہو گیا۔ جن لوگوں کی میرے پاس آمد ورفت تھی ان کو تو میں بخوبی پہچانتا تھا، اوران کی ریاکاری اور کمینگی سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس کے باوصف دیدہ ودانستہ ان کے مغالطات، فریب دہی اور بازی گری کو قبول کرلیا کرتا تھا۔ اور غالباً وہ مجھے غافل سمجھتے ہوں گے۔ لیکن میں اپنی سرشت سے مجبور تھا۔ مجھے بدخلقی کی عادت ہے نہ دشنام طرازی وسخت گیری کی۔ میں عمداً اہل عداوت سے باخلاقِ تمام پیش آتا ہوں۔ یہ بات نہیں کہ میں سادہ لوح اور مردم شناسی کی صلاحیت سے عاری ہوں۔ بلکہ بمقتضائے وقت تجاہل عارفانہ سے کام لیتا ہوں۔ اگر اتفاقاً کسی سے دھوکا کھالیا ہو تو بھی کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لیے کہ ہر شخص کے متعلق صحیح قیافہ اور اندازہ لگانا مشکل ہے۔ خصوصاً جس شخص سے کوئی زیادہ کام نہ پڑتا ہو، محض دور کی صاحب سلامت ہو، اس سے ہر شخص خواہ کیسا ہی عاقل کامل کیوں نہ ہو۔ ضرور دامِ غفلت میں پھنس جاتا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے:

اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيمٌ وَالْمُنَافِقُ خِبٌّ لَئِيمٌ . [1]

”مومن فریب کھا جانے والا معزز ہے، اور منافق فریب کار کمینہ ہے۔“

بندۂ مومن کو بڑا دھوکا اس شخص سے ہوتا ہے جو علم یا دینداری کا لبادہ اوڑھ کر دھوکا دیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد سعادت مہد میں منافقین بے حساب تھے۔ قرآنِ مجید دیکھو نفاق واہل نفاق کا کس کثرت سے ذکر ہے۔ پھر ہم اس دور پر شور کا کیا شکوہ کریں؟ اب تو ایک شخص بھی قولاً یا عملاً قلۃً یا کثرۃً خصالِ نفاق سے خالی نظر نہیں آتا۔

مژدہ　در　جہاں　نمی　بینم!
دہر　گوئی　دہانِ　بیمار　ست!

عداوت کا جوش وخروش جیسے دوسروں کا میرے ساتھ ہے میرا کسی کے ساتھ نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت نہ ہوتی تو میں مدت سے لقمۂ اجل ہو چکا ہوتا۔ لیکن

---

[1] [ابوداؤد: ٤٧٩٠، ترمذی: ١٩٦٤، مسند احمد: ٢/ ٣٩٤، مستدرك حاكم: ١/ ٤٣]

﴿ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ﴾ ❶

ابتلاء کے بعد

ہر چند کہ اس زلزلہ عظیم میں جان و مال اور آبرو کے اعتبار سے متواتر صدمات پہنچے مگر ایمان تزلزل سے محفوظ رہا۔ بڑا بلوہ کتب دیں کی تالیف کے سلسلہ میں تھا۔ بحمد اللہ اسی سابقہ حالت کے مطابق بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس شغل میں مشغول ہوں۔ کیوں کہ جب میں کام کرتا تھا اس وقت ایک ثلث یا اس سے بھی زیادہ وقت اشغالِ دنیا میں صرف ہوتا تھا۔ اب جب سے فارغ ہوں، اللہ تعالیٰ نے ضائع ہونے والے اوقات کا نعم البدل عطا فرمایا ہے اور ﴿ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴾ [المزمل: ۸] کا مضمون سمجھا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے داعی ہوں کہ میری عمر کے آخر کو عمر کا بہترین حصہ کردے اور حفظ ایمان کے ساتھ اس جہان ناپائیدار سے دار القرار کی طرف لے جائے۔

ایماں چو سلامت بلب گور بریم!
احسنت بریں چستی و چالاکی ما!

بیوقوف لوگ خیال کرتے ہیں کہ دنیا میں ان عوارض کی وجہ سے مجھے ایک طرح کی خفت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن یہ بات نہیں کیوں کہ میں نے خانہ نشینی و گوشہ گزینی کے سوا ایک قلم سب سے راہ ورسم حیات و ممات ترک کردی ہے اور اس حادثہ میں اللہ کے سوا مجھے کسی سے توقع نہیں اور نہ ہی کسی سے التجا و دستگیری ظاہر کی، پھر خفت کیسی؟ ورنہ بڑے بڑے عالی حوصلہ ایسے وقت میں ہر خسیس و خشیش سے تعلق استوار کرنے لگتے ہیں اور متزلزل ہو کر غیر اللہ سے استعانت و استمداد کرنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے سوال، التجا اور استمداد وغیرہ کی ذلت سے بالکل محفوظ رکھا ہے۔ یہاں تک کہ اب وہی لوگ پھر منافقانہ طور پر میری طرف التجا لاتے ہیں اور جب میں انھیں اپنے پاس آنے نہیں دیتا کیوں کہ

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَّرَّتَيْنِ . ❷

''مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔''

تو ادنی سے ادنی شاگرد یا خادم کی خوشامد درآمد کر کے مجھ تک اپنی منفعت کے لیے پیغام و سلامِ خیر سگالی و بہی خواہی بھیجتے ہیں۔ اور میں ان کی آواز پر کان نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود وہ میرے سامنے

---

❶ [آل عمران: ۱٤٥] ❷ [بخاری: ٦١٣٣۔ مسلم: ٦٣/ ٢٩٩٨]

آنے سے اپنی ذلت ورسوائی محسوس نہیں کرتے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتے کہ

''فریادِ شغال و بالِ شغال ست''

اور اگر خدانخواستہ کام سے علیحدگی اور خطاب کا انتزاع، جو محض ایک امر اضافی تھا نہ کہ وصف ذاتی اور نہ باعث فخر، ان بندگانِ شکم اور خدامِ دینار ودرہم کے نزدیک میرے لیے باعث ذلت ہے تو اس کے جواب میں صرف کسی عالم عاقل کا یہ فقرہ کافی سمجھتا ہوں ؏

ذَلِيْلُ الدُّنْيَا خَيْرٌ مِنْ ذَلِيْلِ الْآخِرَةِ!

اور

گر کارِ تو نیک ست بتدبیرِ تو نیست!
ور نیز بدست ہم زتقصیرِ تو نیست!
تسلیم و رضا پیشہ کن و شاد بزی!
چوں نیک و بد جہاں بتقدیرِ تو نیست!

ہمارے اسلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ ائمہ اہل بیت، ائمہ اربعہ مجتہدین اور اولیاء واکابرین دین کی ایک جماعت پر کیا کچھ آفات ومذلات نہیں آئے۔ کوئی قتل ہوا کسی کو زہر ہلاہل پلایا گیا۔ کوئی حبس دوام میں مر گیا، کسی کو شہر سے نکالا گیا۔ کسی کا چمڑا بدن سے جدا کر دیا گیا۔ کسی کو دار پر کھینچا گیا۔ کسی کو کسی فریب سے مارا اور کسی کو صریح ظلم سے قتل کیا گیا۔ ❶

پھر ہماری کیا ہستی ہے کہ ہم شغل منحوس کے فراق اور لفظ مخترع کے سقوط کو کوئی آفت وبلا سمجھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان بہت زیادہ ہے کہ ہم تو آتش کے لائق تھے۔ لیکن اس نے ہم سے راکھ پر صلح کر لی اور سچ پوچھو تو یہ خفت آفت ہمارے ضعف ایمان اور قلب ایقان کی وجہ سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارا مرتبہ بلند ہوتا تو کبھی اس حالت کذائی کو ہمارے لیے کافی نہ سمجھا جاتا۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ

''مومن دین میں مضبوطی اور کمزوری کے مطابق آزمایا جاتا ہے، اگر مضبوط ہو تو آزمائش شدید اور کمزور ہو تو آزمائش خفیف ہوتی ہے۔''

---

❶ آہ! سچ ہے۔ کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو! کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

یہ تو اللہ کا شکر بجالانے کا مقام ہے کہ اس نے اس کثرتِ معاصی کے باوجود مجھے کوئی سخت سزا نہیں دی۔ ہجومِ ذنوب کے باوصف پردہ پوشی کی اور ہمیں اعدائے نافرجام کے طعن وملامت کے تیروں کا ہدف نہ بنایا بلکہ اس حیص بیص کے ساتھ اس عزت وآبرو سے اب تک اپنے ظلِ حمایت میں امن وامان کے ساتھ چھوڑ رکھا ہے۔ وللہ الحمد!

علاماتِ عالم ربانی

اقامت بھوپال کے زمانہ میں میں نے کتب صحاح وسنن پر کافی عبور حاصل کرلیا تھا۔ اور زرِ کثیر صرف کرنے کے بعد فقہ سنت اور تفسیر کی بہت سی کتابیں حجاز، یمن بصرہ اور دیگر ممالک سے منگوا کر جمع کر لی تھیں۔ اسی جگہ مولوی عبدالقیوم فرزند مولوی عبدالحی مرحوم سے بھی ملاقات ہوئی، اُن کے باپ اور میرے باپ ایک ہی شیخ یعنی سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ انھی کے والد مرحوم مولوی عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ صاحب سب سے پہلے ہندوستان میں علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''الدرر البہیہ مع فوائد مجموعہ'' سفر حج سے لائے تھے۔ اور انھوں نے امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ سے بذریعہ تحریر علومِ شرعیہ کی سند اور اجازتِ روایت بھی حاصل کی تھی۔ یہ بات مولوی عبداللہ خاں علوی رحمۃ اللہ علیہ شاگرد مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور استاد مولوی امام بخش صہبائی نے اپنے رسالہ ''المنہج الاسد یدفی ردّ التقلید'' میں چشم دید لکھی ہے۔ میرے والد مرحوم نے مولوی عبدالحی مرحوم کے نسخہ سے ''درر بہیہ'' کو نقل فرمایا تھا۔ وللہ الحمد!

مولوی عبدالقیوم رحمۃ اللہ علیہ، مولوی اسحاق مہاجر مکہ معظمہ کے داماد تھے۔ کتب حدیث اور ترجمہ موضح القرآن وغیرہ پڑھتے پڑھاتے رہے۔ اور اپنے بزرگوں کے طریقہ پر قائم رہے۔ ۱۲۹۹ھ میں ان کا وطن جا کر انتقال ہوگیا تھا۔ (رحمۃ اللہ علیہ)

میں نے انھیں خواب میں دیکھا تو انجامِ حال کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے مجھ سے کہا:

''ویسا حال نہیں دیکھا جیسا ہم سنتے تھے۔''

میں سلوک سبیل علم میں اپنے باپ، ان کے مشائخ اور اپنے شیوخِ علم کے طریقہ پر چل رہا ہوں۔ ''قولِ جمیل'' میں عالم ربانی کے منجملہ آداب وعلامات میں سے یہ بھی لکھا ہے کہ علم تفسیر، حدیث، فقہ سنت وسلوک یعنی تصوف سنی، عقائد اور صرف ونحو کا درس دے اور کلام واصول اور منطق وغیرہ میں مشغول نہ ہو۔ مولانا عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس جگہ اصول کا کلام پر عطف تفسیری ہے۔ اس لیے کہ کلام کو اصول بھی کہتے ہیں۔ یہاں اصولِ فقہ یا اصولِ حدیث مراد نہیں۔

دوسری علامت یہ ہے کہ تلقین اشغال کرے، ایک وقت بیٹھ کر لوگوں پر توجہ دے، القاء سکینہ کرے کیوں کہ اتمام حجت الٰہی استطاعت ممکنہ ومیسرہ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ میسرہ میں صحبت رکھنا اور اشغال پر قولاً وفعلاً وتصرفاً بالقلب ابھارنا داخل ہے۔

تیسری علامت یہ ہے کہ وعظ ونصیحت سے ان کی خبر گیری کیا کرے۔

چوتھی علامت یہ ہے کہ آدابِ وضو ونماز وغیرہ کے متعلق امر ونہی کرے اور

پانچویں علامت یہ ہے کہ فقراء اور طلبہ علم کی بقدرِ امکان مواسات وغم خواری کرے۔ اگر اپنے مقدور میں نہ ہو تو کم از کم دوسروں کی اس طرف ضرور توجہ مبذول کرائے۔

ایسا شخص ہی وارث انبیاء ہوتا ہے۔ اسی کو ملکوت میں عظیم کہتے ہیں، اسی کے لیے مچھلیاں پانی میں دعا کرتی ہیں۔

فَلَازِمْهُ فَلَا يَفُوْتَنَّكَ فَإِنَّهُ الْكِبْرِيْتُ الْاَحْمَرُ .

جو شخص ان امور میں سے کسی میں کسی قسم کی کوتاہی کرے گا۔ اس کے اندر گویا ایک طرح کا رخنہ ہوگا جب تک کہ وہ اس کو بند نہ کردے۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ میرے سب مشائخ علم دین اسی طریقہ پر گزرے ہیں۔ مجھ سے اگرچہ ان جملہ امور کا امتثال بخوبی نہیں ہوا اور نہ ہو رہا ہے۔ لیکن حتی المقدور ان علامات کی مراعات ضرور پیش نظر رہتی ہے۔

اُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقَنِيْ صَلَاحًا

شادی خانہ آبادی

میں نے سنت نکاح بھوپال ہی میں ادا کی۔ مدار المہام مرحوم کو موحد، خوش عقیدہ، شاگرد مولانا محمد اسحاق صاحب اور معتقد خاندانِ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ پایا تو ان کی بیوہ دختر کلاں سے نکاح کرلیا اور یہ نکاح رسم ورواہِ بدعت اور کسی قسم کے ارتکاب منکرات کے بغیر بالکل سنت صحیحہ کے موافق انجام پایا تھا۔ انھوں نے مہر مثل پانچ ہزار روپیہ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا تھا مگر میں نے یہ عذر کیا کہ میں کم مشاہرہ کا ملازم ہوں، لہٰذا اپنی استطاعت کے مطابق مہر مقرر کروں گا۔ چناں چہ پھر مہر فاطمی پر اقتصار کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں نمایاں برکت بخشی اور اولادِ صالح عطا کی۔

یہ نکاح ریاست کے اہالی وموالی اور اعالی وادانی کی موجودگی میں ۲۵۔ شعبان ۱۲۷۷ھ کو منعقد

ہوا تھا۔ مولانا عبدالقیوم مرحوم نے مسجد ماجی میں خطبہ نکاح پڑھا تھا۔ مدار المہام مرحوم نے نکاحِ ایامی کے فضائل بیان فرمائے اور خود متکفل نکاح ہوئے، اس بیوی نے اپنے والد ماجد کے ہمراہ حج بھی ادا کیا ہوا تھا، ان کے بطن سے دو پسر اور دو دختر متولد ہوئے، جن کے نام نور الحسن، علی حسن، صفیہ، اور حفصہ ہیں۔ دختر خورد کا ایامِ رضاعت میں انتقال ہو گیا تھا۔ باقی تین فرزند بقید حیات ہیں، عافاہم اللہ تعالیٰ۔

نور الحسن کی ولادت بروز چہار شنبہ ۲۱۔ رجب ۱۲۷۸ھ کو صبح صادق کے وقت ہوئی، صفیہ کی ولادت ۲۷۔ ربیع الاوّل ۱۲۸۰ھ کو نصف شب کے وقت ہوئی، علی حسن کی ولادت ۴۔ ربیع الآخر ۱۲۸۳ھ بروز دوشنبہ نصف شب کے وقت ہوئی، اور حفصہ ۲۴۔ ذی الحجہ ۱۲۸۴ھ کو جمعہ کے دن بعد از نمازِ جمعہ پیدا ہوئی۔ یہ لڑکی نہایت حسین وجمیل تھی۔ ۲۸ دن زندہ رہ کر ۲۱۔ محرم بروز چار شنبہ بوقت عصر جوارِ رحمت الٰہی میں چلی گئی، غفر اللہ لہا۔

گر نہ قضا بود کہ باہم رویم
میر سد آں وقت کہ ماہم رویم

جس دن سے علی حسن کی ولادت ہوئی، اسی دن سے مجھ پر بسط رزق کا دروازہ کھل گیا۔ وللہ الحمد!

زکیہ مادرِ اطفال کا نسب صدیقی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قریشی تھے۔ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُ نِسَآءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ صَالِحُ نِسَآءَ قُرَيْشٍ اَحْنَاهُ عَلٰى وَلَدٍ فِيْ صِغَرِهٖ وَاَرْعَاهُ عَلٰى زَوْجٍ فِيْ ذَاتِ يَدِهٖ .[1]

”بہترین عورتیں جو اونٹ پر سوار ہوئی ہوں، قریش کی نیک عورتیں ہیں، بچپن میں اپنے بچوں کی نہایت شفقت سے تربیت کرتی ہیں، اور خاوند کے مال کی بہت حفاظت کرتی ہیں۔“

یہ بی بی نہایت موحدہ، خوش عقیدہ، سخی مزاج، نرم دل، پابند صلوٰۃ وصوم وتلاوتِ قرآن اور دیندار و نیکوکار تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت ہے:

---

[1] [متفق علیہ، بخاری: ۵۰۸۲۔ مسلم: ۲۰۲/۲۵۲۷]

اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ . ❶

"دنیا سب کی سب سامان ہے اور دنیا کا بہترین سامان نیک عورت ہے۔"

میں نے اس عورت سے نکاح کرتے وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو پیش نظر رکھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَا لِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفُرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ . ❷

"عورت سے مال، حسب ونسب، جمال اور دین چار امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے شادی کی جاتی ہے۔تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں تم دین والی کو ترجیح دے کر کامیاب ہو جاؤ۔"

ان میں یہ چاروں وصف مجتمع تھے۔مگر میں نے ان کی مرضی کے باوجود ان کے مال سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔رہا ان کا حسب تو ظاہر ہے کہ یہ وزیر اعظم ریاست کی دختر تھیں۔لیکن میرے پیش نظر صرف ان کا ذات الدین ہونا تھا۔اگر دین داری مقصود نہ ہوتی تو نساء ابکار کا میسر آنا بھی سہل و آسان تھا۔حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے:

اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الْاِيْمَانِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِيْ . ❸

"نکاح سے آدمی نصف ایمان کی تکمیل کر لیتا ہے۔باقی نصف میں بھی اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت ہے:

اِنَّ اَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَيْسَرُهُ مُؤْنَةً . ❹

"برکت کے اعتبار سے سب سے عظیم نکاح وہ ہوتا ہے جس میں مالی مشقت کم از کم ہو۔"

مجھے اس نکاح میں مالی مشقت بہت کم برداشت کرنا پڑی۔وللہ الحمد!

---

❶ [رواه مسلم: ٦٤/ ١٤٦٩]

❷ [متفق عليه، بخاري: ٥٠٩٠ ـ مسلم: ٥٣/ ١٤٦٦]

❸ [بيهقي في شعب الايمان: ٤/ ٢٨٥ رقم الحديث: ٥٤٨٦]

❹ [بيهقي في شعب الايمان: ٤/ ٢٨٥ رقم الحديث: ٥٤٨٦]

حج بیت اللہ شریف

۱۲۸۵ھ میں مجھے حرمین شریفین کا شوق دامن گیر ہوا کیوں کہ مجھ پر حج فرض ہو چکا تھا۔ میں نے رئیسہ حال سے رخصت لی اور حجازِ میمنت طراز کی طرف روانہ ہوگیا۔ کامل ایک ماہ بعد مرکب ہوائی سے بصد مشقت جدہ پہنچا، نیم شب کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہو کر مناسک عمرہ بجالایا اور احرام کھول دیا۔

جمالِ کعبہ مگر عذرِ رہر وان خواہد!
کہ جانِ خستہ دلاں سوخت در بیا بانش

حج کے بعد ماہِ ذی الحجہ ہی میں مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ اس جگہ بھی بمشکل ایک ماہ میں پہنچنا ہوا۔ راستہ کے خطرات کی وجہ سے کسی دوسرے قافلہ کے انتظار میں اٹھارہ دن تک بئر عسفان کے اردگرد پڑا رہا۔ جب قافلہ بوقت عصر مدینہ طیبہ میں پہنچا تو روضہ مبارک پر ایک ہی نظر پڑنے سے سفر کی ساری کلفت دور ہوگئی۔

می آیم و می آورم از بار گہے!
پیغامِ حرم بحترم پاد شہے
مضمونِ رسالت آنکہ برما و شماست
عفوِ گنہے شفاعتِ رو سیہے!

حج اور مدینہ منورہ کی زیارت سے فارغ ہو کر آٹھ ماہ بعد یہاں واپس آ گیا۔ اس سفر میں نہ کسی سے مصارف کے لیے اعانت لی اور نہ کسی کا احسان مند ہوا۔ وللہ الحمد!

اس سفر میں بھی آتے جاتے اور اقامت کے وقت مطالعہ ونقل کتب کا شغل جاری رہا۔ روانگی کے وقت جہاز میں کتاب ''صارم منکی'' اپنے ہاتھ سے لکھی۔ پھر حدیدہ پہنچ کر جب اٹھارہ دن قیام ہوا، سید محمد اسماعیل امیر وغیرہ کے بیس پچیس رسائل اپنے ہاتھ سے نقل کیے۔ منیٰ اور عرفات میں بھی فرصت کے اوقات میں کتابت کی، واپسی کے وقت جہاز میں سنن دارمی لکھی۔ یہ نسخہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ اور میں نے مرزا امیر بیگ سلمہٗ داماد مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم مہاجر مکی سے نقل کرنے کے لیے مستعار لیا تھا۔ بھوپال آ کر انھیں واپس کر دیا۔ اس نسخہ پر جابجا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلم مبارک سے تصحیح ثبت تھی۔ اسی نسخہ کی نقل ہندوستان میں مطبع نظامی نے طبع کی ہے۔ اس سفر میں

میں نے حدیدہ وحرمین شریفین کے بہت سے سلف وخلف صالحین کی بہت سی نفیس کتابیں بھی خریدیں۔ ''السیاسۃ الشرعیۃ'' کو مکہ معظمہ میں نقل کیا۔ یہ قلمی رسائل ابھی تک کتب خانہ میں موجود ہیں۔ سفر حج کا قصہ رسالہ ''رحلۃ الصدیق الی البیت العتیق'' اور ''اتحاف النبلاء'' میں تفصیل کے ساتھ مرقوم ہے۔ سفر حجاز سے واپسی پر مجھے ریاست کے مدارس کا مہتمم بنا دیا گیا، پھر میر منشی بنا دیا گیا۔ میں اس شغل کو اپنے لیے پسند نہیں کرتا تھا۔ کیوں کہ مدرسہ میں تو علمی شغل تھا اور تمام وقت مطالعہ اور تالیف کتب میں بسر ہوتا تھا۔ چناں چہ ''مسک الختام شرح بلوغ المرام'' انہی ایام میں تالیف کی تھی۔ اور سارا کتب خانہ فروخت کر کے اس کتاب کی طباعت کا انتظام کیا۔ اب اس موجودہ خدمت میں فرصت جاتی رہی۔ اناللہ!

لیکن آیندہ سال سے پھر ایسی صورت پیدا ہوئی کہ پہلے سے بھی زیادہ مشغلہ علم کی فرصت ہاتھ آ گئی۔ وللہ الحمد!

نواب شاہ جہاں بیگم

اللہ کا ایک احسان مجھ پر یہ بھی ہوا کہ میرے سوال، ضرورت، حاجت اور تحریک کے بغیر نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ رئیسہ حال نے مجھ سے ۱۲۸۸ھ میں اپنا عقد ثانی سنت صحیحہ کے موافق کر لیا۔ الحمدللہ کہ نکاح سے قبل یا بعد میرے اور ان کے درمیان کوئی امر ناز یبا یا ناجائز واقع نہیں ہوا۔ جس کو کوئی حاسد یا بغض رکھنے والا سوءِ ظن پر محمول کر سکے۔ و اللہ علی ما نقول شھید.

اس تقریب سے بسط رزق بخوبی ہوا، پہلے مجھے نائب دوم ریاست مقرر کر دیا گیا اور ۲۴ ہزار روپیہ سال کا مشاہرہ مقرر ہوا۔ جب حکامِ وقت کی منظوری سے نوابی وغیرہ کا خطاب ملا تو سابقہ جاگیر میں اور بھی اضافہ ہو گیا یعنی ۵۷ ہزار روپیہ سالانہ مشاہرہ مقرر ہو گیا۔

عقد نکاح کے بعد صاحبہ موصوفہ نے میری اولاد میں سے بھی ہر ایک کو جاگیر عطا کی۔ فرزندانِ عزیز کو بارہ بارہ ہزار، دختر عزیزہ کو چھ ہزار اور داماد کو تین ہزار کا ذریعہ معاش بخشا۔

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ.

میں اس بسط و وسعت کو اپنے رزاق اور رب مطلق کا محض فضل و انعام سمجھتا ہوں، بیگم صاحبہ کی مستقل کوئی حیثیت نہیں، وہ تو محض ایک واسطہ ہیں۔ ان کی طرف سے یہ وظائف کسی ظاہری و باطنی تحریک کے بغیر ہی تھے۔ میرا ان پر کوئی ذاتی استحقاق تھا نہ اضافی۔ میں نے ان کا حق مہر پچیس ہزار

روپیہ نقد اور یک مشت ادا کر دیا تھا۔ ان کے نان نفقہ کے لیے چھ ہزار روپیہ سالانہ بھی مسلسل دے رہا ہوں۔ مجھ پر اس ریاست میں کسی ادنی واعلیٰ کا کوئی احسان نہیں ہے۔ اگر کچھ ہے تو فقط انہی کی قدر شناسی اور اکرام افزائی کا احسان وتبرع ہے۔ وللہ الحمد!

میں نے ان سے کبھی کوئی طمع نہیں کی، جو بلا استشراف دیا لے لیا بلکہ بعض اشیاء کو نہ بھی لیا اور جو نہ دیا اس کی کبھی تاک نہ کی۔ کیوں کہ میں اپنی اصل خلقت میں وارستہ مزاج اور بے پروا پیدا ہوا ہوں، جس طرح کہ فطرتی طور پر ہی موحد اور متبع سنی مذہب ہوں۔ جب تک یہ عقد نہ ہوا تھا میں مفاسد حسد سے امن وعافیت میں تھا۔ جب سے یہ عقد ہوا ہے ایک عالم کو مجھ پر حسد ہو گیا ہے حالاں کہ میں نے اپنے ارادے سے کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہمیشہ احسان وعفو ہی سے پیش آیا ہوں۔ لیکن امید ہے کہ اس ظاہری فساد میں بھی اللہ کے ہاں کوئی باطنی اصلاح ہوگی جو یہ صورت ظاہر ہوئی۔ والحمد للہ علی کل حال وفی کل حال وبکل حال۔

﴿عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ ❶

صحبت اغنیاء سے دوری

ابتداء شعور سے اغنیاء کی صحبت سے دور رہا ہوں۔ زمانہ طالب علمی میں بھی کبھی کسی تونگر کے پاس نہیں گیا۔ اگرچہ سفر دہلی میں بہت سے اغنیاء سے ملاقات ہوئی تھی۔ تاہم اِن سے دور ہی رہا۔ جب سے یہاں آیا ہوں اگرچہ اکثر راجگان وامراء مثلاً خورشید جاہ وسالار جنگ، امراء حیدر آباد دکن اور راجہ جے پور، جودھ پور، پٹیالہ، گوالیار اور اندور وغیرہ سے سفر وحضر میں ملاقات کا اتفاق ہوا ہے۔ اوران سے گورنر جنرل کے دربار میں بدرجہ مساوات نشست بھی ہوئی ہے۔ اور نواب کلب علی خاں رئیس رامپور سے خط وکتابت بھی رہی ہے۔ لیکن یہ سب سرسری ملاقاتیں تھیں۔ میں کسی کا مصاحب نہیں بنا۔

میرے شیوخ کے وصایا میں سے ایک وصیت یہ بھی ہے، جو "القول الجمیل" میں لکھی ہوئی ہے۔

مِنْهَا اَنْ لَّا يَصْحَبَ الْاَغْنِيَاءَ اِلَّا لِدَفْعِ مَظْلِمَةٍ عَنِ النَّاسِ اَوْ بَعْثِ عَامَّتِهِمْ عَلَى الْخَيْرِ وَهٰذَا هُوَ وَجْهُ التَّوْفِيْقِ بَيْنَ الْاَحَادِيْثِ الدَّالَّةِ عَلٰى ذَمِّ صُحْبَةِ الْمُلُوْكِ وَبَيْنَ مَا صَحِبَهُمْ كَثِيْرٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ الْبَرَرَةِ .

---

❶ [البقرة: ٢١٦]

''ایک وصیت یہ بھی ہے کہ اغنیاء کی صحبت اختیار نہ کرے ہاں اگر لوگوں سے ظلم دور کرنا ہو یا ان کی کوئی بھلائی کی بات مقصود ہو تو الگ بات ہے اور یہی تطبیق ہے، ان احادیث میں جو بادشاہوں کی صحبت کی مذمت پر دال ہیں اور اس بات میں کہ بہت سے نیک علماء بادشاہوں سے صحبت بھی رکھتے رہے۔''

بیگم صاحبہ بھی بے پناہ دولت مند ہیں لیکن وہ عقد شرعی کی وجہ سے اس وصیت سے خارج ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے عہد میں اس شہر کے بہت سے منکرات و بدعات ختم ہو گئے ہیں۔ اور ظلم کی بہ نسبت عدل و انصاف زیادہ ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے باوصف میں اس عذر لنگ کو قبول نہیں کرتا بلکہ بجائے خود نادم ہوں اور اس ابتلاء کو اپنے لیے عقوبت خیال کرتا ہوں اور زبانِ حال سے کہتا ہوں ۔

جان مختم حذر از دوزخ جاوید نکرد
خانہ در کوچہ آسودہ دلانم دادند

اب جو اس سلسلہ میں بندھ گیا ہوں اور ہر چند رہائی کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہوں لیکن عافیت کا کوئی راستہ نہیں پاتا۔

پائے بستند ورہِ سعی نشانم دادند
دست و بازو بشکستند و کمانم دادند

اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ .

صحت و عافیت

اللہ تعالیٰ کا ایک احسان مجھ پر یہ بھی ہے کہ معمولی امراض کے علاوہ کبھی کوئی ایسا مرض لاحق نہیں ہوا، جس سے مخلوقِ خدا کو نفرت ہو۔ بس گاہے گاہے تپ، لرزہ یا نزلہ و زکام وغیرہ ہو جاتا ہے۔ حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَمِنْ سَيِّءِ الْاَسْقَامِ . [1]

''اے اللہ! میں برص، جنون، جذام اور بری بیماریوں سے پناہ مانگتا ہوں۔''

ہاں ایک بیماری ضرور ہے کہ صحبت فساق و فجار سے احتراز کرتا ہوں ۔

[1] [ابوداؤد: ١٥٥٤ ونسائی: ٨/ ٢٧٠]

اگر ترا بتماشائے عید خود طلبند!
خلیل وار جوابی بگو کہ بیمارم

بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہوتی ہے اور اس میں تین فائدے ہیں:
ایک یہ کہ گناہ گزشتہ کی عقوبت ہوتی ہے۔
دوم یہ کہ چھوٹی برائیوں کا کفارہ ہوتی ہے اور
سوم یہ کہ رفع درجات کا باعث ہوتی ہے۔

میں اپنی بیماری کو معصیت کی سزا ہی تصور کیا کرتا ہوں۔ اس لیے کہ جب دل ہی دل میں نفس کا محاسبہ کرتا ہوں تو ہزار ہا گناہ پاتا ہوں۔ پھر خیال کرتا ہوں کہ معاصی زیادہ ہیں، سزا کم اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر سابق ہے۔ اگر وہ مجھے میرے سارے گناہوں کی سزا دے تو شاید ایک لحہ کی مہلت بھی نہ ملے بلکہ میں تو اپنے تئیں خسف ومسخ کا مستحق پاتا ہوں۔ اگر تفضل الٰہی دستگیری نہ فرماتا تو اب تک جزائے عمل کو پہنچ جاتا لیکن "ویعفوا عن کثیر" کی شان ظاہر ہو رہی ہے۔

رائے سے احتراز

میں دین میں رائے مجرد سے نہایت احتراز کرتا ہوں۔ جب کسی مسئلہ میں شارع کی طرف سے تصریح نہیں پاتا تو اس پر عمل کرنے سے توقف کرتا ہوں، اور کوئی اقدام نہیں کرتا:

اَلّا اَنْ رَأَیْتُ فِیْهَا نَصًّا اَوْ اِجْمَاعًا اَوْ قِیَاسًا جَلِیًّا .

"جب تک کہ اس میں کوئی نص یا اجماع یا قیاسِ جلی نہ دیکھ لوں۔"

یہ اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ

اَلرَّأْیُ فِی الدِّیْنِ تَحْرِیْفٌ وَفِی الْقَضَآءِ مَکْرُمَةٌ .

"دین میں رائے کو دخل انداز کرنا تحریف کے مترادف اور (مقدمات کے) فیصلہ میں رائے سے کام لینا عزت کا باعث ہے۔"

بلکہ کتاب وسنت کا ماہر عالم قیاس جلی واجماع کا بھی محتاج نہیں ہوتا۔ وہ دلائل کے کلیات وعمومات سے خود مسئلہ کا حکم استنباط کر سکتا ہے، کسی غیر کا اجتہاد اس پر لازم نہیں ہوتا۔ یہ بات آیت

کریمہ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ سے بخوبی ثابت ہے اور حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ

اَلا وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْ وَعَظْتُ وَاُمِرْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ اَشْيَآءٍ اِنَّهَا لِمِثْلُ الْقُرْآنِ اَوْ اَكْثَرُ. ❶

"بخدا میں نے تمہیں حکم بھی دیا ہے وعظ ونصیحت بھی کی ہے اور بہت سی باتوں سے منع بھی کیا ہے جو قرآن جتنی یا اس سے بھی زیادہ ہیں۔"

اور جب آنحضرت ﷺ نے خود اپنی رائے شریف کا اتباع قائم نہیں رکھا تو دوسرا کون ہے جس کی رائے پر چلنا واجب یا مستحب ہو؟ چناں چہ حدیث رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ میں فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهِ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِي فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ. ❷

"میں بشر ہوں، جب دین سے متعلقہ کسی بات کا حکم دوں تو اسے لے لو اور جب میں اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو میں بشر ہوں۔"

اس حدیث سے اشارۃ النص کے ذریعہ معلوم ہوا کہ بشریت کے تقاضے انبیاء کرام علیہم السلام کی آراء میں بھی کارفرما ہو سکتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اہل حل وعقد سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا۔ فرمایا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ . "معاملات میں ان سے مشورہ کرلیا کرو۔"

یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا جو حکم دین سے متعلق ہو، اس کی بجا آوری فرض ہے، اور اسے اپنی رائے کا دخل دیئے بغیر جوں کا توں تسلیم کرنا چاہیے۔ سارے سلف صالحین، محدثین کرام عام متبعین سنت اور جماعت ظاہریہ کا یہی مسلک رہا ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر جو کچھ نازل فرمایا، اس سب کے بیان کردینے کا حکم بھی دیا۔ پس کسی ایسی بات کو ترک نہیں فرمایا جس میں ہماری سعادت ہو۔ اور جس سے سکوت فرمایا وہ ہم پر رحمت اور وسعت کے پیش نظر ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں اشارہ بھی فرمایا اور کچھ باتیں فی الواقع ایسی ہیں جن سے ہم پر رحمت کرتے ہوئے سکوت فرمایا ہے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان کے متعلق سوال نہ کیا کرو۔ واللہ اعلم

---

❶ [رواہ ابوداؤد: ۳۰۵۰] ❷ [رواہ مسلم: ۱۴۰/ ۲۳۶۲]

صحبت صالح

مجھے طبعی طور پر اہل تقویٰ سے محبت ہے اور صحبت صادقین سے رغبت ہے۔ اہل فسق سے قلبی طور پر کلی نفرت ہے اور جھوٹوں سے وحشت تام ہے میں طبعی طور پر نہ کسی کو دوست رکھتا ہوں اور نہ کسی سے مجھے بغض ہے۔ میں جس شخص کے اعمال وعقائد کتاب وسنت کے موافق پاتا ہوں، اور وہ خوش معاملہ بھی ہو تو میرا دل اس سے خوش ہوتا ہے۔ اور میں اسے شرعاً اللہ کے لیے دوست رکھتا ہوں۔ اگر چہ وہ ریا کار ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کے ظاہر و باطن کی مخالفت اور ریا کے ظہور کے بعد اس کی محبت میرے دل میں نہیں رہتی۔ اور جس کے اعمال معاملات اور اقوال کو قرآن وحدیث کے مخالف دیکھتا ہوں تو اس سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا۔ ہاں امورِ دنیا میں جس طرح غیر مسلموں سے معاملہ پڑتا ہے۔ اسی طرح مجبوراً اس سے بھی معاملہ کرتا ہوں اور وہ بھی صرف ضرورت کے تحت بغیر ضرورت کے اس سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ کیوں کہ حدیث ابوذر میں مرفوعاً آیا ہے:

اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَلْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ . ❶

”سب سے بہتر عمل اللہ کی خاطر محبت اور اللہ کی خاطر بغض ہے۔“

اور ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت یوں ہے:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰی لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِیْمَانَ . ❷

جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اللہ کے لیے بغض رکھا، اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے روک لیا، اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔“

قرآنِ مجید میں بھی ارشاد ہے:

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴾ ❸

”کیا برائیوں کا ارتکاب کرنے والوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کو ایمان دار، اور نیک اعمال لوگوں کی طرح کر دیں گے؟ کہ ان کی زندگی اور موت دونوں ایک جیسی (خوشحال) ہوں یہ فیصلہ ان کا بہت برا ہے۔“

---

❶ [رواه ابوداؤد:٤٥٩٩] ❷ [رواه ابوداؤد:٤٦٨١] ❸ [الجاثية:٢١]

میں یہ نیت رکھتا ہوں کہ اگر میرا بس چلے تو روئے زمین پر کسی ایسی کتاب کو باقی نہ رہنے دوں جو کتاب اللہ کے مخالف ہو۔ نہ کسی بدعت کو چھوڑوں جو سنت سے متصادم ہو، نہ دن یا رات میں کسی قسم کا فسق علی الاعلان ہونے دوں۔ اور اگر کسی قسم کا فسق وقوع پذیر ہو جائے تو شریعت کے مطابق حدود وتعزیرات نافذ کر کے اس کی روک تھام کر دوں۔ اگرچہ مجھے اپنا فسق وعصیان بھی بخوبی معلوم ہے۔ لیکن میرے اس خیال کی بنیاد نیت پر ہے۔ اور عمل کا نیت پر اجر ملتا ہے خواہ وہ کسی مانع کی وجہ سے وقوع پذیر نہ ہو سکے۔

میں یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ اگر مجھے صلحاء یا اہل اللہ کی صحبت نصیب ہوتی تو یہ اعمالِ بد جو کہ اہل دنیا کی صحبت کی وجہ سے صادر ہوئے ہیں، ان کا عشر عشیر بھی وقوع پذیر نہ ہوتا، کیوں کہ غربت اسلام بھی ان گناہوں کے صادر ہونے کا ایک سبب عظیم ہے۔ اس کے باوجود اپنی بداعمالیوں کا اعتراف ہے۔ میں اپنے کسی فعل بد کی تاویل نہیں کرتا اور نہ کسی نیک عمل پر اعتماد رکھتا ہوں۔ اگر رحمت الٰہی سے ناامیدی کفر نہ ہوتی تو میرے اتنے گناہ ہیں کہ ناامیدی میں کچھ شک نہیں۔

تو مگر از جہتِ رحمت خود نزدیکی
ورنہ من از طرفِ خویش بغایت دورم

اَللّٰهُمَّ غُفْرًا وَحِفْظًا فِي الْحَالِ وَالْاِسْتِقْبَالِ وَمَوْتًا عَلَى الْاِسْلَامِ وَالْاِيْمَانِ .

اللهم آمين .

کن لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے

میں تہہ دل سے صحبت جہاں سے بیزار رہتا ہوں اور اہل علم سے میل جول کو دوست رکھتا ہوں۔ دل صرف یہ چاہتا ہے کہ صحبت میں ایسے لوگ ہوں جو مذاکرہ علم یا ذکر الٰہی کریں۔ دنیا کی باتیں نہ ہوں۔ لیکن یہ صحبت اس زمانہ میں عنقاء اور کیمیا کی طرح نایاب ہے۔ اکثر لوگ اگر اس لیے جمع ہوتے ہیں کہ امورِ دنیا کا تذکرہ کریں تو ایسی مجالس میں صرف ان امور کا ذکر ہونا چاہیے، جن سے عقل انتظام اور شعورِ خانہ داری بڑھے یہ تو نہیں ہونا چاہیے کہ ماوشما کی خرافات کا ذکر، کسی کی غیبت کریں، کسی کی چغلی کھائیں، بات کریں تو جھوٹ بولیں، وعدہ کریں تو خلاف کریں۔ امانت رکھو تو خیانت کریں، عہد کریں تو توڑ ڈالیں، مخاصمت کریں تو گالی گلوچ بکیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ایسے شخص کو

منافق قرار دیا گیا ہے۔ خواہ نماز پڑھے، روزہ رکھے اور اسلام کا دعویٰ کرے۔ ❶

حدیث متفق علیہ میں حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً آیا ہے کہ جس شخص میں ان خصلتوں میں سے ایک بھی ہوگی، اس میں گویا نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔ ❷ میں کہتا ہوں کہ اسے نفاقِ عملی کہتے ہیں۔ اور ایک جہاں اس بلا میں گرفتار ہے۔ حدیث مذکور میں آنحضرت ﷺ نے اسے خالص نفاق فرمایا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ اس نفاقِ خالص سے مراد ان خصال کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھنا ہے۔ لیکن اگر اس حدیث کی تاویل نہ کی جائے اور اسے ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس میں زیادہ زجر و توبیخ ہوگی۔ تاویل کی وجہ سے ہی ایسے افعال مخلوق کی نظر میں سبک (معمولی) ہوگئے ہیں، اور ان علاماتِ نفاق سے احتراز کرنا مفقود ہوگیا ہے۔ بعض عارفین نے کہا ہے کہ آدمیوں کی چار قسمیں ہیں۔

① ...... عامی جو نہ زبان رکھتا ہے اور نہ دل، ایسا شخص علاج کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔

② ...... جو زبان تو رکھتا ہے لیکن دل نہیں رکھتا، جیسے کہ وہ شخص جو حکمت کی باتیں تو کرتا ہے۔ لیکن حکمت کے مطابق خود عمل پیرا نہیں ہوتا، لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہے۔ لیکن خود خدا سے بھاگتا ہے۔ ایسے ہی شخص سے آنحضرت ﷺ نے ڈرایا ہے کہ

اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ کُلُّ مُنَافِقٍ عَلِیْمِ اللِّسَانِ جَاهِلِ الْقَلْبِ. ❸

''مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خطرہ ہر اس منافق کے وجود سے ہے جو زبان کا عالم لیکن دل کا جاہل ہے۔''

③ ...... وہ جو دل تو رکھتا ہے لیکن زبان نہیں رکھتا، یہ وہ مومن کامل ہے جسے اللہ نے اکثر مخلوق سے مستور رکھا ہے، وہ اپنے نفس کے عیوب جانتا اور پہچانتا ہے۔ مخالطت کی تباہ کاریوں، اور کلام و منطق کی نحوستوں سے بخوبی آگاہ ہے۔ اسے عقل وافر عطا کی گئی ہوتی ہے۔

④ ...... جو زبان و دل دونوں رکھتا ہے، یہ عالم عامل ہے۔ ان اقسام میں سے صرف سوم اور چہارم کے لوگ صحبت کے لائق ہیں۔ باقی انواع سے احتراز لازم ہے۔

---

❶ [رواه مسلم: ١٠٩/ ٥٩] ❷ [بخاری: ٣٤، مسلم: ١٠٦/ ٥٨]

❸ [رواه احمد فی مسنده الکامل لابن عدی: ٣/ ٢٧٠]

کن کی صحبت سے بچنا چاہیے

میں جہال صوفیہ، جہال متعبدین، متفقہہ، اصحاب معقول وکلام میں سے غلو کرنے والوں اور اصحاب جوائب کی صحبت سے محترز رہتا ہوں۔ دین میں غلو وتعصب اور افراط وتفریط کو میں پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اس وصیت پر قائم ہوں جو ''قولِ جمیل'' میں لکھی ہوئی ہے:

مِنْهَا اَنْ لَّا يَصْحَبَ جُهَّالَ الصُّوْفِيَّةِ وَلَا جُهَّالَ الْمُتَعَبِّدِيْنَ وَلَا الْمُتَقَشِّفَةِ مِنَ الْفُقَهَآءِ وَلَا الظَّاهِرِيَّةِ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَلَا الْغُلَاةِ مِنْ اَصْحَابِ الْمَعْقُوْلِ وَالْكَلَامِ بَلْ لَا يَكُوْنُ اِلَّا عَالِمًا صُوْفِيًّا زَاهِدًا فِي الدُّنْيَا دَائِمَ التَّوَجُّهِ اِلَى اللّٰهِ مُنْصَبِغًا بِالْاَحْوَالِ الْعَلِيَّةِ رَاغِبًا فِي السُّنَّةِ مُتَتَبِّعًا لِحَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاٰثَارِ الصَّحَابَةِ طَالِبًا لِشَرْحِهَا وَبَيَانِهَا مِنْ كَلَامِ الْفُقَهَآءِ الْمُحَقِّقِيْنَ الْمَآئِلِيْنَ اِلَى الْحَدِيْثِ عَنِ النَّظْرِ وَاَصْحَابِ الْعَقَائِدِ الْمَاْخُوْذَةِ مِنَ السُّنَّةِ النَّاظِرِيْنَ فِي الدَّلِيْلِ الْعُقْلِيِّ تَبَرُّعًا وَاَصْحٰبِ السُّلُوْكِ الْجَامِعِيْنَ بَيْنَ الْعِلْمِ وَالتَّصَوُّفِ غَيْرَ الْمُتَشَدِّدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَالْمُدَقِّقِيْنَ زِيَادَةً عَلَى السُّنَّةِ وَلَا يَصْحَبُ اِلَّا مَنِ اتَّصَفَ بِهٰذِهِ الصِّفَاتِ .

''جاہل صوفیاء، جاہل متعبدین، متقشف، فقہاء، ظاہری محدثین اور غلو کرنے والے اصحابِ معقول وعلم کلام کی صحبت اختیار نہ کرے۔ بلکہ اسے عالم، صوفی، دنیا میں بے رغبت، ہمیشہ اللہ کی طرف متوجہ رہنے والا، بلند احوال کے ساتھ رنگا ہوا، سنت میں رغبت رکھنے والا، حدیث رسول اللہ ﷺ اور آثارِ صحابہ کا تتبع کرنے والا ہونا چاہیے۔ نیز اس (عالم ربانی) کو احادیث وآثارِ صحابہ کی شرح وبیان تلاش کرنے والا ہونا چاہیے۔ ان محقق فقہاء کے کلام میں جو رائے کے بجائے حدیث رسول کی طرف میلان رکھتے ہوں اور ان اصحابِ عقائد کے کلام میں جن کے عقائد سنت سے ماخوذ ہوں اور دلیل عقلی میں صرف تبرعا غور کرتے ہوں اور ان اصحابِ سلوک کے کلام میں جو کہ علم وتصوف کے جامع ہیں، اپنے نفسوں پر تشدد نہیں کرتے، اور باریک بینی میں سنت سے بڑھ نہیں جاتے اور صحبت بھی صرف ان اوصاف سے متصف حضرات کی اختیار کرنی چاہیے۔''

طلب آخرت

اگرچہ میرے پاس دنیا میں بہت ہے۔ لیکن بچپن سے لے کر اب تک دنیا میرا بڑا مقصد نہیں ہے بلکہ میں آخرت کو رأس المال اور دنیا کو صرف نفع تصور کرتا ہوں۔ اگر ہست غم نیست واگر نیست غم نیست۔

عمر یکہ بفکرِ تنگ دستی گزرد
یا در غمِ نیستی و ہستی گزرد
اوقاتِ چنیں قابل ہشیاری نیست
آں بہ کہ بہ بیخودی و مستی گزرد

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ سوال اور گدائی کی ذلت سے بچے رہنے کی دعا کرتا رہتا ہوں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِیْعِ. ❶

''اے اللہ میں بھوک سے پناہ مانگتا ہوں کیوں کہ وہ بہت برا ساتھی ہے۔''

اور اپنے نفس میں قناعت کی ہمت بھی پاتا ہوں۔

قناعت تونگر کند مرد را!
خبر کن حریص جہاں گرد را

میں نے اہل دنیا کی طرح طلب معاش میں جفاکشی اور استغراقِ وقت کا مظاہرہ نہیں کیا اور نہ ان لوگوں کی طرح دنیا کا جویا ہوں جو دنیا کو رأس المال اور آخرت کو نفع تصور کرتے ہیں اور عمل آخرت وعلم دین سے بالکلیہ ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ مجھے اگر نکاح سے قبل والدہ وہمشیرگان کی خدمت گزاری اور اب بعد از نکاح پرورشِ اولاد دامن گیر نہ ہوتی تو مجھے امید تھی کہ میں فقط سدرمق پر کفایت کرتا اور جس طرح ممکن ہوتا اپنی جان کو اس ابتلاء سے بچالیتا۔ لیکن۔

پاک از عدم آمدیم و ناپاک شدیم
آسودہ در آمدیم و غمناک شدیم
بودیم ز آبِ دیدہ در آتشِ دل!
دادیم بباد عمر و در خاک شدیم

---

❶ [ابوداؤد: ١٥٤٧]

اس صحبت راہنہ سے رہائی چاہتا ہوں لیکن بقسر قاسر ایسی دلدل میں جکڑ بند ہو گیا ہوں کہ سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی فریادرس نہیں تاہم جب تک تن میں جان باقی ہے یہ ارمان بھی باقی ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان سب علائق سے روگرداں ہو کر مسجد حرام یا مسجد غریب خانہ کے کسی گوشہ میں صبح وشام بسر کروں اور رب تعالیٰ کے سوا کسی کا ممنونِ احسان نہ ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے میرے دل کی خواہش کے مطابق اس جگہ سے لے جا کر حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں موت یا شہادت حقہ نصیب کرے یا عافیت کے ساتھ اس گرفتاری سے رہائی بخشے تا کہ ایمان پر خاتمہ بالخیر ہو۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

ما ئیم بعفو تو تولّا کردہ!
و ز طاعت و معصیت تبرا کردہ
آنجا کہ عنایتِ تو باشد باشد
ناکردہ چوکردہ کردہ چوں نا کردہ

مجھے معلوم ہے کہ جو خلوصِ نیت کے ساتھ دنیا سے بھاگتا اور آخرت کا ارادہ کرتا ہے، دنیا اس کے پاس دوڑ کر آتی ہے۔ اور جو تمام ہمت سے دنیا طلبی میں غرقاب رہتا ہے۔ اس کو دنیا بقدر تمنا نہیں ملتی وہ نہ ''الی الذی'' ہوتا ہے نہ ''اولوالذی'' حدیث میں فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا عَلٰى نِيَّةِ الْآخِرَةِ وَلَا يُعْطِي الْآخِرَةَ عَلٰى نِيَّةِ الدُّنْيَا . ❶

''اللہ تعالیٰ دنیا آخرت کی نیت پر دیتا ہے۔ لیکن دنیا کی نیت پر آخرت نہیں دیتا۔''

دلوں کی کیفیت

مجھے اللہ کی تدبیر سے کسی دم بھی امن نہیں ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ دائرہ تحجیر میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اس کی دو درگاہیں ہیں۔ ایک کا نام حضرۃ الاطلاق ہے اور وہاں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ دوسری حضرۃ التقیید ہے، وہاں وعدے کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ میرے خیالات اور دل کے وسوسے جو رات دن میں ستر ہزار بار دل پر برق خاطف کی طرح وارد ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی نہ کوئی ایسا خیال ووسوسہ بھی ہوتا ہے جو ایمان کو بالکل ضائع کرسکتا ہے۔ میں اسی کو مکر (تدبیر) الٰہی سے تعبیر کرتا ہوں۔

---

❶ [مسند الشھاب: ١١٠٨-١١٠٩ كتاب الزهد لابن المبارك: ١٩٣]

﴿ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ ❶

''پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ کے مکر (تدبیر) سے مگر خسارہ پانے والے لوگ۔''

بعض اوقات تو ان خیالات و وساوس کی بہ نسبت اپنا خسف و مسخ ہو جانا آسان معلوم ہوتا ہے۔ یعنی خیالات و وساوس اس قدر غلط ہوتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا حلم نہ ہوتا تو مدت سے خسف و مسخ ہو چکا ہوتا۔ خیالات اور وساوس کی کثرت کے باعث یوں محسوس ہوتا ہے کہ دل میں گیارہ سے بھی زیادہ دروازے شیطان کی طرف کھلے ہیں۔ اور صرف ایک دروازہ رحمان کی طرف کھلا ہوا ہے۔ حدیث ابن مسعود میں آیا ہے:

خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَقَالَ هٰذِهِ سُبُلٌ عَلٰى كُلِّ سَبِيْلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُوْ إِلَيْهِ وَقَرَأَ وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهِ . ❷

''آنحضرت ﷺ نے ہمارے سامنے ایک خط (لکیر) کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے اور پھر اس کے دائیں بائیں کئی خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ وہ راستے ہیں کہ ہر ایک پر شیطان بیٹھا ہوا اپنی طرف دعوت دے رہا ہے اور پھر آپ نے یہ آیت شریف پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کا اتباع کرو اور دیگر راستوں کا اتباع نہ کرو کہ تم کو اس کے راستے سے ہٹا کر پراگندہ کر دیں گے؟''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اکثر یوں فرمایا کرتے تھے:

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ .

''اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھیو۔''

میں نے کہا اے اللہ کے نبی! ہم آپ پر ایمان لائے ہیں، کیا آپ کو ہمارے ایمان کے متعلق کوئی ڈر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَآءُ . ❸

---

❶ [الاعراف: ٩٩] ❷ [رواه احمد: ١/ ٤٣٥ والنسائی والدارمی: ١/ ٦٧ـ الانعام: ١٥٣]

❸ [ترمذی: ٢١٤٠ وابن ماجه: ٣٨٣٤]

''دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ انھیں جیسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔''

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یوں ہے:

مَثَلُ الْقَلْبِ كَرِيْشَةٍ بِاَرْضِ فَلَاةٍ يُقَلِّبُهَا الرِّيَاحُ ظَهْرًا لِبَطْنٍ . ❶

''دل کی مثال اس پر کی طرح ہے جو کسی صحرائی زمین پر پڑا ہو اور ہوائیں اسے زمین پر الٹتی پلٹتی ہوں۔''

بہر حال انسان کے دل میں شیطان کی طرف سے بڑا وسوسہ یہی القاء کفر اور حب دنیا ہوتا ہے۔ یہ حب ہر خطا کی جڑ ہے۔ محبت غیر اللہ ہی کفر وضلالت کی ساری باتوں کا سرچشمہ ہے۔ اگر کسی کے دل میں دنیا کی محبت نہ ہو اور دنیا ہجوم کر کے اس کے پاس آئے اور وہ دنیا کے ایندھن کو اللہ کی مرضیات کے حصول میں صرف کرتا رہے تو ایسا شخص دنیا دار نہ ہوگا۔ بلکہ فقر مدقع پر اسے ایک طرح کی فضیلت حاصل ہوگی۔

وَلِكُلٍّ مَقَامٍ رِجَالٌ. وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ .

رنج وراحت

میں اپنے کسی قول، فعل اور حالِ نفس کا استحسان نہیں کرتا بلکہ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ میں حقوقِ خدا کو پورا نہیں کر سکتا بلکہ عاجز ہوں اور نہ میں وقت سے قبل اپنی قسمت سے زیادہ کا طالب ہوتا ہوں۔ اہل معرفت نے فرمایا ہے:

مِنْ اَشَدِّ الْعَذَابِ عَلَى النَّفْسِ طَلَبُهَا مَالَمْ يُقْسَمْ لَهَا .

نفس کے لیے سب سے بڑا عذاب یہ بھی ہے کہ وہ اس چیز کو طلب کرے جو اس کی قسمت میں نہیں۔''

اور میں نے ساری زندگی کبھی کسی کے سامنے کسی حاجت کے لیے دست سوال دراز نہیں کیا۔ کیوں کہ اس حرکت بے برکت کی بنیاد جہل باللہ، ضعف ایمان اور قلت صبر پر ہے۔ اور پھر، اگر مانگنا ہی ہے تو اللہ سے مانگنا کافی ہے۔

---

❶ [ابن ماجه:۸۸، شرح السنه:۸۷]

از خدا خواہم و از غیر نخواہم بخدا
کہ نیم بندۂ دیگر نہ خدائے دگرست

اگر اللہ تعالیٰ نے سوال کو قبول فرما لیا تو فبہا ورنہ اجابت میں تاخیر لائق تکدر نہیں بلکہ امید وار رہنا واجب ہے۔

مجھے اپنے دوام نعمت پر بھی طمانینت حاصل نہیں رہتی، اس لیے کہ میں نعمت کا بالکل مستحق نہیں ہوں۔ میں رات دن دوسرے لوگوں میں نعمتوں کے تحویل وتغیر کا مشاہدہ کر رہا ہوں، اور جلد یا بدیر ہر صاحب نعمت کو تنغص کے حصول سے خالی نہیں پاتا۔

غلط است ایں کہ ہمہ اہل دول بی دردند
ہر کرا دیدم ازیں طائفہ آزاری داشت!

اللہ سے اس بات کی توقع رکھنا کہ وہ نزولِ بلا کے وقت صبر کی توفیق بخشے گا، اور بلا کو جلد ختم کردے گا ایک نعمت بے بدل ہے۔ اسی مومن صادق پر آلام ومصائب کی کثرت ہوتی ہے، جسے اللہ دوست رکھتا ہے۔

در جہاں آفتے گزندے نیست!
کہ بتحویل درد مندے نیست!

اہل تجربہ نے کہا ہے:

وَمَنْ صَبَرَ عَلٰى بَلَاءِ الدُّنْيَا حَلَّ لَهٗ نَعِيْمُهَا اَوَاخِرَ عُمْرِهٖ اِنَّمَا يُعْطَى الْاَجِيْرُ اُجْرَتَهٗ بَعْدَ عِرْقِ جَبِيْنِهٖ وَتَعَبِ جَسَدِهٖ وَكَرْبِ رُوْحِهٖ وَضَيْقِ صَدْرِهٖ وَذَهَابِ قُوَّتِهٖ وَاِذْلَالِ نَفْسِهٖ وَكَسْرِ هَوَاهُ كَمَا هُوَ الشَّاْنُ فِيْ خِدْمَةِ الْمَخْلُوْقِيْنَ فَلَا يَكَادُ يَطِيْبُ لَهٗ عَيْشٌ اِلَّا بَعْدَ تَجَرُّعِهٖ فِيْ خِدْمَتِهِمْ هٰذِهِ الْمَرَارَاتِ كُلَّهَا فَاِذَا تَجَرَّعَهَا اُعْقِبَتْ لَهٗ طِيْبُ طَعَامٍ وَاِدَامٍ وَفَاكِهَةٍ وَلِبَاسٍ وَرَاحَةٍ وَسُرُوْرٍ وَتَلَذُّذٍ بِالْبَلَآءِ .

”جو انسان دنیا کی مصیبتوں پر صبر کرے اسے آخر عمر میں نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا جیسا کہ مزدور کو مزدوری پیشانی کے پسینہ، جسم کی تھکاوٹ، روح کی تکلیف، سینہ کی تنگی، قوت کے خاتمہ، نفس کی ذلت اور خواہش کے ختم کر دینے کے بعد ملتی ہے جیسا کہ مخلوق کی خدمت میں

جب تک ان تمام کڑوے گھونٹوں کو نہ پی لے، اسے عیش و آرام نصیب نہیں ہوتا اور جب ان کڑوے گھونٹوں کو پی لے تو اسے انجام کار عمدہ کھانا بہترین سالن، پھل، لباس، راحت سرور اور تلذذ بالبلاء نصیب ہوتا ہے۔''

میرا حال بھی اسی طرح تھا۔ عمر کا ایک زمانہ تنگی عیش میں گزرا، پھر جب ملازمت کی تو پندرہ سال مسلسل تکلیفوں اور مصیبتوں میں گزرے۔ اپنے خیال میں اپنے آقا کی ملازمت نہایت نمک حلالی، حاضر باشی، عرق ریزی، جانفشانی اور امر و نہی کی بجا آوری کے ساتھ کی۔ خیانت، کذب، دغل، عمل معین میں کوتاہی اور دیگر دھوکے والے، اور ناجائز امور سے احتراز کیا، امانت و دیانت اور نصیحت سے کام رکھا اور اپنے آقا پر کبھی احسان نہیں جتایا بلکہ اپنے نفس کو منعم حقیقی و مجازی کا شکر ادا کرنے سے ہمیشہ قاصر پایا۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنم
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

تعظیم طلب نوکر، نامعقول ہوتا ہے اور ناقدر شناس آقا مخذول، جب عمر تیس سال کو پہنچی تو ہمت اور زیادہ مشقت سے جی چرانے لگا تو ناگہاں رحمت الٰہی نے کارسازی فرمائی۔ کثیر نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور افکارِ پریشاں سے نجات بخش کر ساحل نجات پر پہنچا دیا۔ ہر چند کہ ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں ہوسکتا۔ لیکن ان کا اتمام اس طرح ہوگا کہ قبض روح حالت ایمان پر ہو۔ اللہ تعالیٰ سے اس نعمت کا حصول بھی کچھ مشکل نہیں ہے۔

امید ہست دمِ مرگ از لبِ توفیق!
بر آید اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

علم دین کی محبت کے سوا اور کسی چیز کی محبت کا میرے دل پر تسلط یا استیلاء نہیں ہے۔ اگرچہ عمل میں قاصر فاتر ہوں تاہم اپنے تجربہ میں اس لذت کو دنیا کی تمام لذتوں اور شہوتوں سے زیادہ لذیذ پاتا ہوں۔ جس دن مجھے کسی کتاب کے مطالعہ یا تحریر کا اتفاق نہ ہو، میں بیمار سا ہو جاتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ عَدد اور عُدد کے اعتبار سے اہل عصر کی نسبت میری تالیفات زیادہ ہیں۔ ایک مدت تک عربی زبان میں کتب تالیف کرتا رہا۔ پھر جب دیکھا کہ اکثر لوگ عربی سے جاہل ہیں تو میں نے فارسی میں لکھنا شروع کیا، اور اب جب کہ فارسی دان بھی نظر نہیں آتا، جسے دیکھو وہ اُردو پر فریفتہ ہے تو ناچار اُردو میں

لکھنا شروع کر دیا۔ چناں چہ میرے بہت سے رسائل دین اسی زبان ہندوستان میں ہیں۔ لیکن افسوس کہ علم اور کتب کی کثرت کے باوجود اہل شوق اور طالب آخرت نظر نہیں آتے، اب تو سب کی ہمت طلب وجمع مال میں منحصر ہوگئی ہے۔ تحصیل معاش میں نہ حفظ آبرو کا کسی کو خیال ہے اور نہ حلال وحرام میں امتیاز۔ دین کا صرف نام رہ گیا ہے اور اسلام ماضی کی ایک حکایت معلوم ہوتا ہے۔ اشراطِ ساعت نمایاں ہیں اور مظالم بے پایاں۔ دیکھئے اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔ اور اسلام کا انجام کیا ہوتا ہے۔ دنیا دھوکے کا گھر ہے اور اہل دنیا فریب اور جھوٹ پر فریفتہ ہیں۔ بلکہ جس کو ذرا پابند علم دین دیکھتے ہیں۔ اسی کی جان ومال اور آبرو کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اس پر بھی ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔

دنیا داری و عاقبت می طلبی!
ایں ناز بخانۂ پدر باید کرد

صدرِ اوّل سے آج تک ہر صدی کے آخر یا اوّل میں مجدد دین ہوتے رہے ہیں۔ ملوکِ اسلام نے مساجد، مدارس، رباطات، قناطیر اور طرق وغیرہ مراسم اسلام کی تجدید کی۔ علماء نے ایمان کی تجدید کی، بدعاتِ مذاہب کو دور کیا، اور شرک وکفر کے مٹانے میں سعی وافر بجالائے۔ مشائخ صوفیہ نے بدعاتِ احسان کو مٹایا، سلوک صافی کو رواج دیا۔ بعض نے یہ سب کام کیے۔ بارھویں صدی کے اوّل میں سید احمد بریلوی اور ان کے خلفاء مجدد دین ہوئے۔ اب چودھویں صدی شروع ہوئی۔ سالِ پنجم کا آغاز ہے۔ اب تک کسی ملک میں کسی مجدد کا وجود معلوم نہیں ہوا۔ یہ ہمارے اعمال کی شامت ہے۔ انا للہ!

ابتلائے دنیا

جو لذت مجھے بلا میں ملتی ہے، جو لطف شکستگی خاطر میں آتا ہے، جو کیف، بے چارگی وعاجزی میں ملتا ہے اور جتنی یادِ خدا حالت مرض وفقر وغم وحزن میں حاصل ہوتی ہے، وہ عیش فانی کے اسباب میں میسر نہیں ہوتی۔

چہ خوش بردی دل تنگ مادرے وا کرد
خدا دراز کند عمرِ زخم کاری ما

شیخ جیلی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مرضاتِ الٰہی میں بذل مجہود کے بعد بندہ کو تلذذ بالبلاء کا مقام عطا

ہوتا ہے۔ اور یہ ابتلاء تین طرح کی ہوتی ہے۔

ایک عقوبت بمقابلہ ارتکابِ جریمہ یا اقترافِ معصیت۔

دوسرے تکفیر یا تمحیص۔

تیسرے ارتفاعِ درجات بہ تبلیغ منازلِ عالیات۔

وَلِكُلٍّ مِنْ هٰذِهِ الْاَحْوَالِ عَلَامَاتٌ فَعَلَامَةُ الْاِبْتِلَآءِ عَلٰی وَجْهِ الْعُقُوْبَةِ وَالْمُقَابَلَةِ عَدَمُ الصَّبْرِ عِنْدَ وُجُوْدِ الْبَلَآءِ وَكَثْرَةِ الْجَزْعِ وَالشِّكْوٰى اِلَى الْخَلْقِ وَعَلَامَةُ الْاِبْتِلَآءِ تَكْفِيْرًا وَتَمْحِيْصًا لِلْخَطَايَا وَجُوْدُ الصَّبْرِ الْجَمِيْلِ مِنْ غَيْرِ شِكْوٰى وَلَا اِظْهَارِ جَزْعٍ وَلَا ضَجَرٍ اِلَى الْاَصْدِقَآءِ وَالْجِيْرَانِ وَعَدَمِ ثِقْلِ الطَّاعَاتِ عَلٰى يَدَيْهِ وَعَلَامَةُ الْاِبْتِلَاءِ لِاِرْتِفَاعِ الدَّرَجَاتِ وَجُوْدِ الرِّضَآءِ وَالْمُوَافَقَةِ وَطَمَانِيْنَةُ النَّفْسِ وَخِفَّةِ الْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ عَلَى الْقَلْبِ وَالْبَدَنِ .

"ان تمام احوال میں سے ہر ایک کی الگ الگ علامات ہیں۔ ابتلاء عقوبت بمقابلہ ارتکاب جریمہ کی علامت وجودِ بلاء کے وقت عدم صبر، کثرتِ جزع اور مخلوق کی جانب شکوہ ہے۔ تکفیر وتمحیص خطایا کے سلسلہ میں ابتلاء کی علامت یہ ہے کہ صبر جمیل کا مظاہرہ کیا جائے۔ شکوہ وشکایت نہ کی جائے اور نہ دوست احباب اور پڑوسیوں کی طرف دل کی گھبراہٹ اور غم کا اظہار کیا جائے اور اسے طاعات میں بوجھ بھی محسوس نہ ہو، ارتفاعِ درجات کے سلسلہ میں ابتلاء کی علامت یہ ہے کہ رضاء، موافقت اور نفس کی طمانینت حاصل ہو اور دل اور جسم پر اعمالِ صالحہ گراں محسوس نہ ہوں۔"

میں نے دوسرے لوگوں میں ان تینوں علامات کا مشاہدہ کیا ہے۔ لیکن دو علاماتِ اولیٰ کو زیادہ تر پاتا ہوں۔ اور اکثر مخلوق میں علامت اولیٰ ہی غالب ہوتی ہے۔ بندہ کو علامت ثانیہ وثالثہ کی تحصیل کے لیے سعی کرنی چاہیے۔ بڑا بدنصیب ہے وہ جس کے جرائم کے عوض اسے دنیا میں نفس، مال یا اولاد میں عقوبات وآفات کا سامنا نہ کرنا پڑے اور نوبت برزخ تک پہنچ جائے۔ پھر اس سے بڑھ کر بدقسمت وہ ہے جس کے لیے عقاب قبر کافی نہ ہوا، اور پھر اس سے بڑھ کر بدطالع وہ ہے جس کے لیے مصائب کے اعتبار سے حشر ونشر اور بعثت کے مواقف کافی نہ ہوئے حتی کہ جہنم رسید ہو گیا۔ اگرچہ اسے وہاں دائمی طور پر نہ رہنا پڑے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ وَاَسْأَلُکَ الْعَافِیَۃَ !

اے واقف اسرارِ ضمیر ہمہ کس
در حالتِ عجز و دستگیر ہمہ کس
یا رب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر
ای توبہ دہ و عذر پذیر ہمہ کس

اولادِ صالح

اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد سے بھی نوازا ہے، جو نہ اس قدر قلیل ہے کہ زیادہ کی ہوس باقی رہے اور نہ اس قدر کثیر کہ وبال اور بارِ خاطر محسوس ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے دو پسر اور ایک دختر عطا کی ہے اور یہ اولاد اس آخر زمانہ کے فتنوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اقران واماثل کی بہ نسبت اکثر آفاتِ دنیوی اور فسق وفجور سے بظاہر محفوظ ہے اور نماز، روزہ اور زکوٰۃ پر قائم ہے۔ اگرچہ عمر شباب اور عہد لہو ولعب کے تقاضوں کی بنا پر میرے حسب دلخواہ حفظ ساعات شغل طاعات اور عمارتِ اوقات میں منہمک نہیں ہیں۔لیکن میں اپنے رب سے امید واثق رکھتا ہوں کہ ان کی توجہ الی اللہ اور آخرت کی طرف رجوع میں روز افزوں ترقی ہوگی۔ اور میرا اور ان کا خاتمہ ایمان اور کلمہ شہادت پر ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے میری حیات ہی میں میری اولاد کو بھی اولاد دی، مال بھی دیا، باغ بھی دیا، مساکن طیبہ بھی دیئے، معاش بھی دیا، علم دین بھی مرحمت فرمایا اور شوقِ صلاحیت بھی بخشا۔ میں نے اپنے احفاد کی تعداد اپنے رسالہ ''فرع'' نامی میں لکھی ہے۔ یہ لوگ اگر اللہ کا شکر بجالائیں گے اور ﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ [1] کہا کریں گے اور طلب دنیا میں زیادہ منہمک نہ ہوں گے تو ان کی نعمتیں زوال سے بچی رہیں گی۔ ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ [2] اور اگر کفرانِ نعمت کریں گے یا معاصی میں مبتلا ہوں گے تو اللہ کو ان کی کچھ پروا نہیں ہے۔

﴿ وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر ﴾ [3]

''اور جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال وافعال کی وجہ سے پہنچتی ہے اور وہ (اللہ تعالیٰ) بہت سے گناہ تو معاف کر دیتا ہے۔''

---

[1] [الکھف:۳۹] [2] [ابراھیم:۷] [3] [الشوریٰ:۳]

میں ہمیشہ ان کو اس امر کی تاکید کرتا رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر بہت بڑا فضل ہے، اس لیے اول اللہ کا تہہ دل سے شکر بجالایا کریں۔ پھر جس کو اللہ تعالیٰ نے بلا کسی وجہ وجیہ کے اس فیض ظاہری کا واسطہ ٹھہرایا ہے اس کا بھی شکریہ ادا کریں۔ میں ان سے یہ کہتا ہوں:

﴿ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴾ ❶

''اے داؤد کی اولاد! عملی طور پر شکر ادا کرو اور میرے بندوں میں سے شکر گزار تھوڑے ہیں۔''

یہ سب بچے تمول وآسودگی کی حالت میں پیدا ہوئے ہیں۔ انھوں نے جب سے آنکھ کھولی ہے کبھی نان، جامہ، مکان یا مرکب کی تکلیف نہیں دیکھی۔ انھیں چاہیے کہ سب سے زیادہ خدا کا شکر بجالائیں۔ اور میری طرح ایسی روش اختیار کریں کہ کسی کے قرض دار نہ ہوں، نہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کریں نہ کسی کی ملازمت کے محتاج ہوں، نہ کسی کے درباری بنیں اور نہ کسی کے خوشامدی ہوں۔ من کان للہ کان اللہ لہ اور یہ حالت صرف اس خوش نصیب کو میسر آتی ہے جو عسر ویسر اور نشاط وعدم نشاط والے حالات میں میانہ روی اختیار کرتا ہے اور اپنی چادر سے زیادہ پاؤں نہیں پھیلاتا اور آمدنی سے خرچ کم رکھتا ہے، اور کھانے، پہننے اور شادی وغیرہ میں اسراف سے بچتا ہے۔ یہ سارے قواعد وآداب کتب حدیث کے ''کتاب الرقاق'' میں لکھے ہوئے ہیں۔ ان کا مطالعہ اگر ہر دن میسر نہ آسکے تو ہفتہ وار یا ماہوار تو ضرور ہی لازم ہے۔ اس سے زیادہ تاخیر کرنے میں قساوتِ قلب اور غلبہ معاصی کا خوف ہے۔

مسئلہ تقلید

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے فرقہ ناجیہ اہل سنت میں پیدا فرمایا ہے۔ اور گمراہ ہونے والے بہتر فرقوں میں سے کسی میں پیدا نہیں فرمایا۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

ہندوستان میں دو مذہب کے مسلمان رہتے ہیں۔ ایک شیعہ، دوسرے حنفی۔

---

❶ [سبا: ۱۳]

شیعہ کی حکومت کے زمانہ میں دنیا کے لالچ سے بہت سے شرفاء شیعہ ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کو خالص سنی ومحمدی بنایا۔ اس ملک میں اہل حدیث بہت کم ہوئے ہیں۔ چند اہل علم و اہل باطن جو عامل بالسنہ تھے، ''مقاماتِ مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ'' میں ان کا جستہ جستہ ذکر آیا ہے، وہ مصلحت وقت کے پیش نظر متستر بالفقہ رہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بطورِ محدث مشہور تھے۔ لیکن محرر مذہب حنفیہ تھے۔ اس کے باوجود ان کا علم وفضل اور تقویٰ میرے نزدیک مسلم ہے۔ انھوں نے فقہاء کے طریقہ پر تاویل احادیث کو اختیار کیا۔ کسی جگہ تاویل صحیح ہے اور کسی جگہ صحیح نہیں۔ اس جگہ وہی ''میزان شعرانی رحمۃ اللہ علیہ'' والی بات درست ہے کہ فقہاء کا مسائل میں اختلاف تشدید وتخفیف پر محمول ہے اور سوءِ ظن کی بہ نسبت سب کے ساتھ حسن ظن رکھنا سلامتی کا راستہ ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتب میں رائے وتقلید کے اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے اور اتباع سنت کی طرف خوب رغبت دلائی ہے۔ اور اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں حنفی وشافعی مسائل فقہیہ کے درمیان تطبیق اور بعض جگہ ترجیح دی ہے۔

ان کے بعد شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں لوگوں کے درمیان تقلید کی بحث شروع ہوئی۔ بحث ابھی ناتمام ہی تھی کہ ان کا عہد سعادت مہد ختم ہو گیا۔ اور اس عہد کے بعد وہ علماء بھی باقی نہ رہے جو فقہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ متوسط درجہ کے کچھ لوگ تھے ان میں سے طرفین کی طرف سے بجائے مناظرہ کے مکابرہ ومجادلہ کی نوبت آ پہنچی۔ ایک فرقہ نے وجوبِ تقلید کے اثبات اور دوسرے نے ردّ تقلید میں بہت بے عنوانی سے کمر باندھی اور تحریر وتقریر میں سب وشتم بلکہ لعن وطعن کا بھی استعمال ہوا۔ عیاذاً باللہ!

یہ بحث یہاں تک طول کھینچ گئی کہ ایک دوسرے کی تضلیل وتکفیر تک نوبت پہنچ گئی، حالاں کہ یہ مسئلہ اس قدر قلاقل وزلازل کے لائق نہ تھا۔ یہ علم اصول فقہ کا ایک جزئی مسئلہ ہے اور نہایت واضح ہے۔ یعنی تقلید اس کو کہتے ہیں کہ آدمی دوسرے شخص کی بات کو حلت وحرمت کے سلسلہ میں بلا دلیل ونص شارع قبول کر لے۔ سو یہ بات ظاہر ہے کہ سب مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں اور کسی شے کی حلت وحرمت آپ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی تو اتباع آپ ہی کا چاہیے کسی اور شخص کا نہیں۔ ورنہ اسے پیغمبر ماننا پڑے گا۔

اگر کسی مجتہد نے کسی دلیل کے نہ ملنے اور نہ معلوم ہونے کی صورت میں کسی شی پر اپنے اجتہاد،

رائے یا قیاس سے حکم لگایا اور بعد میں کسی دوسرے شخص پر قرآن وحدیث سے دلیل واضح ہوگئی تو وہ مجتہد معذور ہے لیکن اسے جہد وسعی کا ایک اجر ضرور ملے گا۔مگر وہ شخص جسے آیت قرآن یا سنت صحیحہ پہنچ گئی ہرگز معذور نہیں ہوگا۔اور اگر دیدہ ودانستہ نص کی مخالفت کرے گا،تو خدا اور رسول کا مخالف ٹھہرے گا۔

اس بات کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے، کچھ مشکل بات نہیں ہے۔ہم نے فقہ مذاہب اربعہ کی ساری کتابیں دیکھی ہیں۔کسی امام مجتہد سے یہ بات منقول نہیں پائی کہ ہمارے اجتہاد کے آگے تم قرآن وحدیث کو چھوڑ دینا، بلکہ چاروں اماموں نے اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کیا ہے۔ان کے اقوال خود ان کے مقلدوں کی کتابوں میں منقول ہیں۔اس صورت میں ظاہر بات ہے کہ ان کا مقلد صحیح صادق تو وہی مسلمان ہے، جو اس قولِ حق میں ان کی پیروی کرے نہ وہ کہ جو ان کے اس قول کی مخالفت کرے۔ کیوں کہ وہ تو ان کا مخالف ہوا نہ کہ مقلد، علاوہ ازیں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سے فقہ کے جتنے مسائل منقول ہیں، خواہ خاص ان کے اقوال ہوں یا ان کے تلامذہ واصحاب کے، وہ سارے احکام قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہیں۔اگر یہ بات ہوتی تو مذہب اہل حدیث ان کے دائرہ سے خارج ہو جاتا۔ بلکہ سنت صحیحہ سے جتنے مسائل ثابت ہیں وہ اِن چاروں مذاہب کے اندر منتشر اور موجود ہیں ۔

چہ خوش گفت دانا کہ دانش بسے ست
ولیکن پراگندہ باہر کسے ست!

ائمہ اربعہ کے درمیان اصولِ مذاہب میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔صرف بارہ مسائل میں ماتریدیہ اور اشعریہ کے درمیان نزاعِ لفظی سے مشابہ قدرے اختلاف ہے۔فروعی مسائل میں بھی اس طول وعرض کے باوجود چار سو سے زیادہ مسائل میں اختلاف نہیں ہے۔پھر جب انھیں تشدید وتخفیف پر محمول کیا جائے۔جیسے علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔یا توفیق وتطبیق دی جائے، جیسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے کیا ہے تو پھر تو بہت تھوڑے مسائل باقی رہتے ہیں جن میں مساغِ ترجیح وتضعیف ہو۔ پھر خاص طور پر حنفی مذہب میں تو ہر مسئلہ مذہب اہل حدیث کے مطابق ملتا ہے۔بشرطیکہ امام اعظم، امام ابو یوسف یا امام محمد کے مذہب کی قید نہ لگائی جائے، بلکہ ان میں سے جس کا مذہب یا قول ظاہر سنت کے موافق ہو اسے مفتیٰ بہ ٹھہرایا جائے۔اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ

''مذہب حنفی سب مذاہب سے زیادہ حدیث کے موافق ہے۔لیکن اکثر لوگ عصبیت کی وجہ

سے ایسا نہیں کرتے ہیں اور اہل حق سے اپنی رائے کی مذمت سنتے ہیں۔ پھر جو شخص اپنے دین پر بخل رکھتا ہو، تقویٰ واحتیاط اس کا شعار و دثار ہو تو وہ ضرور اصح الصحیح، ارجح المذاہب اور اقوی الاقوال کو اختیار کرے گا۔ اور اتنی بات سے نہ وہ مذہب مختار سے خارج ہوگا، نہ تضلیل و تکفیر کا مستحق ہوگا! بلکہ حنفی بدستور حنفی اور شافعی بدستور شافعی رہے گا۔"

ہمیں ساری امت میں کوئی عالم باعمل، صاحب خشیت، طالب آخرت اور تاجر عقبیٰ ایسا نہیں ملا جو اس جمود کے ساتھ کسی مذہب کا مقلد ہو کہ وہ کسی جزئی یا کلی مسئلہ میں اپنے امام متبوع کے خلاف کوئی قول اختیار نہ کرے۔ اگر ادنی سا اختلاف بھی ناقص تقلید ہے تو پھر دنیا میں تقلید کا وجود ناپید ہوگا اور مقلد بھی مقلد نہیں بلکہ متبع ٹھہریں گے۔ اگر بعض مسائل میں اختلاف ناقص تقلید نہیں تو دس بیس بلکہ سو پچاس مسائل میں اختلاف سے بھی تقلید ضائع نہیں ہوگی۔ خصوصاً جب کہ ان مسائل کو ترک کیا جائے، جن کی کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہیں یا جو مسائل منطوق ومفہومِ قرآن کے صریحاً خلاف ہیں۔ ایسے شخص پر ترکِ تقلید کی وجہ سے لعن طعن کرنا ظلم عظیم ہے۔ بالخصوص جب کہ تمام کتاب اللہ میں اس تقلید کذائی کے جواز میں ایک حرف بھی نہ ملتا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے تقلید کو اہل کتاب ومشرکین کا طرزِ عمل بیان کرکے اس کی تردید فرمائی ہو۔ سنت صحیحہ کا بھی یہی حال ہے کہ اس میں نہایت شد ومد کے ساتھ اعتصام بالکتاب والسنۃ کا مطالبہ کیا گیا ہے اور رائے سے تحذیر فرمائی گئی ہے۔

رہی یہ بات کہ جس طرح متبعین سنت، مقلدین کو برا کہتے ہیں۔ اسی طرح مقلدین بھی متبعین کو برا سمجھتے ہیں۔ اس کی وضاحت کے لیے یوں سمجھئے کہ اگر کوئی متبع کسی معین امام یا عالم پر طعن وقدح کرتا ہے تو وہ غیبت کرتا ہے اور غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔ اور آحاد مسلمین کی غیبت کرنا حرام ہے۔ پھر جو ائمہ وعلمائے آخرت کی غیبت کرتا ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ تو وہ لعن طعن اسی غیبت کرنے والے پر واپس آتی ہے اور یہ بدگوئی روافض کا مذہب ہے اہل سنت کا نہیں۔

اور اگر وہ متبع مجرد فعل تقلید کو ناجائز، بدعت یا شرک بتاتا ہے اور اس کی دلیل بھی بیان کرتا ہے تو اسے ہرگز برا نہیں کہنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ جرأت اس قائل پر نہیں بلکہ خدا ورسول پر ہوگی، اور خدا ورسول کا استخفاف کرنا کفر بواح ہے۔ اور خدا ورسول کو گالی دینے والا تو قتل کا مستحق ہے۔ اسی طرح اگر مقلد متبع کو برا سمجھتا ہے تو اس کی یہ حرکت متبع کی حرکت سے بھی بری ہے۔ اس لیے کہ اس نے برا کہا تھا تو تقلید کو برا کہا تھا یا اپنی بیوقوفی سے کسی معاصر وہمسر کو برا کہا تھا اور اس نے جو برا کہا تو اتباع کو برا کہا

اور اللہ اور رسول ﷺ کی بے ادبی کی۔ خدا اور رسول ﷺ کا مرتبہ علماء و مجتہدین امت سے کم نہیں بے حد زیادہ ہے۔ اور جو کم سمجھے وہ دائرہ اسلام سے دست کش ہے۔ بلکہ اللہ اور رسول کی تو یہ شان ہے کہ ساری امت کے علماء و اولیاء، آنحضرت ﷺ اور اللہ تعالیٰ کا تو کیا ذکر حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ یہ تقابل اگر کفر بواح نہیں ہے تو کیا ہے؟ اتباع ایسی چیز ہے جو شرعاً مامور بہ ہے اور تقلید نصاً منہی عنہ ہے۔ اب ان دونوں شخصوں کے اقوال میں جو تفاوت ہے وہ مخفی نہیں۔

الحمدللہ کہ میں نے آج تک کسی مقلد مذہب کو بالتخصیص برا نہیں کہا، اگرچہ ردّ تقلید میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اور میں کسی مقلد صادق، صحیح الارادۃ، حسن العمل، متقی شخص کو برا نہیں جانتا اور عوام متبعین جو علم و عمل سے بے بہرہ ہیں ان کو بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ فریقین کی افراط و تفریط نے اس دور میں تو دین کو بالکل لہو و لعب بنا کر رکھ دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب نہ فقہاء باقی رہے ہیں اور نہ عامل بالحدیث، بس تلاعب باقی رہ گیا ہے۔ اور امم سابقہ والا مرضِ قدیم اِن لوگوں میں بھی مروّج ہو گیا ہے جو اہل سنت کہلاتے ہیں۔

﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ﴾ ❶

لطفِ حق با تو مواساہا کند
چونکہ از حد بگذرد رسوا کند

برادرِ مرحوم کا سلوک

جب والد مرحوم کا انتقال ہوا تو گھر میں ان کا کتاب خانہ، ہتھیار اور پارچہ وغیرہ سامانِ متروکہ موجود تھا۔ بڑے بھائی نے جس طرح چاہا تصرف کیا، مجھے کوئی چیز نہ ملی۔ سوائے ان چند کتابوں کے جو برادرِ مرحوم کے انتقال کے بعد ملیں۔ میں نے اپنے حصہ کی بابت بھی بھائی سے مزاحمت یا مطالبہ نہیں کیا۔ بلکہ جو چیز میری تھی اور انھوں نے مجھ سے لے لی، میں نے سکوت کیا اور اس کے عوض اللہ نے مجھے اتنا دیا جو حساب سے باہر ہے بلکہ افسوس ہے کہ آج وہ زندہ نہیں۔ اگر ہوتے اور والدہ و اخوات بھی موجود ہوتیں تو ان کی خدمت کما حقہٗ بجا لاتا۔ لیکن یہ آسودگی مجھے ان سب کے انتقال کے بعد نصیب ہوئی۔ میں نے والدین، برادر اور ہمشیرگان کی طرف سے حج اسلام، سرائے، مسجد، پل وغیرہ صدقات ادا کر دیئے ہیں۔ اللہ ان سب پر رحم فرمائے۔

---

❶ [الاحزاب: ۳۸]

میری نگاہ میں دنیا کی اتنی حقیقت بھی نہیں ہے کہ مسلمان اس کی وجہ سے لڑائی جھگڑا کرتا رہے یا اعزہ واقارب سے بخل سے پیش آئے۔ مجھے میری اولاد، شرعی محبت کے ساتھ اس قدر محبوب ہے کہ میں ان سے کسی چیز کے متعلق دریغ نہیں کرتا ہوں۔ میری حیات میں ہر ایک کا گھر بار، معاش جائیداد اور کتاب خانہ وغیرہ ہر طرح کا سامان علیحدہ علیحدہ ہے تاکہ میرے بعد حصص وسہام ترکہ وغیرہ کی تقسیم میں کوئی نزاع پیش نہ آئے، وللہ الحمد!

اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میرے بعد اللہ کے سوا کسی کے محتاج نہ ہوں، اور جس طرح اس نے مجھ پر اپنا فضل عمیم کیا ہے، اسی طرح دونوں جہانوں میں ان کا بھی متکفل رہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ . ❶

خواب

میں نے کچھ نیک خواب دیکھے ہیں، کچھ دوسرے لوگوں نے بھی میرے متعلق اچھے خواب دیکھے، لیکن میں ان خوابوں میں سے کسی پر اعتبار نہیں کرتا اگرچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "يَرَاهَا الرَّجُلُ الصَّالِحُ أَوْ تُرٰى لَهُ" ❷ اس لیے کہ مجھے اپنا عاصی، گناہگار، اور نابکار ہونا بالیقین معلوم ہوتا ہے۔ اور صلاحِ مظنون بھی نہیں۔ اس لیے میرے خوابِ پریشاں کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور دوسروں کے خوابوں کا اس لیے اعتبار نہیں کہ شاید وہ ان کے حسن ظن پر مبنی خیالات ہوں۔

ایک شخص نے بشر حافی رحمہ اللہ سے کہا تھا کہ میں نے تمھیں جنت میں ناز سے چلتے دیکھا ہے۔ فرمانے لگے کہ شیطان کو تیرے اور میرے سوا کوئی نہ ملا جس سے وہ مسخرا پن کرتا۔

چہ غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

مجتہد نہ مجدد

مجھے مجتہد ہونے کا دعویٰ ہے نہ مجدد ہونے کا۔ اگرچہ یاروں نے مجتہد مجدد سب کچھ بنا دیا ہے۔ وہ واقعی بڑی سنجیدگی سے اس کا اظہار کرتے ہیں تاہم میں سمجھتا ہوں کہ شاید بطریق ہزل کہہ رہے ہیں۔ کیوں کہ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ مجھ میں کوئی شرطِ اجتہاد، کوئی صورتِ تجدید اور کوئی وصف مولویت

---

❶ [الاعراف:١٩٦] ❷ [رواہ مالک: ١٨٣٣]

موجود نہیں ہے۔ بلکہ میں ان الفاظ سے سخت پریشانِ خاطر ہوتا ہوں، اور نہ اپنے لیے ان کا استعمال پسند کرتا ہوں۔ حدیث میں فرمایا ہے:

اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ . ❶

''ایسی چیز کے ساتھ سیر ہونا ظاہر کرنے والا جو وہ نہ دیا گیا ہو اس شخص کی مانند ہے جو جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا ہے۔''

اکثر لوگ ظاہر پرست ہوتے ہیں، بعض احوال ملاحظہ کرنے کے بعد ان کا ایسا حکم لگانا لائق سند نہیں۔ میرے ہاتھ سے کتب فقہ سنت کا رواج ہوا اور عربی، فارسی اور اردو ہر سہ زبانوں میں عرب و عجم تک پہنچیں۔ اسی بنیاد پر بعض معاصرین نے مجدد لکھ دیا۔ اور مسائل کو دلائل کے ساتھ مربوط دیکھ کر مجتہد ٹھہرا دیا۔ یہ کوئی خاص اہمیت کی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ساری امت کے علماء سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اللہ کی آیات کو اس کے بندوں پر واضح کریں کتمانِ علم پر آگ کے انجام کی وعید آئی ہے۔ حالاں کہ میں وظائف علم سے بالکل علیحدہ رہتا ہوں۔ نہ کبھی درس و تدریس کرتا ہوں، نہ کسی کو شاگرد بناتا ہوں، نہ آج تک کسی فتویٰ پر دستخط کیے، نہ کسی کا مرید ہوں، اور نہ کسی کو مرید و معتقد کرنا چاہتا ہوں، بلکہ خادم کتاب و سنت ہوں، اور وہ بھی اس لیے کہ اولاً اپنے نفس کو مہذب بناؤں اور پھر اگر توفیق رفیق ہو تو دیگر مسلمانوں کو بھی میری کتابوں سے نفع پہنچے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ڈر ہے کہ کہیں یہ علم حساب کے دن مجھ پر حجت نہ بن جائے۔ اس لیے کہ عالم بے عمل کی، جاہل کی بہ نسبت سزا جزا بہت سخت ہے۔ پھر یہ نسبت سیادت، مضاعفت عتاب کی دوسری دلیل ہے اور تیسری بلا تالیفات ہیں۔ جو عدم اخلاص کی صورت میں مؤلف کے لیے وبال ہیں۔

واللہ! باللہ! عوام مسلمین اور جہال مومنین مجھ سے دنیا و دین میں ہزار درجہ بہتر ہیں۔ دنیا میں اس لیے کہ وہ ان مباحث، شکوک اور ریا سے بالکل الگ ہیں۔ جن میں علماء و فقہائے وقت گھرے ہوئے ہیں۔ سیدھے سادے ایمان دار، کلمہ گو، پابند صوم و صلوٰۃ اور حاجی ہیں۔ اور دین میں اس لیے کہ جہال سے ان کی جہالت اور نادانی کی وجہ سے جو ان کی معاصی سے تجاوز کیا جائے گا وہ علماء سے نہ ہوگا۔ غرضیکہ میری جان عجب خطرہ میں گرفتار ہے۔ اللہ فضل کرے گا تو بیڑا پار ہے ورنہ ہلاکت تو نقد وقت ہے! اللهم غفراً!

❶ [بخاری: ٥٢١٩]

فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی

میرے پاس جتنا مال ہے اس کی ہر سال زکوٰۃ ادا کرتا ہوں۔ بلکہ زکوٰۃ سے کچھ زیادہ ہی دے دیتا ہوں۔ اگر چہ زکوٰۃ کی مقدار کئی ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ میرے پاس نقدین کے سوا اور کوئی زکوٰۃ طلب مال بھی نہیں ہے۔ کتاب خانہ کو میں نے اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا ہے۔ میں اس کا مالک نہیں ہوں، علاوہ ازیں خزانۂ کتب پر زکوٰۃ واجب بھی نہیں ہے۔ خصوصاً جب کہ عالم ان کا محتاج ہو۔ خواہ یہ احتیاج ہر ماہ و سال نہ ہو بلکہ گاہے گاہے پیش آئے۔ بحمدہٖ تعالیٰ میری اولاد بھی ہر سال زکوٰۃ ادا کرتی ہے۔ اور ان میں کوئی بھی ممسک و بخیل نہیں ہے۔ میرے پاس کوئی ذاتی جائداد نہیں۔ میں رئیسہ معظمہ کے گھر میں مستعار رہتا ہوں۔ جس دن مر گیا اس دن سے میرا گھر خانہ گور ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین میں کسی ایک جگہ موت دی، جس کی تمنا دامن گیر ہے تو محض اللہ کا فضل ہوگا۔ مجھے معلوم ہے کہ مرزا مظہر جانجاناں کرایہ کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ استطاعت کے باوجود گھر نہ بنایا۔ پوچھا گیا تو فرمایا:

"جب چھوڑ ہی جانا ہے تو اپنا گھر اور غیر کا گھر برابر ہے۔"

داشت لقمان یکے کریچۂ تنگ
چوں گلو گاہ نائے وسینہ چنگ
بو الفضولے سوال کرد از دے
کیں چہ خانہ یک بدست وسہ نے
بادمِ سرود چشمِ گریاں پیر
گفت "ھذا لمن یموت کثیر"

"نور محل"، جس کے مردانہ وزنانہ تین قطعے الگ الگ ہیں، وہ میرے تینوں بچوں کا غریب خانہ ہے۔ پونے دو لاکھ روپے میں تیار ہوا، پھر اور بہت کچھ اس پر صرف ہوا۔ مسجد نور محل خانہ خدا ہے وہ کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ میں نے نیت کر لی تھی کہ میرے مال میں جو خالص حلال ہوگا، وہی اس مسجد پر صرف ہوگا۔ چناں چہ تیس ہزار روپیہ اس مسجد کی تعمیر میں صرف ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو شرفِ قبولیت بخشے تو زہے سعادت۔ یہ سب توفیق رئیسہ معظمہ کی وساطت سے ملی ہے، جن کے سبب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ابواب رزق کھول دیئے۔ "ورنہ چہ من و چہ مہر من"۔

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ [1]

حسب ونسب کی چند باتیں

میرے علم کے مطابق حضرت مخدوم کے زمانہ سے آج تک ہمارے خاندان میں کوئی بی بی نسب نامہ کے اعتبار سے غیر کفو نہیں آئی۔ البتہ تین عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

ایک والدہ محترمہ کہ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تھیں۔

دوسری میری اولاد کی والدہ کہ وہ صدیقی النسب تھیں۔ اور

تیسری رئیسہ عالیہ کہ یہ قومِ افغان سے تعلق رکھتی ہیں۔

باقی جملہ ازواج قدیماً وحدیثاً بنی فاطمہ ہی سے تھیں۔ اب جو اولاد کی شادی ہوئی ہے۔ تو پھر خاندانِ سادات صحیح النسب سے قرابت جا ملی ہے۔ وللہ الحمد!

عربیت قوم، سیادتِ نسب اور عربیت لغت وہ شرفِ عظیم ہے جو ہمیں جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے اتصالِ طینی و دینی بخشتا ہے۔ رئیسہ سے کچھ اولاد نہیں ہوئی، البتہ اولادِ معنوی یعنی تالیف واشاعت کتب، جو کہ سعادت کے اعتبار سے اولاد وذریت ظاہری سے بالاتر ہے۔ یہ توفیق حصولِ جاہ وفرصت کے سبب نصیب ہوئی۔ اگر رئیسہ عالیہ سے نکاح نہ ہوتا تو بظاہر ان کتب دینی کی اشاعت کی کوئی صورت نہ تھی۔ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ .

میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ میری اولاد ظاہری حسب کے ساتھ ساتھ حفظ نسب اور صحت ولادت کے لیے نہایت اہتمام رکھے گی۔ اور سیادتِ نسب کو شرفِ عظیم سمجھے گی۔ اگر چہ تقویٰ وطہارت کے بغیر آدمی میں کوئی بزرگی نہیں۔ اگر چہ میں مثل دود حارِ آتش اور مانند کرم تنگ آب ہوں اور اپنی کثرتِ عصیان کے باعث سخت نادم وبیتاب، لیکن میرے آباؤ اجداد اور امہات سب علماء واولیاء گزرے ہیں۔ الا ماشاءاللہ!

ہر جا کہ از بلندی و پستی سخن رود
از آسماں بلند تر از خاک کمتریم

مجھے اور میری اولاد کو اس بات کی غیرت کرنی چاہیے کہ ہم سب ان کے مبارک راستہ سے

---

[1] [البقرة: ۱۲۷]

انحراف نہ کریں، دنیا کو دین پر ترجیح نہ دیں۔ دنیا تو ایک خواب ہے سراب ہے، ڈھلتی چھاؤں ہے، نہ کسی کے پاس تھمی ہے نہ تھمے گی۔ وہ چیز جو قبر میں ساتھ جائے گی، وہ اعمالِ صالحہ اور علومِ نافعہ ہیں۔

اس خاک دان میں زندگی کا وقفہ بہت کم ہے، اور برزخ کا طول بہت زیادہ۔ پھر حشر کا دن تو پچاس ہزار برس کا ہوگا۔ آخرت کی دائمی نعمتوں کے لیے اس جہانِ فانی میں تکلیف یا تشویش کے ساتھ چند سال بسر کرنا فرض ہے۔ اگر یہ قلیل وقت ضائع ہوگیا تو پھر سمجھو کہ خیر کثیر سے محرومی نصیب ہوئی۔

اللھم احفظنا!

بیک تغافل از آشفتہ خاطری رم کن!
مژہ بہم زن وایں بزم جملہ برہم کن
جراحتے بدلت گر رسیدہ ست اے درد!
تو از گداختنِ خویش فکرِ مرہم کن

زندگی کے چند سفر

میں نے تمام عمر میں چند سفر کیے ہیں:

ایک سفر طلب علم کے لیے تھا۔ اس سفر میں فرخ آباد، کانپور میں صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر دہلی جا کر تحصیل کو پورا کیا۔

دوسرا سفر طلب معاش کے لیے تھا۔ بھوپال آ کر نوکری کی اور آٹھ ماہ ٹونک میں بھی رہا۔ اس کے علاوہ کسی اور جگہ نوکری نہیں کی۔

تیسرا سفر حرمین شریفین کا تھا۔ یہ آٹھ ماہ میں ختم ہوا۔

چوتھا سفر رئیسہ عالیہ کے ہمراہ بمبئی، احمد آباد، کلکتہ، دہلی اور آگرہ کا کیا۔ اس سفر میں لارڈ نارتھ بروک، لارڈ لٹن، لارڈ رپن اور دیگر حکام سے ملاقات ومصافحہ ہوا۔ اور عجائب بلاد وعباد دیکھے۔

بدل اگر نخلد آنچہ در نظر گزرد
خوشا روانی عمرے کہ در سفر گزرد

ان میں سے بعض سفر قطعہ عذاب تھے اور بعض وسیلہ ظفر۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید سفر آخرت کے علاوہ کسی اور سفر کا اتفاق نہ ہو۔

چشم پوشیدہ تواں کرد سفر
چہ قدر راہِ فنا ہموار ست

والد مرحوم کے زمانہ سے اب تک کا اگر خیال کیا جائے تو میرے خاندان میں اپنے والد، بھائیوں اور بہنوں کی بہ نسبت میری عمر زیادہ ہوئی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ خَیْرَ عُمُرِیْ آخِرَہٗ!

طلب معاش میں احتیاط

میں نے حصولِ معاش کے لیے کبھی دروغ گوئی، بالا خوانی، مکر وفریب اور چالاکی نہیں کی۔ حالاں کہ مجھے معلوم تھا کہ دنیا جھوٹ سے ملتی ہے۔ اور میں نے اس زمانہ میں جس کسی عامی عالم کو دیکھا اسے مداہن ہی پایا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھا کہ کشش وکوشش کے باوجود مقدار مقسوم سے کچھ زیادہ ان کے ہاتھ نہ آیا۔ دین گیا، دنیا بھی ہاتھ نہ آئی، اگر وہ لوگ قناعت کرتے اور نفائس انفاس کو سعی دنیا میں برباد نہ کرتے، تب بھی انھیں اتنا ہی ملتا اور دین بھی سلامت رہتا۔ لیکن شیطان انسان کا آبائی دشمن ہے۔ کم ہی لوگ اس کے دامِ مکر سے بچتے ہیں، اور یہ سب سے زیادہ اہل علم واہل دین ہی کو پھانستا ہے کیوں کہ دنیا داروں کی طرف سے فارغ البال ہے۔ اس لیے کہ وہ اصل فطرت کے اعتبار سے اسی کے غلام وپرستار ہیں۔ بلکہ ان میں بعض تو درہم ودینار کے ایسے پجاری بھی ہیں کہ شیطان کو ان کی شاگردی پر فخر ہے۔

وَكُنْتُ امْرَأً مِنْ جُنْدِ اِبْلِيْسَ فَارْتَقٰى
بِيَ الْحَالُ حَتّٰى صَارَ اِبْلِيْسُ مِنْ جُنْدِيْ

میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے کسب دنیا کی عقل نہیں ہے۔ بلکہ اکثر لوگوں سے زیادہ ہے۔ لیکن میں طبعی طور پر ان افعال کی جرأت نہیں کرتا جن سے دنیا ہاتھ آتی ہے۔ اور اس سے عدم جرأت کی وجہ یہ ہے کہ مجھے ان امور کا انجام اور آخرت کی سزا معلوم ہے۔ اور اگر یہ حجاب نہ ہوتا تو میں بھی اہل دنیا کے عقلاء کے زمرہ میں شمار بلکہ مشار الیہ ہوتا۔ لیکن اللہ کا مجھ پر احسان ہے کہ اس نے مجھے ہر جعل وفریب، نمک حرامی وخود غرضی، مالِ حرام وسرقہ، غصب ورشوت اور ربا وریا سے بچایا۔ لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔

پسندیدہ بات

جو بات اپنے لیے پسند کرتا ہوں، وہی سارے مسلمانوں کے لیے پسند کرتا ہوں۔ مثلاً یہ چاہتا

ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے چھوٹے گناہوں سے محفوظ رکھے، توحید خالص اور اتباع سنت کے ساتھ آراستہ کرے، ایسی محتاجی نہ دے جس کی بنا پر دین سے بیزاری پیدا ہو، اور جملہ مہلکات سے بچا کر منجیات کی توفیق بخشے وغیرہ وغیرہ۔

یہ تمام باتیں تہِ دل سے تمام مسلمانوں کے لیے بھی پسند کرتا ہوں۔ جو مسلمان خلافِ شریعت کوئی کام کرتا ہے تو مجھے اس پر تعجب ہوتا ہے کہ یہ کیسا مسلمان ہے؟ خصوصاً جب کسی مسلمان کو حقوق العباد ضائع کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو سخت تعجب ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کا مواخذہ سخت تر ہے، اور زیادہ تر لوگ اسی میں مبتلا ہیں۔ بلکہ بعض لوگ حقوقِ خدا میں تو کم قصور کرتے ہیں۔ لیکن حقوقِ عباد میں ان سے سخت فتور ہوتا ہے۔ حالاں کہ یہ ایسا گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک نہیں بخشے گا جب تک صاحبِ حق معاف نہ کردے یا بدلہ نہ لے لے۔

حقوق العباد

میرے ذمہ اولاد واقارب کے جتنے حقوق ہیں، میں حتی المقدور شریعت کے مطابق انھیں ادا کرتا ہوں۔ اگر کوئی شخص میرا حق ادا نہ کرے تو خاموش رہتا ہوں۔ باقی رہے احباب واغیار کے حقوق وغیرہ، تو اکثر لوگ شرعاً اس کے مصداق نظر نہیں آتے ہیں۔ اور جو نادر طور پر لوگ ملتے ہیں ان کے ساتھ جس قدر ممکن ہو مراعات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ بہت سے لوگوں نے ہزار ہا روپے قرض لیے اور نہ دیئے۔ میں نے ان میں سے اکثر کو معاف کردیا ہے۔ اور ان کا مؤاخذہ خدا کے ذمہ نہیں رکھا۔ اور کسی نے آدھا دیا، آدھا نہ دیا اور کسی نے دھوکا دے کر کچھ مال لے لیا۔ مَنْ خَدَعَنَا بِاللّٰهِ انْخَدَعْنَا لَهٗ!

دیدیم ہر کسے بجہاں ہوشیار بود
کردیم طرح عالم مستی برائے خویش

اور شاذ ونادر ایسے بھی تھے جنھوں نے پورا قرض دے دیا۔ بہت سے لوگ میرے سامنے پرزور تقریر کرکے اپنا کام نکال لے جاتے ہیں اور میں ان کو خوب جانتا پہچانتا ہوں۔ لیکن ان پر ظاہر نہیں کرتا کہ تم ایسے ہو۔ میں اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا کرتا ہوں کہ میں طبعی اور عملی طور پر ان جیسا نہیں ہوں۔

دنیا ہیچ ست و کارِ دنیا ہیچ ست
ہیچ ست تمام ایں تماشا ہیچ ست
یک عمر فریب اہلِ دنیا خور دیم
آخر دیدیم اینکہ دُنیا ہیچ ست

اس کے باوصف میرا خیال ہے کہ وہ مجھ سے بہتر ہیں۔ اس لیے کہ اگر ان میں یہ ایک نقص ہے تو صد ہا ہنر وکمال بھی موجود ہیں۔ اور میں اگر چہ ایک فریب دنیا داری میں ان کا شریک نہیں ہوں تو کیا ہوا، مجھ میں ان کی نسبت صد ہا عیوب زیادہ ہیں۔ تو وہی بہتر ہوئے اور پھر عصمت نہ میرے لیے ہے، نہ ان کے لیے۔

مَــنْ ذَا الَّــذِیْ مَــا سَــآءَ قَــطُّ
وَمَــنْ لَــهُ الْــحُسْــنٰــی فَــقَــطُّ

اور جس نے مجھ سے امانت ودیانت کے خلاف کوئی کام کیا یا کرے گا اور میں اس پر صابر وخاموش رہا یا آئندہ تجاہل کروں، تو اس کا یہ معاملہ میرے لیے موجب مغفرت اور اس کے لیے موجب عقوبت ہوگا۔ جو مسلمان قاصر العمل ہو اور اللہ کو اس کا بخشنا منظور ہو تو اسے اسی حیلہ سے بخش دیتا ہے کہ وہ لوگوں کے میل جول اور آفات پر تحمل کرتا ہے۔ اور یاروں کے غصب وفریب کا انتقام نہیں لیتا۔

❀❀..........❀❀..........❀❀

باب سوم

سونے کے آداب

جب رات کو سوتا ہوں تو تسبیح فاطمہ رضی اللہ عنہا، آیت الکرسی، سورۂ فاتحہ، ہر چہار قل، سید الاستغفار، اور کلمہ توحید وتمجید وغیرہ پڑھ کر سوتا ہوں، اور تمام ظاہری و باطنی گناہوں سے توبہ کر کے نیند میں جاتا ہوں۔ اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ نیند میں روح جسم سے آسمان کی طرف چڑھتی ہے۔ اگر ظاہری و باطنی طہارت پر نیند آئی ہو تو اسے اللہ کے سامنے سجدہ کا اذن ملتا ہے، ورنہ اس درگاہ میں داخل ہونے سے باز رہ کر خارج از درگاہ کھڑی رہتی ہے، سجدہ نہیں کر سکتی۔ اور گناہ گار ٹھہرتی ہے۔ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ افضل الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تھا:

اِيَّاكَ اَنْ تَنَامَ عَلٰى حَدَثٍ ظَاهِرٍ اَوْ بَاطِنٍ مِنْ مُحَبَّةِ الدُّنْيَا وَشَهَوَاتِهَا فَرُبَّمَا اَخَذَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِرُوحِكَ تِلْكَ اللَّيْلَةِ فَتَلْقَى اللّٰهَ تَعَالٰى وَهُوَ عَلَيْكَ غَضْبَانُ بِحَسْبِ قُبْحِ ذٰلِكَ الذَّنْبِ الَّذِيْ نِمْتُ عَلَيْهِ وَقَدْ قَالَ تَعَالٰى اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ . الاية . فَمَنْ نَامَ عَلٰى مَحَبَّةِ الدُّنْيَا وَمَاتَ فِيْ تِلْكَ النَّوْمَةِ حُشِرَ مَعَ مَبْغُوْضٍ لِلّٰهِ لَمْ يَنْظُرْ اِلَيْهِ مُنْذُ خَلَقَهٗ .

''ظاہری اور باطنی حدث پر سونے سے اپنے کو بچاؤ۔ باطنی حدث جیسے کہ دنیا کی محبت اور شہوات کیوں کہ ممکن ہے اس رات اللہ تعالیٰ تمہاری روح کو پکڑ لے اور تم اللہ سے ملاقات کرو اور وہ تم سے اس گناہ کی قباحت کی بنا پر ناراض ہو جس پر تم سوئے تھے اور اللہ تعالیٰ فرما چکے ہیں کہ ''کیا برائیوں کا ارتکاب کرنے والے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انھیں زمین میں دھنسا دے'' الآیۃ۔ جو آدمی دل میں محبت دنیا لیے سویا اور اسی نیند میں فوت ہو گیا تو اس کا حشر اللہ کے اس مبغوض شخص کے ساتھ ہوگا جس کی طرف اللہ نے اس کی پیدائش سے لے کر کبھی نظر رحمت سے نہیں دیکھا ہوگا۔

الحاصل یہ کہ حدث اکبر یا اصغر، ظاہری یا باطنی مثلاً کینہ، مکر وفریب، غل وحسد اور نقض مسلم وغیرہ کی حالت میں سونا مکروہ ہے، اسی طرح انسان جب نیند سے بیدار ہو تو سارے گناہوں اور شہوات وغیرہ

سے توبہ کرلے۔ شاید ناگہاں موت آجائے اور ملک الموت توبہ کی مہلت نہ دے۔ پس اے لوگو! ظاہری وباطنی طہارت پر سونے کو اپنا معمول بنالو، سستی نہ کرو، ورنہ آخرت میں ندامت اٹھانی پڑے گی۔

اوراد و وظائف

کھانے پینے کے وقت ہمیشہ شرعی آداب کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہوں یعنی شروع "بسم اللہ" سے کرتا ہوں اور آخر میں حمد الٰہی کہتا ہوں اور تناولِ طعام سے فراغت کے بعد دعائے مسنون پڑھتا ہوں۔ کپڑا پہنتے اور بیت الخلاء جاتے وقت کی جو دعائیں منقول ہیں، وہ بھی پڑھا کرتا ہوں۔ وضو کے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں کلمہ شہادت اور دعاء ماثور کا ورد کیا کرتا ہوں۔ اذان کے بعد دعاء وسیلہ اور حضرت کے نامِ مبارک کو کسی وقت بھی، اذان کے اندر یا باہر سن کر مسنون درود پڑھنا بھی میری عادت ہے۔ وللہ الحمد!

رمضان المبارک میں سارا ماہ یہ معمول رہتا ہے کہ سحری کے بعد آخر شب میں نہایت التزام کے ساتھ بارہ رکعت نمازِ تہجد پڑھا کرتا ہوں، اور مرض کے علاوہ قضاء نہیں کرتا۔ اسی طرح عام طور پر ایک ختم قرآنِ شریف تراویح میں اور ایک قرآن شریف تلاوت میں سنتا اور پڑھتا ہوں۔ ایک مدت دراز تک روزانہ "دلائل الخیرات" اور "حزبِ اعظم" کی تلاوت وقرأت کا بھی اتفاق رہا ہے۔

لَقَدْ كُنْتُ دَهْرًا قَبْلَ اَنْ يَّكْشِفَ الْغِطَا
اَخَالُكَ اَنِّيْ ذَاكِرٌ لَكَ شَاكِرُ
فَلَمَّا اَضَاءَ اللَّيْلُ اَصْبَحْتَ شَاهِدًا
بِاَنَّكَ مَذْكُوْرٌ وَّذِكْرٌ وَّذَاكِرُ

علم ادعیہ واذکار میں امام نووی رحمہ اللہ کی کتاب معروف ومقبول ہے۔ بعض اہل علم نے کہا ہے "بع الدار واشتر الاذکار" لیکن میری کتاب "نزل الابرار" اذکار کی نسبت زیادہ نفع بخش اور زیادہ جامع ہے۔ یہ بات محض تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ میرا علم وفضل نووی رحمہ اللہ سے زیادہ یا مساوی ہے۔ کیوں کہ میں نووی رحمہ اللہ کے خاکِ پا کے برابر بھی نہیں ہوں۔ کجا ذرہ کجا آفتاب۔ بلکہ میں تو بجائے خود نہایت شرمندہ اور خائف ہوں کہ مجھ سے فرائض نماز وروزہ کے سوا کوئی نفل عبادت ادا نہیں ہوتی اور فرائض بھی طریقہ اہل اللہ تو کجا، طریقہ فقہاء کے مطابق بھی یقیناً عمل میں نہیں آتے۔ ابلیس کا ایک مکر یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان عمل نہیں کرتا۔ اور وہ اسے سمجھا دیتا ہے کہ اللہ غفور

رحیم ہے۔ تیری مغفرت ضرور ہو جائے گی۔ وہ اسی دھوکے میں رہ کر مر جاتا ہے۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے شیطان کے اس مکر سے بچا کر عمل صالح کی توفیق بخشے۔ **وما ذلک علیه بعزیز!**

بعض مؤلفات پر نام نہیں لکھا

مؤلفین کے معمول کے مطابق جس طرح میں نے اپنی بعض کتابوں پر اپنا نام لکھا ہے، اسی طرح بعض پر بارادۂ اخلاص نام نہیں بھی لکھا۔ اور یہاں بھی ان کتابوں کا نام لکھنا نہیں چاہتا۔ جس طرح بعض کتب پر ہم عصروں نے نظم ونثر میں تقریظیں لکھی ہیں۔ اسی طرح کچھ کتب تقریظ کے بغیر بھی ہیں۔ بحمدہ تعالیٰ میری نظر میں مدح وذم برابر ہیں۔ مجھے اپنی مدح سن کر نہ ہزت وفرحت ہوتی ہے، اور نہ مذمت سن کر متاثر ہوتا ہوں، خواہ مخاطب سے یہ بات مخفی رہے بلکہ جو شخص میرے عیب مجھ پر ظاہر کرتا ہے یا ان کی اشاعت کرتا ہے تو میں دل میں اللہ کا شکر بجالاتا ہوں کہ میرے عیوب تو بے شمار تھے۔ لیکن ان لوگوں پر میرے بہت کم عیب ظاہر ہوئے ہیں۔ اور اگر وہ عیب فی الواقع مجھ میں ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اسے مجھ سے دور کر دے اور اگر مجھ پر افترا ہو تو اور بھی خوش ہوتا ہوں کہ وہ تہمت، غیبت، بہتان یا طوفان آخرت میں کام آئے گا۔ ایک بزرگ کو ایک شخص نے خواب میں دیکھ کر پوچھا تھا کہ

"اللہ نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟"

فرمایا کہ

"مجھے بخش دیا۔"

"کہا کس بات پر؟"

کہا کہ

لِقَوْلِ النَّاسِ فِيَّ مَا لَيْسَ فِيَّ .

"یعنی لوگوں کے میرے متعلق وہ کچھ کہنے کی وجہ سے جو مجھ میں نہ تھا۔"

مجھ پر اس شہر میں صدہا دینی ودنیاوی افترا باندھے گئے اور اب تک بلکہ شاید تا آخر حیات یہ کارستانی رہے گی۔ مگر اللہ کا شکر ہے کہ میں ان الزامات سے بری ہوں، اور شاید میری براءت ہی میری جان، مال اور آبرو کی حفاظت کا سبب ہے۔ اگرچہ میرے مخفی گناہ ان افترا پردازیوں کی بہ نسبت یقیناً زیادہ ہوں گے، جن پر مخلوق کو اطلاع نہیں ہے، ہاں جس کو اطلاع ہے۔ اس نے اپنے فضل وکرم

سے انھیں مستور رکھا ہے۔ یہ اس کا احسانِ کریم اور امتنان عظیم ہے۔ گناہ را اگر بوئے بودے ہیچ کس پہلوئے من نمی توانست نشست وَلٰكِنْ سَبَقَتْ رَحْمَتُهُ عَلٰى غَضَبِهِ ۔

اندازِ تصنیف

میری اکثر تالیفات نہایت تحقیق کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ حالاں کہ جو شخص کثیر التالیف ہو، اس سے غلطیاں بھی بکثرت ہوتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے جو کچھ لکھا پڑھا ہے اس میں کوئی سہو ونسیان نہیں ہوا ہوگا۔ بلکہ ہر تالیف میں ضرور خطائیں ہوں گی۔ کیوں کہ اللہ اور رسول ﷺ کے کلام کے سوا کسی بشر کی جمع وتالیف خطاء سے مبرا نہیں ہوسکتی۔ بلکہ مجھے تو معلوم ہے کہ دنیا میں کوئی مؤلف، مصنف ایسا نہیں ہوا جس کی تالیف وتصنیف پر اس کے کسی معاصر یا متاخر نے تنقید نہ کی ہو۔ ہر فقیہ اور ہر محدث کی ہر کتاب پر تنقید کی گئی ہے۔ مثلاً شروحِ حدیث میں سے "فتح الباری" بے مثل ہے۔ اور علماء نے اس کے حق میں کہا ہے کہ "لا ہجرۃ بعد الفتح" اس کے باوجود علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے اس کے بعض مقامات پر تنقید کی ہے اور سید محمد بن اسمٰعیل امیر نے "حالات فتح" میں مؤلف کا نسیان ثابت فرمایا ہے، اور ائمہ اعلام کی جملہ تالیفات کا یہی حال ہے پھر ہم ایسے عوام کا کیا ذکر۔ میں نے بھی علامہ شوکانی رحمہ اللہ کے بعض مسائل پر تنقید کی ہے۔ اور بعض جگہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی بعض تقریرات کو بھی تسلیم نہیں کیا، اس لیے کہ میرے پاس ان کے خلاف صحیح دلائل تھے اور ان کے دلائل میرے دلائل کے مساوی یا ان پر مقدم نہ تھے۔ لیکن اس بات سے نہ ان کا رتبہ کم ہوتا ہے اور نہ میرا رتبہ بڑھتا ہے۔ بلکہ صوری ومعنوی فضیلت انھیں ہی حاصل ہے اور بنی آدم انظار میں متفاوت الفہم ہوتے ہیں۔ ہمارا سارا علم ان کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے قطرہ بحر محیط کے سامنے یا ذرہ آفتاب کے سامنے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہر عالم پر جو چیز واجب ہے وہ ہے ظاہر کتاب وسنت کی موافقت۔ اور یہ موافقت اسی قدر ہوگی، جس قدر دلائل پر عبور ہوگا۔ اور وہی علم اس پر حجت بھی ہے۔ اور جس چیز کی دلیل کا ہمیں علم نہیں اس میں ہم معذور ہیں۔

بہر حال میرا یا کسی اور کا کسی کتاب کے متعلق یہ خیال کہ وہ خطاء سے محفوظ ہے، عین خطاء ہے بلکہ قول معروف یہ ہے کہ

"اَلْفَاضِلُ مَنْ عُدَّتْ سَقَطَاتُهُ وَاُحْرِزَتْ مُلْتَقَطَاتُهُ."

اور طریقہ انیقہ بھی یہی ہے کہ

"خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ."

میری اہل علم ودین کی خدمت میں گزارش ہے کہ میری کتاب کا جو مسئلہ کتاب وسنت کی صحیح نص کے خلاف ہو اسے اٹھا کر دیوار پر ماردیں اور جو مسئلہ قرآن وحدیث کے موافق ہو اسے قبول کرلیں۔ میں ان شاء اللہ اس ردّ سے خوش دل ہوں گا۔ مجھ میں یہ عصبیت، نفسانیت اور حمیت جاہلیت نہیں ہے کہ سخن پروری کروں، بلکہ خطاء وصواب کی تنقیح میرا عین مدعا ہے میں ہر شخص کی عمدہ بات کو جو شرع وعقل کے مطابق ہو قبول کرلیتا ہوں، خواہ وہ میرے برابر ہو یا مجھ سے بھی چھوٹا ہو۔ اور جو بات نصوص کے خلاف ہو اسے قبول نہیں کرتا۔ خواہ کہنے والا کتنا ہی بڑا عالم وفاضل اور قابل ہی کیوں نہ ہو۔

مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ قول تسلیم نہیں کرتا کہ ایک دن نار بھی فنا ہوجائے گی۔

شیخ ابن عربی کا یہ قول قبول نہیں کرتا کہ فرعون حالت ایمان میں مرا ہے۔

لیکن شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ کی یہ بات قبول کرتا ہوں کہ بدعت اگرچہ حسنہ ہو اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے اور آخر کار ختم وطبع اور رین (یعنی دل پر مہر اور زنگ) کی نوبت آجاتی ہے۔ اور سنت اگرچہ اندک ہو اس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔

پہلی باتوں کو مسترد اور آخری کو قبول کرنے کا سبب یہ ہے کہ پہلی دو باتیں ادلہ شرعیہ کے ظاہر کے خلاف ہیں اور شیخ عبدالحق رحمہ اللہ کا یہ قول سنت صحیحہ کے موافق ہے کہ

"كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ."

اور اپنی تالیفات کے حق میں بھی اس ضابطہ کو پسند کرتا ہوں تاکہ حساب کے دن ذمہ پاک رہے۔ وباللہ التوفیق!

چند بہترین کتب

میری اکثر تالیفات آثارِ سلف اور علماءِ راسخین کی مؤلفات کے تراجم پر مشتمل ہیں، جو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ یا نقل ہو کر آئے ہیں۔ وہ علم درحقیقت علمائے سابقین اور ائمہ امت کا علم ہے نہ کہ میرا علم واجتہاد، میں تو فقط ان کا حمال ونقال ہوں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے حمل ونقل کو امانت ودیانت کے ساتھ ادا کیا ہے۔ سرقہ وخیانت کا ارتکاب نہیں کیا۔ اور حتی الامکان اس بات کا التزام کیا ہے کہ قولِ راجح کو نقل کروں، مذہب قوی بتاؤں، موافقت کتاب وسنت کو ملحوظ رکھوں، رائے محض سے اجتناب کروں، کسی جگہ بھی مذاہب فرقہ ناجیہ سے باہر نہ جاؤں، اور ہر فتویٰ کی بنیاد علم

حق اور تقویٰ پر ہو، تاویل، حیلہ سازی اور اقوالِ ضعیفہ پر نہ ہو، بلکہ میں نے عمل کے لیے ہر امر میں اصح الصحیح کو اختیار کیا ہے۔ خواہ عبادات ہوں یا معاملات، ذکر ہو یا دعا۔ شرائع کی کثرت ظاہر ہے، سب کا بجالانا معلوم ہے اور اہم فالاہم کی تقدیم لازم۔ یوں تو ساری تالیفات تحقیق حقیق اور تدقیق لئیق کے ساتھ متصف ہیں۔ لیکن ان میں سے چند تو علم الہدیٰ ہیں۔ مثلاً تفسیر فتح البیان، عون الباری، سراج وہاج، حضرات التجلی، تاج مکلل، مسک الختام، نیل المرام، اکلیل الکرامۃ، حصول المامول، ذخر المحتی، روضہ ندیہ، ظفر اللاضی، رسالہ جنت، رسالہ دوزخ، نزل الابرار، افادۃ الشیوخ، بدور الاہلۃ، تقصار، حج الکرامۃ، دلیل الطالب، ریاض المرتاض، خیرۃ الخیرۃ اور لسان العرفان وغیرہ۔

یہ بات ظاہر ہے کہ ہر عالم کی ہر کتاب کی شان ایک جیسی نہیں ہوتی جو تصنیف طلب علم کے زمانہ کی ہو، یا فضیلت کے ابتدائی دور کی ہو۔ تو وہ ناقص، غیر محقق اور اکثر طور پر رطب و یابس سے خلط ملط ہوتی ہے، اور جو تکمیل درس، مشاقی فن، ترقی مدارجِ علم، قوتِ مراتب فہم اور عبورِ تام کے بعد کی تصنیفات ہوتی ہیں اس کی شان دوسری ہوتی ہے۔ اس بات میں سارے مؤلفین عالی شان یکساں ہی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بہت سی تصنیفات ہیں مگر سب ایک رتبہ کی نہیں۔ انھوں نے خود اپنی بعض کتابوں کو مختار بتایا ہے۔ مثلاً "فتح الباری" اور "تلخیص الحبیر" وغیرہ باقی کو ضعیف القویٰ کہا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ کی کتابوں میں سے "احیاء العلوم" اور "کیمیائے سعادت" سب سے بہتر ہے، اس کے باوجود ان پر تنقید کی گئی ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ کی تالیفات میں سے نیل، سیل، وبل، درر بہیہ، تفسیر اور ارشاد الفحول عمدہ اور اخذ واعتماد کے لائق ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تصنیفات میں سے "ازالۃ الخفاء"، "فتح الرحمٰن" اور "حجۃ اللہ البالغۃ" عمدہ ہیں۔ باقی سب معمولی اور رسمی ہیں۔ تاہم فوائد زوائد سے وہ بھی خالی نہیں۔

نادان لوگ رطب و یابس میں امتیاز کے بغیر کبھی تو ہر شخص کی ہر تصنیف سے کسی مسئلہ ضعیف کی تصحیح یا بدعت کی تحسین کے لیے دلیل لاتے ہیں یا اعتراض کرتے ہیں کہ فلاں مسئلہ یا قول اس کی کتاب میں غلط و مردود لکھا ہے۔ یہ سچ ہے لیکن اگر تالیف معتمد و نامعتمد اور تصنیف معتبر و نامعتبر میں امتیاز کے بعد کاروائی عمل میں آتی ہے تو اس کا نفع زیادہ ہوتا اور یہ استدلال یا اعتراض بھی وقوع میں نہ آتا۔ لیکن

اکثر اہل عصر انصاف سے دور اور جور و اعتساف کے نزدیک ہیں۔ سفاہت کو فقاہت اور شعور کو بلاہت خیال کر کے طوفانِ بے تمیزی میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ الا من رحمه الله تعالی و حفظه!

پھر جو لوگ ایسے ہیں کہ انھیں معانی علوم کی اطلاع نہیں ہے یا فقط فارسی دان اور اردو خوان ہیں، وہ کسی کے فقط کہنے سننے اور تعریف کرنے سے مشائخ کے حالات و مقامات کے رسائل کے پابند ہو کر عارف باللہ بن بیٹھے ہیں۔ حالاں کہ ان میں سے بہت سے ملفوظات بے اصل ہیں یا احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں کیوں کہ اکثر مشائخ خصوصاً متاخرین صوفیہ شغل عبادت کے باعث علوم دینیہ کی تحقیق سے الگ تھے۔ ایسی جگہ لازم ہے کہ فارسی و اردو کا جو رسالہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہو اسے لے لینا چاہیے، اور جو مخالف ہو اسے چھوڑ دینا چاہیے۔

یہ بات خود ان رسائل کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتی ہے یا کسی معتبر عالم کے بتانے سے کہ کون کتاب و سنت کے موافق اور کون مخالف! مثلاً فارسی رسائل میں سے ''معمولات مظہریہ''، ''مقاماتِ مرزا صاحب''، اور ''مکاتیب حضرت مجدد صاحب'' اگرچہ رطب و یابس سے خالی نہیں تاہم نافع ہیں، اسی طرح اردو رسائل میں سے ''تقویۃ الایمان''، ''راہِ سنت''، ''نصیحۃ المسلمین''، ''دعایۃ الایمان''، ''فتح المغیث''، ''لسان العرفان''، ''ارکانِ اربعہ'' اور ''ضوء الشمس'' وغیرہ لائق تمسک ہیں۔ وباللہ التوفیق!

ابوابِ شریعت میں عبور

میں نے شریعت کے اکثر ابواب میں عبور حاصل کر کے ہر باب کے لب لباب کو طرزِ انیق کے ساتھ اپنی کتب میں جمع کر دیا ہے۔ شاید ہی کوئی باب شریعت ہو جس کے متعلق میری کوئی کتاب نہ ہو۔ اس جگہ اگر تحدیث بالنعمۃ کے طور پر یہ کہوں کہ جس کے پاس میری تمام کتب ہوں، وہ مہمات مسائل اور امہاتِ احکام میں کسی اور کتاب کا محتاج نہیں ہو گا تو یہ بات غلط نہیں۔ یا اگر یہ کہہ دیا جائے کہ جسے میری سب تالیفات کے مندرجات کا علم ہے وہ عالم کامل ہے تو اس میں بھی کچھ مبالغہ نہیں ہو گا۔ پھر میری یہ کتابیں دو سہ علم مثلاً علم اصول دین، علم فقہ سنت، علم تفسیر، علم اصولِ فقہ اور بعض علومِ حدیث میں تو دیگر کتب سے بالکل مستغنی کر دیتی ہیں۔

الحمدللہ کہ میں اپنے اقران سے عدد و عدد مؤلفات، کثرتِ اطلاع علومِ سلف اور کثرتِ اموال و سعادتِ اولاد بہت سے امور میں ممتاز ہوں۔

وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیهِ مَنْ یَّشَآءُ !

یہ بات بطریق عجب نہیں کہہ رہا، اس لیے کہ میرا کوئی فعل وعمل نہیں ہے کہ اس پر ناز کروں بلکہ میں تو بندۂ مستعمل اور غلام مستخدم ہوں، فاعل حقیقی رب العالمین ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ ❶

پھر عجب کس بات پر! بلکہ میرا یہ بیان خالق منان کی نعمت کے اظہار شکر کے لیے ہے کہ اس نے اپنے فضل وامتنان سے میری زبان ودل سے کام لیا، اور مجھے اس خدمت کی بجا آوری کی توفیق بخشی۔ سو یہ بات خوش دلی کے لائق ہے نہ کہ تکبر کے۔

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا﴾ ❷

ایک جماعت ان لوگوں کی بھی ہے جو اپنے تئیں علماء کہتے ہیں یا لوگ انھیں اصحابِ فضیلت مانتے ہیں۔ حالاں کہ وہ اس شغل سے علیحدہ ہیں اور ان کا علم صرف اسی تقلید مجرد پر منحصر ہے اور تحقیق کی طرف کبھی سر نہیں اٹھاتے ہیں۔ اور سر اٹھائیں بھی کیا جب کہ تقلید کے گھر پیدا ہوئے، شیر رائے سے پرورش پائی، مرکب ہوا پر سوار ہوئے اور اسی تقلید میں مر گئے اور کچھ نہ جانا کہ کیوں آئے اور کہاں سے آئے اور کدھر گئے اور ہم سے کیا مقصود تھا اور وہ حاصل بھی ہوا یا کہ نہیں؟

در بہاراں زاد و مرگش در دے ست!
پشہ کے داند کہ بستان از کے ست!

دشمنوں سے نرمی

اللہ نے مجھے حلیم، سلیم، رحیم اور کریم بنایا ہے۔ میرے سامنے اگر میرا دشمن بھی آ جائے تو میں اس سے اخلاق اور نرمی گفتگو سے پیش آتا ہوں، وہ عذر کرے تو شرما جاتا ہوں اور خود کسی سے دنیا ودین میں دشمنی نہیں کرتا۔ مخالف بداطوار شخص یا دشمن کے حق میں میرے غصہ کی انتہا یہ ہے کہ اس کے تمام احوال واطوار سے قطع نظر کر کے خاموش ہو جاتا ہوں اور جدا رہتا ہوں۔ اس کے نیک وبد سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا، وہ جانے اور اس کا کام۔

---

❶ [الصفت:٩٦]   ❷ [یونس: ٥٨]

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا
دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام
کہ بادوستانت خلاف ست و جنگ

لیکن دوست اس زمانہ میں نایاب ہیں۔ آج کل جو کسی سے ظاہری یا باطنی طور سے دشمنی نہ کرے اسے بڑا دوست سمجھنا چاہیے

مرا بخیر تو اُمید نیست بد مرساں

اس زمانہ میں عداوت یا بغض کا بڑا سبب رشتہ داری، دوستی یا احسانِ باہمی ہے۔ جو بغض اخوان واقربا کو ہوتا ہے، جو حسد ہم مناصب لوگ باہم کرتے ہیں اور جو عداوت محسون کو محسن کے ساتھ ہوتی ہے وہ غیر کے ساتھ نہیں ہوتی۔ یہ تو امورِ دنیا کے اعتبار سے ہے۔ رہا امر دین، تو اہل فسق وریا کو عداوتِ دینی سب سے بڑھ کر دامن گیر ہوتی ہے۔ اہل بدعت ہرگز آنکھ بھر کر اہل سنت کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور اہل فسق رات دن اہل تقویٰ کی شکست کے درپے رہتے ہیں۔ اہل دنیا کو علماء سے جو بغض ہوتا ہے وہ جہلاء سے نہیں ہوتا۔ گور پرست اور پیر پرست اہل توحید کے جانی دشمن ہیں۔ مقلد، متبعین سنت سے عداوت رکھتے ہیں۔ پھر ان فجار فساق اور بدعقائد لوگوں کے ہاتھ سے جو ضرر اہل عقائد صحیحہ واعمالِ صالحہ کو پہنچتا ہے وہ ان کے ہاتھ سے اُن کو نہیں پہنچتا۔ اس جگہ لوگوں نے میرے ساتھ دین اور دنیا دونوں اعتبار سے دشمنی کی۔ لیکن میں اب تک ان کی عداوت کے اثر سے بحکم ﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ ❶ محفوظ رہا اور میں نے کسی سے دشمنی یا انتقام کے متعلق سوچا تک نہیں۔ اگرچہ انھوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

ہوتا ہے وہاں مشورۂ قتل ہمارا
لو حضرتِ دل اور سنو تازہ خبر اور

مجھے اس جگہ کے اعداء کا حال اور ان کی ظاہری وباطنی چالاکیاں نام بنام اور کام بکام معلوم ہیں۔ میں حلفاً ان کی تصدیق اور عدالتاً ان کا ثبوت دے سکتا ہوں۔ لیکن خلاف مصلحت ہے۔ شاید وہ میری اس کم سخنی خاموشی اور اعراض کو میری حماقت یا عجز پر محمول کرتے ہوں گے۔ لیکن نفس الامر میں یہ

---

❶ [الروم: ٤٧]

بات نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے۔

چیں بر جبین ز جُنبش ہر خس نمی زنند
دریا دلاں چو موجِ گہر آرمیدہ اند

اخلاقِ حسنہ وسیئہ

ہر چند کے میں متحلّی بفضائل اور متخلّی عن الرذائل نہیں ہوں۔ لیکن دل سے رذائل ذمیمہ، خصالِ ذمیمہ اور مہلکاتِ آخرت کو مکروہ سمجھتا ہوں، اور صفاتِ حمیدہ، فضائل سنجیدہ اور منجیاتِ عقبیٰ کو محبوب جانتا ہوں اور سب مسلمانوں سے بھی اس امر کا خواہاں ہوں کہ وہ حسناتِ ظاہری و باطنی کے حاصل کرنے میں کوشاں رہیں، اور صوری و معنوی سیئات کو ترک کر دیں۔ اگر چہ اس حالت کا مناسب وجود اور وقوع اس عالم غرور وزور میں محال ہے۔ لیکن کوشش کی جائے تو یہ ممکن ہے کہ حسنات کا پلہ گراں رہے اور سیئات کا سبک ہو جائے کہ اس صورت میں نجات کی اُمید باقی رہتی ہے۔ اگر ذرہ بھر بھی ایمان غالب ہو جائے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ خلودِ نار سے رہائی ہوگی اور اگر نعوذ باللہ عصیان کا پلہ راجح رہا تو پھر ہلاکت یقینی ہے۔ فوز کا مرتبہ تو ہم سے ہزار مرحلہ دور ہے۔ اس منصب کے لوگ ہزاروں میں دو چار ہوتے ہیں، اگر چہ سلف میں ہزاروں ایسے ہی تھے اور ہالک بہت کم، مگر اس عہد آخر میں تو معاملہ بالکل الٹ ہو کر رہ گیا ہے۔ آج منکر معروف ہے اور معروف منکر، بدعت سنت ہے اور سنت بدعت، حسنات سیئات کی طرح مہجور و متروک ہیں اور سیئات حسنات کی طرح مقبول ومعمول۔

بیادر بزمِ رنداں تا بہ بینی عالمِ دیگر
بہشتِ دیگر و ابلیسِ دیگر آدمِ دیگر

اس زمانۂ آفت نشانہ میں اگر کوئی شریعت کے عشر پر چلے تو اسے ناجی سمجھنا چاہیے۔ لیکن ہمیں تو اس کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا۔ ہمارا وقت دیانت وامانت وملت کا عصر نہیں بلکہ حکمت وطبیعت کی دولت وسلطنت کا عہد ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صبح و شام کفر واسلام کا تواتر لیل ونہار کے پے در پے آنے کی طرح ہو رہا ہے۔ صبح کو اگر دل ایمان پر ہوتا ہے تو شام تک اس کا رنگ بدل کر میلان کفر کی طرف ہو جاتا ہے اور کبھی معاملہ اس کے برعکس اور یہی وہ حالت پر ملالت ہے جس کی خبر مخبر صادق ﷺ نے حدیث میں دی ہے:

اَللّٰهُمَّ حَيَاةً عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَمَاتًا عَلَى الْإِيْمَانِ .

چار محبوب علوم

اگر چہ مجھے علومِ رسمیہ، درسیہ، متداولہ سے تحصیل فنون کے سبب اوسط درجہ کی مناسبت ہے۔ لیکن علم تفسیر، حدیث، فقہ سنت اور علومِ تصوف کا میرے دل پر غلبہ و تسلط ہے۔ اور میرے پاس ان چار علوم کی کتب زیادہ ہیں اور میری زیادہ تر تالیفات بھی انھیں علوم میں ہیں۔ اگر چہ حظیرۃ القدس وغیرہ میں علومِ حکمت، منطق، ہیئت، جغرافیہ اور تاریخ وغیرہ کے مباحث بھی آ گئے ہیں۔

تاہم علم نافع وہ ہوتا ہے جو انسان کے ہمراہ قبر و حشر اور جنت و نار تک جائے، وہ علم نافع نہیں جس کا نفع اسی گھر تک رہے، اور وہاں اس کا عالم مفلس و تہی دست ہو جائے۔ پس ایسے علوم یہی چار ہیں۔ یا وہ جو ان کے آلات و معدات ہیں۔ باقی سارے فنون اسی دنیا میں رہ جائیں گے۔ کیوں کہ وہ اسی دنیا کے ہیں آخرت کے نہیں۔ اور ان فنون کے علماء اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں کہ

﴿ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴾ ❶

''وہ لوگ جن کی کوشش دنیوی زندگی میں ضائع ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں۔''

پھر جب یہ لوگ آخرت میں پہنچیں گے تو اس مضمون کو ملاحظہ کریں گے۔

﴿ وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴾ ❷

''اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ چیز ظاہر ہوگی جس کا انھیں گمان بھی نہ تھا۔''

اور اب اس جگہ ان کی کیفیت یہ ہو رہی ہے:

﴿ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝ ﴾ ❸

''تم کو غافل کر دیا ایک دوسرے سے بڑھ کر (مال) طلب کرنے نے۔ حتیٰ کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ دیکھو تمھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ پھر دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ دیکھو اگر تم علم الیقین جانتے ہوتے (تو غفلت نہ کرتے) تم ضرور جہنم کو دیکھو گے۔ پھر تم

---

❶ [الكهف: ١٠٤] ❷ [الزمر: ٤٧] ❸ [التكاثر: ١ تا ٧]

اسے عین الیقین دیکھو گے۔"

دنیا کی ناپائیداری

اس دارِ ناپائیدار میں زندگی کا وقفہ بہت کم ہے، اس لیے کہ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ ہزار ہا لوگ جو مجھ سے کم عمر تھے، مر گئے، اقران میں سے بھی بہت سے لوگ چل بسے، اور بڑی عمر کے لوگ بھی نہ رہے، اور اِس امت کے افراد کی اوسط عمر ساٹھ ستر کے درمیان ہے۔ بشرطیکہ آفات وامراض سے سلامت رہے، اس عمر سے تجاوز کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے بلکہ بچے جوانوں کی بہ نسبت اور جوان بوڑھوں کی بہ نسبت زیادہ فوت ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کے حال، قال اور افعال پر بڑا تعجب ہوتا ہے، جو حیات فانی اور انتظامِ خانہ داری کے لیے صدہا سال کا بندوبست کرتے ہیں۔ اور کبھی انھیں موت یاد نہیں آتی۔ لوگوں کا مرنا تو دیکھتے سنتے ہیں، لیکن اپنے مرنے کا انھیں یقین نہیں ہے۔ اگر یقین ہوتا اور اللہ چاہتا تو دنیا میں اتنے منہمک اور لہو ولعب اور سیئات ومنکرات میں اتنے محو نہ ہوتے بلکہ ان کے گناہ نیکیوں سے کم ہوتے، اور یہ اہل نجات میں داخل رہتے۔ لیکن شیطان نے اپنے دامِ غرور میں اس طرح پھانس رکھا ہے کہ خوابِ غفلت سے بیدار ہی نہیں ہو رہے۔ ورنہ عبرت کے لیے صدہا آیاتِ بینات موجود ہیں۔

﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴾

"اور ہم نے ان سے قبل کتنی ہی بستیاں ہلاک کر دیں، کیا تو ان میں سے کسی کو دیکھتا ہے یا ان کے واسطے کوئی آہٹ سنتا ہے؟"

این سطرِ جادہ ہا کہ بصحرا نوشتہ اند
یارانِ رفتہ از قلم پا نوشتہ اند

میرے باپ نے چالیس اور بڑے بھائی نے تیس سال کی عمر میں وفات پائی، اور دو بہنوں نے بھی اسی کے لگ بھگ عمر میں انتقال کیا۔ اک میں ہنوز باقی ہوں۔ میری عمر اب پچپن سال ہو گئی ہے۔ نہیں معلوم کہ حیات مستعار کے کتنے سانس باقی ہیں۔ کچھ بھی ہو سفر آخرت کا زمانہ سر پر آ گیا اور کچھ کام ہاتھ سے نہ بنا۔

کارے نسا ختیم و دمیدن گرفت صبح
او جی چراغ خانہ بر افسانہ سوختیم!

گو لوگ مجھے صدیق کہتے ہیں مگر میں اپنی اس معاصی وذنوب والی پیری کو صبح کاذب کی طرح جانتا ہوں۔اس لیے کہ ؎

سیاہی زموو رفت واز رو نرفت

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِیْ آخِرَهٗ. آمین، یا رب العلمین !

معاملات میں نرمی

میں معاملاتِ خلق میں غایت درجہ کی مسامحت کرتا ہوں، قیمت میں کمی وبیشی امانت کے وفاء وعدمِ وفاء اور اتلافِ اشیاء وغیرہ حالات وتصرفات میں اللہ کے بندوں سے اینچ کھینچ نہیں کرتا بلکہ دیدہ ودانستہ درگزر کر جاتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔اس لیے کہ مجھے اللہ سے اُمید ہے کہ وہ روزِ حساب مجھ سے درگزر فرمائے گا یہ سعادت کہ میرا حق کسی پر رہ جائے اور کسی کا حق مجھ پر نہ ہو، کم نہیں ہے، اللہ قبول فرمائے!

اللہ اپنے حقوق کو تو اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادے گا۔

''چہ کنم بایں مشتے گناہگار جز آں کہ بیامرزم''

لیکن حقوق العباد کا بڑا ڈر ہے، جس میں بہت سے لوگ لاپروائی کا شکار ہیں۔اکثر شہروں میں عرصہ دراز سے میت کے مال کی وراثت کی شرعی حصص کے مطابق تقسیم دیکھنے سننے میں نہیں آرہی، حقوقِ اقرباء کے غصب واتلاف کے لیے بھی ہزار حیلے نکالے جاتے ہیں۔اور اجنبیوں سے جلب منفعت کے لیے تو صدہا مکر وفریب اور کذب کی صورتیں عمل میں آچکی ہیں۔

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ [1]

من ز وضعِ زمانہ در فکرم!

کہ مبادا ازیں بتر گردد

نسب قابل فخر نہیں

مجھے نہ اپنے نسب پر فخر واعتماد ہے نہ اپنے حسب وجاہ کا کچھ اعتقاد اور نہ اپنے علم پر مباہات۔ بلکہ مجھے خوب معلوم ہے کہ اگر میں رسولِ خدا ﷺ کا بلاواسطہ فرزند بھی ہوتا تو ثواب وعتاب میں تمام

---

[1] [الروم: ٤١]

امت ہی کی طرح ہوتا اور اگر حسب میں کسی امام مجتہد یا کسی بادشاہِ مستعد کا بیٹا ہوتا تو اس بات کو بھی میری اخروی نجات میں کوئی دخل نہ ہوتا۔ کیوں کہ اللہ کے نزدیک شرافت و امارت کا نہیں بلکہ تقویٰ وطہارت کا اعتبار ہے۔ شرافت و امارت پر انحصار کے خیالِ خام میں ایک دنیا ہلاک ہوگئی۔ اگر میں کسی کا غلام ہوں، اور دنیا میں میری کچھ آبرو نہ ہو، مگر اللہ کا بندۂ مسلمان بن جاؤں تو میرے نزدیک یہ ہزار حسب ونسب سے بہتر ہے۔

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب ز روم
زخاکِ مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

ہاں جب کوئی نسیب حسیب نسب علی وحسب جلی کے مالک لوگوں کا سا کام بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدۂ کریم کے مطابق اسے عزت و نجات بخشتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سید جب عالم، عامل یا عارفِ کامل ہو تو وہ غیر سید عالم و عارف سے زیادہ صاحب شرف ہوتا ہے اور اگر سید، جاہل، بددین، بدعقیدہ اور بدعتی ہو تو اس کا حسب ونسب کسی کام نہیں آئے گا۔

پسرِ نوح با بداں بنشست
خاندانِ نبوتش گم شد
سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

عامۃ المسلمین جو پابند دین ہوں، وہ اس دن اس سید سے بہتر ہوں گے جو تابع دین نہیں ہے، وہ جنت میں جائیں گے۔ اور یہ دوزخ کی سیر کرے گا! اللھم احفظنا!

نسیب وحسیب وعلیم ہونا بظاہر موجب امتیاز ہے۔ لیکن ان فضائل کے عواقب روح کو پگھلا دینے والے ہیں۔ کیوں کہ بے تقویٰ شریف، بے طہارت حسیب اور بے عمل علیم کی سزا ان لوگوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوگی جو ان فضائل سے محروم ہیں۔ اگر ایک جہت سے بچ گیا تو دوسری، تیسری جہت مہلک ہوگی۔

فَلَوْ كَانَ رُمْحًا وَاحِدًا لَا تَّقَيْتُهُ
وَلٰكِنَّهُ رُمْحٌ وَثَانٍ وَثَالِثُ

ایسی حالت پر ملامت میں محض اللہ کا فضل ہی درکار ہے۔

خَلُّوْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اَرْحَمِ الرَّاحِمِیْنَ!

ترکِ دنیا کی خواہش

جب کبھی کچھ حوصلہ ہوتا ہے تو دل ترکِ دنیا ہی کی طرف جھکتا ہے۔ دنیا کی حکومت اور دولت میں ترقی کا خیال کبھی دامن گیر نہیں ہوا۔ اگر چہ ترک وتجرید کی توفیق ابھی تک ہاتھ نہیں آسکی ۔

منم کہ روئے دلم در شکستِ کار خود ست
وگرنہ گبرد مسلمان رواج می طلبند

لیکن میں اس ارادہ ونیت سے خوش ہوں کہ نیت تو بجائے خود نیک ہے۔ کیا عجب کہ یہ ارادہ کسی دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد سے عملی صورت اختیار کر جائے۔ اللہ کی رحمت تو مجرد صالح نیت پر بھی اجر کی امید دلاتی ہے۔

"نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ ." ❶

اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو ان کے عمل کا انتظار کیے بغیر صرف ان کی نیک نیتوں کی بنا پر ہی بخش دیا۔ اس کی رحمت عامہ کو فقط بہانہ چاہیے۔

غَفَرْتُ لِهٰؤُلَآءِ وَلَا أُبَالِيْ .

وہ جس طرح نکتہ گیر ہے۔ اسی طرح نکتہ نواز بھی ہے۔ لیکن بموجب نص حدیث صحیح اس کی نکتہ نوازی اس کی نکتہ گیری پر سابق ہے۔ دیکھو "قہار" صفت جلالی ہے، اس میں "قاف" کے عدد ایک سو ہیں، "غفار" صفت جمالی ہے، اس میں "غین" کے عدد ایک ہزار ہیں، اسی طرح رحمت کے مدارج کا غضب کے مدارج سے فرق سمجھو کہ ایک سو سے ہزار تک نو گنا فرق ہے۔ وللہ الحمد!

خوف ورجا

مجھ پر حالت رجا کی بہ نسبت حالت خوف کا غلبہ رہتا ہے۔ لیکن اس میں عیب کی کوئی بات نہیں کیوں کہ خوف کا نتیجہ بہت کم ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن رجا بعض اوقات یاس میں تبدیل ہونے لگتی ہے۔ یہ خوف گویا اشتہائے کاذب ہے اور رجا گویا جرأت نالائق ہے۔ خوف ہوتا تو برستے ہوئے مینہ کی طرح یہ لگا تار گناہ کیوں ہوتے۔ پھر دل کے گناہ الگ ہیں وہ سب ۶۶ ہوتے ہیں، اور بدن کے گناہ الگ ہیں، وہ سب ایک سو چار ہیں۔ اگر چہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں رات دن یہ سارے گناہ کرتا رہا ہوں۔

---

❶ [رواه الطبراني: ٦/ ٢٢٨ والديلمي والعسكري الحلية: ٣/ ٢٥٥]

لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ مجھ سے صغائر و کبائر یقیناً سرزد ہوئے ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کو میں جانتا ہوں، اگر چہ میں نے ان سے توبہ کر لی ہے۔ قبول وعدمِ قبول کا حال اللہ ہی جانے، بعض وہ ہیں جو صرف اللہ کو معلوم ہیں، میں ان کو نہیں جانتا یا بھول گیا ہوں۔ ہر چند ان سے بھی توبہ کرتا ہوں، لیکن عقاب، حساب اور عتاب وغیرہ کا خوف لگا رہتا ہے۔ اس لیے کہ محض رجا مرجیہ کا مذہب ہے، اور محض خوف خوارج کا۔ مومن کو چاہیے کہ خائف وراجی ہو، حیات میں خوف غالب رہے اور موت کے وقت رجاء وحسن ظن غالب آ جائے۔ لیکن محض تمنا سے نہیں بلکہ ظہورِ ثمرات کے اعتبار سے!

عُمْرُکَ بِالْحِمْيَةِ اَفْنَيْتَهُ خَوْفًا مِنَ الْبَارِدِ وَالْحَارِ
وَکَانَ اَوْلٰى لَکَ اَنْ تَتَّقِیْ مِنَ الْمَعَاصِیْ حَذَرَ النَّارِ

انسان چاہے تو اپنے نفس کی دونوں حالتوں کا امتحان کر سکتا ہے۔ اگر ہر ساعت میں محاسبہ نفس نہ کر سکے تو صبح وشام محاسبہ کرنے سے تو کوئی امر مانع نہیں ہے۔ جس کا حساب اس جگہ پاک ہے، اسے وہاں محاسبہ کا کچھ باک نہیں ہے۔ آخرت میں لوگ چار طرح کے ہوں گے، فائزین، ناجین، معذبین اور ہالکین۔ ان کی تفصیل رسالہ ”توزیع العباد“ میں لکھ دی گئی ہے۔ ہم ایسے لوگوں کو اگر زمرۂ ناجین میں محشور کیا جائے تو غنیمت باردہ (نہایت خوشی کی بات) ہے۔ اگر معذبین میں مبعوث ہوں تو عدل ہے، ورنہ اس حالت راہنہ کے پیش نظر ہلاک ہونا نقد وقت! اگر چہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن فائزین تو کجا اِن کی گردِ راہ کو بھی پہنچنا محال نظر آتا ہے۔ ختم اللہ لنا بالحسنی

گناہ سے نفرت

میں گناہ کر کے کبھی اپنے جی میں خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ میرا جی یہ چاہا کرتا ہے کہ مجھ سے کوئی صغیرہ گناہ بھی سرزد نہ ہو، لیکن یہ بات محال ہے۔ جب مجھ سے کوئی نیک کام بن پڑتا ہے، تو اپنے جی میں نہایت خوش ہوتا ہوں، اگر چہ اس کی قبولیت کا علم نہیں، لیکن نیکی کے عمل سے خوش ہونا اور گناہ سے استغفار کرنا ایمان کی ایک علامت ہے۔

بعض لوگ گناہ کرنے کے لیے کسی قولِ فقیہ یا روایت ضعیف کو حجت ٹھہراتے ہیں یا کسی حیلہ وتاویل سے اسے جائز بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ ”عذرِ گناہ بدتر از گناہ“ ہے۔ گناہ کا گناہ سمجھ کر سرزد ہو جانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ گناہ کو گناہ نہ سمجھتے ہوئے اس کا ارتکاب ہو۔ شرک وکفر ایسا گناہ ہے، جس میں جہالت، حیلہ یا تاویل مقبول نہیں ہوتی اور نہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کو

معاف فرمائے گا الا یہ کہ توبہ کر لی جائے۔ باقی گناہوں میں گنجائش ہے کہ جہالت کی معذرت قبول ہو بلکہ اللہ چاہے تو بطورِ خرقِ عادت کبیرہ کو بغیر توبہ کے معاف کر دے اور چاہے تو صغیرہ پر پکڑ لے۔ اس لیے نہ کبیرہ پر مایوس ہونا چاہیے اور نہ صغیرہ کو حقیر جاننا چاہیے۔ البتہ توبہ صادق ضرور گناہوں کو محو کر دیتی ہے۔ اے اللہ تو ہمیں توفیق عنایت فرما اور بخش دے!

شرک و بدعت سے توبہ کرنا سب سے مقدم ہے۔ اس لیے کہ شرک کے ستر اور بدعت کے بہتر در ہیں۔ شرک وہ بلا ہے جس سے بڑے بڑے اکابر نہ بچ سکے اور یہ بدعت وہ آفت ہے جس میں بڑے بڑے اہل علم پھنس گئے۔ جاہل مومن شرک کو شرک نہیں سمجھتا اور بدعتی بدعت کو اچھا سمجھتا ہے۔ اس لیے انھیں توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔

توبہ واستغفار

میں توبہ واستغفار کے الفاظ ماثورہ کو ہمیشہ زبان پر جاری رکھتا ہوں، خواہ گناہوں سے تحفظ حاصل نہ بھی ہو کیوں کہ گناہ کرنا تو گناہ ہے ہی لیکن توبہ واستغفار کی طرف دل کو نہ لگانا ایک دوسرا گناہ ہے۔ کیوں کہ گناہ کے بعد توبہ فی الفور واجب ہو جاتی ہے۔ پھر اگر دوبارہ وہی گناہ ہو جائے یا کوئی اور، تو پھر اسی دم توبہ کرنی چاہیے۔ ایک گناہ کے بعد انسان ارادہ کرتا ہے کہ وہ دوبارہ یہ قصور نہیں کرے گا۔ مگر نفس امارہ اور شیطانِ لعین کے گمراہ کرنے سے دوبارہ سہ بارہ پھر وہی گناہ کر گزرتا ہے۔ اگر ہر گناہ کے ساتھ توبہ واستغفار کی توفیق ملتی رہے تو بحکم

﴿ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ﴾

گناہوں اور توبہ واستغفار کے درمیان موازنہ ہوتا ہے۔ استغفار بڑھ جائے تو گناہ گھٹ جاتے ہیں۔ اس لیے شرع شریف میں کثرتِ استغفار مطلوب ہے۔

" طُوۡبٰى لِمَنۡ وُجِدَ فِیۡ صَحِيۡفَتِهٖ اِسۡتِغۡفَارًا كَثِيۡرًا. [1] اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡتَغۡفِرُكَ وَاَتُوۡبُ اِلَيۡكَ مِنۡ جَمِيۡعِ الۡمَعَاصِیۡ وَالذُّنُوۡبِ الَّتِیۡ صَدَرَتۡ مِنِّیۡ اِلَى الۡاٰنِ وَقَدۡ عَلِمۡتُ يَا رَبِّ اَنَّ مَغۡفِرَتَكَ اَوۡسَعُ مِنۡ ذُنُوۡبِیۡ كُلِّهَا وَرَحۡمَتَكَ اَرۡجٰى عِنۡدِیۡ مِنۡ اَعۡمَالِیۡ . "

---

[1] [ابن ماجہ:۳۸۱۸]

آلام ومصائب

مجھ پر جو مصائب وشدائد آتے ہیں، میں انھیں اللہ کی رحمت سمجھتا ہوں کیوں کہ جو شخص آگ کا مستحق ہو اور اس پر خاکستر ڈال دی جائے تو اسے شکر بجالانا چاہیے۔ یہ ساری آفات ہمارے بداعمال کا نتیجہ ہیں۔ خدا کرے یہ مصیبتیں ہمارے لیے آخرت کی سزا کا کفارہ ہوں، اور ہم دنیا سے سبک بار ہوکر اٹھیں۔ میں ان مصیبتوں کو مقدارِ استحقاق سے کم پا کر یہ خیال کرتا ہوں کہ جو آفات ومصائب مجھ پر نہیں آئے غالباً اللہ تعالیٰ نے رحم فرما کر انھیں معاف فرما دیا ہے:

كما قال الله تعالى ﴿ وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ﴾ ❶

ناقدریِ علماء کا دور

میں ایسی صدی میں پیدا ہوا ہوں کہ علماء وصلحاء میں سے کسی شخص کی قدر ومنزلت نہیں ہے، آخرت کے جویا کے لیے یہ امر نہایت فائدہ بخش ہے، اس لیے کہ جس زمانہ میں اہل علم وصلاح، معزز ومکرم اور معتقد فیہ ہوتے تھے، اُس زمانہ میں ریا، شہرت، جاہ اور ریاست کی آفتیں بھی بے حساب تھیں۔ اس زمانہ میں ناپرسی خلق کی وجہ سے ریا کاری کے کارخانہ کا حال نہایت شکستہ ہے، اس وقت کا خالص عمل قلیل اس دور کے عمل کثیر سے بڑھ کر ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ

"زمانہ ہرج میں عبادت آنحضرت ﷺ کی طرف ہجرت کی طرح ہے۔" علمائے آخرت کو چاہیے کہ اس زمانہ آفت نشانہ کو غنیمت سمجھیں، اور زیادہ نہ ہو سکے تو مامورات کے عشر ہی پر عمل کریں۔

اگلے اہل علم وصلاح عام لوگوں سے بھاگتے تھے۔ اور خلوت کے طالب تھے، تاکہ دل علائق دنیا سے مشوش نہ ہو، عبادت اور شغل علم کی فرصت ملے۔ لیکن ان کے معتقد عوام وخواص انھیں نہیں چھوڑتے تھے، اور یہ بات اس زمانہ میں بلاکلفت ہی حاصل ہے کہ اب کوئی شخص کسی شخص سے حسن اعتقاد نہیں رکھتا۔ خواہ وہ بڑا عالم اور صالح ہی کیوں نہ ہو، بلکہ دنیاداروں کو بحکم

"اَلْمَرْءُ يَقِيْسُ عَلٰى نَفْسِهٖ."

---

❶ [الشوریٰ: ۳۰]

ہر شخص کے متعلق سوءظن ہی رہتا ہے، چناں چہ یہ علمائے آخرت اور اہل صلاح کے لیے عمدہ وقت ہے۔ اے کاش وہ اس کی کچھ قدر جانیں!

رہے دنیا طلب علمائے سوء، سو ان کی اقسام بے حساب ہیں، وہ جو کچھ نہ کریں تھوڑا ہے۔ میں اس زمانہ میں جس کو بھی دیکھتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا یوم الحساب کا منکر ہے۔

''دمِ ہر خرے کہ برداشتم مادہ برآمد''

کیا وہ لوگ جو لباسِ علم و فقر میں ہیں، اور کیا وہ جو غلام و پرستارِ دنیا ہیں۔

اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ هَلْكٰى اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ وَالْعَالِمُوْنَ كُلُّهُمْ هَلْكٰى اِلَّا الْعَامِلُوْنَ وَالْعٰمِلُوْنَ كُلُّهُمْ هَلْكٰى اِلَّا الْمُخْلِصُوْنَ وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰى خَطَرٍ عَظِيْمٍ .

حسد نہیں بلکہ رشک

میں کسی شخص سے کسی دینی و دنیوی فضیلت و مزیت کی وجہ سے حسد نہیں کرتا بلکہ یہ سمجھتا ہوں کہ یہ تقسیم نعمت اللہ کی طرف سے ہے:

﴿ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ [1]

''ان کے درمیان ان کی معیشت دنیوی زندگی میں ہم نے تقسیم کی ہے۔''

کسی نے میرا حصہ تو نہیں چھینا کہ اس پر حسد کروں، اور جو کسی دوسرے کی قسمت میں ہے، وہ بھی ہرگز مجھے نہیں مل سکتا پھر حسد چہ؟ ہاں سلف و خلف میں جو اہل فضل و تقویٰ گزرے ہیں، ان کے تراجم احوال سے مطلع ہو کر یہ رشک ضرور ہوتا ہے، کاش! یہ فضائل و خصائل مجھے بھی ملتے۔ مجھے بھی ان جیسا علم نصیب ہوتا، میں بھی ویسا متقی اور عابد، زاہد ہوتا جیسے وہ لوگ تھے۔ یا جو شخص مالِ حرام سے سخاوت کرتا رہا ہو اس پر رشک آتا ہے کہ اگر مجھے دسترس ہوتی تو میں بھی راہِ خدا میں اسی طرح ایثار سے کام لیتا، اور مال خرچ کرتا۔ یہ رشک بری بات نہیں بلکہ کیا بعید کہ اللہ تعالیٰ اس نیت کو قبول فرمالے۔ اور اس پر اجر عطا کرے۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى . [2]

---

[1] [الزخرف: ۳۲]

[2] [متفق علیہ، بخاری: ۱۔ مسلم: ۱۵۵/ ۱۹۰۷]

اہل اللہ سے محبت

میں سارے صحابہ رضی اللہ عنہم، اہل بیت، تابعین، ائمہ مجتہدین، جماعت محدثین، زمرہ متبعین، فقہائے متقین اور صوفیائے صالحین کے حق میں خوش اعتقاد ہوں اور اپنے دل میں ان کی محبت پاتا ہوں، اور دل تمنا کرتا ہے، اے کاش! ان کی صحبت نصیب ہوتی اور اپنے زمانہ کے لوگوں کی صحبت سے بچ جاتا۔ اگر چہ ان کے احوال، اقوال، اعمال اور خصال کے تراجم اور حکایات کتب طبقات وسیر میں موجود ہیں اور ان کے ملاحظہ ومطالعہ سے ان کے اوقاتِ صالحات کی کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔ اور ان کے ملفوظات وکلماتِ طیبات میں ہنوز کسی قدر اثر وبرکت باقی ہے، جس سے دل ان جیسے حالات کی تحصیل کی ہمت کرتا ہے۔ مگر عوائق دنیا کی وجہ سے محروم رہ جاتا ہے لیکن اہل اللہ اور اہل علم باللہ کی صحبت میں ایک نہایت سریع الاثر مخصوص برکت مؤثرہ ہوتی ہے، جو مجھ سے فوت ہوگئی ہے۔ ہم ایسے دور میں آئے ہیں کہ دین پر ثابت قدم رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے، مقاماتِ احسان وعرفان تو بہت دور ہیں۔

"اَللّٰھُمَّ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِکَ."

اس کے باوجود مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ میری مذکورہ لوگوں سے محبت آخرت میں نافع ہوگی۔

شُنیدم کہ در روزِ اُمید و بیم
بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

اللہ، رسول اور اولیاء اللہ کی محبت نجاتِ آخرت کے لیے ایک اچھا وسیلہ ہے، مگر یہ محبت زبان سے نہیں بلکہ دل سے ہونی چاہیے۔ ایسی محبت محبّ کو محبوب تک پہنچا دیتی ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ!

اہل فسق سے محبت نہیں

میرے دل میں فسق یا اہل فسق سے محبت کی قطعاً گنجائش نہیں۔ میں ایسے لوگوں کی صحبت سے، جنہیں رات دن معصیت کے خیال اور دنیا طلبی کے کاموں کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوتا، سخت پریشان خاطر ہوتا ہوں۔ اگر چہ اپنے نفس کو پاک صاف نہیں کہتا:

﴿وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ﴾ ❶

---

❶ [یوسف:۵۳]

بلکہ میں اپنے نفس کو سب سے زیادہ عاصی، مذنب، آثم، فاسق بلکہ منافق سمجھتا ہوں۔ کیوں کہ دقائق نفاق بے انتہا ہیں اور ان کی شناخت کرنا ہر شخص کے بس کا کام نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ

''آپ مجھ میں تو نفاق کی کوئی بات نہیں پاتے!''

اِن سے اس لیے پوچھا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دان اور عالم بالنفاق تھے۔ پھر ہم سے نالائقوں کے لیے اطمینان کی کون سی جگہ ہے؟

اس میں کچھ شک نہیں کہ فرض کیا کہ اگر ہم میں وہ نفاق نہ بھی ہو جو اسلام و کفر کا ہے تو نفاق عملی تو ضرور موجود ہے۔ جب کلام و بیان، قلب و جنان کے مطابق نہ ہو تو یہ نفاق کا ایک شعبہ ہے، اور جب قول، فعل کے مطابق نہ ہو تو یہ بھی نفاق ہی ہے، اس کے فروع و جزئیات احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔

اَللّٰھُمَّ تُبْ عَلَیْنَا

نجاتِ آخرت کے لیے اخلاقِ حسنہ درکار ہیں۔ کثرتِ علم ہمراہ عدمِ عمل درکار نہیں۔

يَا مَنْ تَقَاعَدَ عَنْ مَكَارِمِ خُلْقِهِ
لَيْسَ التَّفَاخُرُ بِالْعُلُوْمِ الْفَاخِرَةِ
مَنْ لَمْ يُهَذِّبْ عِلْمُهُ اَخْلَاقَهُ
لَنْ يَّنْتَفِعَ بِعُلُوْمِهِ فِي الْآخِرَةِ

خوشامد سے نفرت

اللہ نے مجھے لوگوں کی خوشامد سے محفوظ رکھا ہے، کبھی کسی دوست یا دشمن کی خوشامد نہیں کی بلکہ ہر شخص سے اپنا معاملہ صاف اور سیدھا رکھا ہے۔ خواہ کوئی خوش رہا ہو یا ناخوش۔ بعض لوگ مجھے متکبر سمجھتے ہیں اور بعض متواضع، مجھے دونوں امر سے کچھ بحث نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر دل کی بات کو جانتا ہے۔ تکبر ایسا رذیل فعل ہے کہ ذلیل و رذیل لوگوں کے سوا کسی شریف، اور عاقل سے اس کا وقوع نہیں ہوسکتا۔ جس کی حقیقت مشت خاک اور قطرۂ ناپاک ہو، اور رات دن قاذورات اٹھائے ہوئے ہو، اسے تکبر کرنا کب زیب دیتا ہے؟ اور تواضع انہی لوگوں کی طرف سے محبوب ہے جو گردن فراز ہیں۔ فقیر حقیر نے اگر خاکساری ظاہری کی تو یہ خود اس کی طینت ہے، اس میں فخر کیا؟

رزقِ فراواں

اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے اس زمانہ فساد میں جس میں سد رمق کے بقدر رزقِ حلال ملنا سخت مشکل ہے، بمقتضائے کرمِ عمیم اور بفحوائے ﴿یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ [1] کسی سعی وجہد کے بغیر رزقِ حلال فراواں سے نوازا۔ رئیسہ عالیہ نے کسی تحریک اور رابطہ کے بغیر مجھ سے نکاح کرلیا، اور معاش کے لیے ایک بڑی جاگیر دے دی، جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے مجھے طلب رزق کی ہزاروں مکروہات ومنکرات سے بچایا۔ یہ معاش شرعاً حلال وطیب ہے۔ میری جاگیر میں صیغہ مال کے جو ناجائز وجوہ تھے، میں نے انہیں اپنی اور اپنی اولاد کی جاگیر سے یک قلم ترک کردیا ہے۔

چناں چہ اسی سال جائز وناجائز کے علاوہ ۲۷ ہزار روپیہ خزانہ ریاست میں واپس کردیا ہے، اس کے عوض اللہ نے مجھے دوسرا گاؤں جمع اصلی پر دلوادیا ہے۔ جو کام اللہ کے لیے ہوتا ہے اس کا اجر نہ دنیا میں برباد جاتا ہے اور نہ آخرت میں۔ میں رئیسہ کو ایک واسطہ سمجھ کر ان کا شکر گزار رہوں اور اللہ کے شکر سے تو بالکل قاصر ہوں۔

﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾ [2]

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو ان کو حیطہ شمار میں نہیں لاسکو گے۔ یقیناً انسان بہت ظالم اور ناشکرا ہے۔''

اب رہا باقی رہنا اس معاش کا تادمِ آخر یا بعد از موت تو مجھے اس کی فکر نہیں۔ کیوں کہ میں اگرچہ میت ہوں لیکن جس مالک حقیقی نے یہ رزق دیا ہے وہ حی وقیوم ہے، وہ چاہے گا تو یہ حالت باقی رہے گی۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ [3]

عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد
خمیرِ مایۂ دکانِ شیشہ گر سنگست

اور اگر وہ نہ چاہے گا اور ساری دنیا چاہے گی تو کچھ نہ ہوگا۔

---

[1] [الرعد:۲٦] [2] [ابراھیم:۳٤]

[3] [الذاریت:۵۸]

﴿ وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ ❶

''اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تمام جہانوں کا پروردگار چاہے۔''

پھر جو بات میرے اختیار سے باہر ہے۔ اس میں خوض جہالت وضعف ایمان ہے۔ اللھم وفقنا اہل دین کے نزدیک فقد مال کچھ چیز نہیں، البتہ فقد کمال ایک مصیبت عظمیٰ ہے۔

تَعَلَّمْ مَا الرَّزِيَّةُ فَقْدُ مَالٍ!
وَلَا شَاةٍ تَمُوْتُ وَلَا بَعِيْرُ؛
وَلٰكِنَّ الرَّزِيَّةُ فَقْدُ حِبْرٍ؛
يَمُوْتُ بِمَوْتِهِ بَشَرٌ كَثِيْرًا!

داغِ یتیمی

میں یتیم پیدا ہوا تھا، گھر میں کوئی مرد نہ تھا جو تعلیم وتربیت کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے کتاب بینی اور علم کا شوق دیا۔ مطالعہ کتب کے علاوہ کسی لہو ولعب کا شغل نہیں تھا اور نہ کسی کھیل تماشے کا ذوق وشوق تھا۔ جب ذرا شد بد ہوگئی تو صرف ونحو پڑھ کر دہلی چلا گیا اور وہاں مفتی صدر الدین خان رحمہ اللہ سے دو برس میں کتب درسیہ پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

یتیم بچے پر اللہ تعالیٰ کی خاص نظر عنایت ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یتیم تھے۔ اُمی ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انھیں ناسخ جمیع ملل اور شرع جملہ سبل بنایا۔ ان کے حال کے ساتھ ادنیٰ سی محبت بھی ایک بڑی فضیلت ہے۔

مرا از زلفِ او موئے بسند است!
فضولے میکنم بوئے بسند است

﴿ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ﴾ ❷

''کیا نہیں پایا اس نے تجھ کو یتیم پس جگہ دی۔''

یہ آیت مجھ پر بھی صادق آتی ہے۔ اگر اس ایواء کی شرح کی جائے تو طول ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے جدا کر کے مدینہ منورہ میں جگہ دی، اور مجھے میرے وطن سے نکال کر

---

❶ [التکویر: ٢٩] ❷ [الضحی: ٦]

اس جگہ حالت وسعت وبسط میں رکھا۔

شَرَّقَنِیْ غَرَّبَنِیْ   اَخْرَجَنِیْ عَنْ وَطَنِیْ
فَاِذَا تَغَیَّبْتُ بَدَا   وَاِنْ بَدَا غَیَّبَنِیْ

صراطِ مستقیم کی ہدایت

میں گمراہ تھا، نہیں جانتا تھا کہ حق کیا ہے؟ اللہ نے مجھے صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرمائی:

﴿ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴾ [1]

''اور پایا اس نے تجھ کو گم کردہ راہ پس اس نے راہ دکھائی۔''

ہندوستان کے مسلمانوں میں شرک وبدعت کا رواج تھا۔ اکثر لوگ خصوصاً میرے وطن کے شیعہ درافضی تھے، جو سنی تھے وہ گور پرست، پیر پرست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے والد ماجد کے ہاتھ پر ایک جم غفیر کوراہ یاب کیا تھا۔ میں نے ہوش سنبھال کر انہی لوگوں کو پایا۔ اگر اہل قرابت کی صحبت میسر آتی تو تعجب نہ تھا کہ میں بھی ان کی طرح گمراہ ہوتا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہوشِ کامل بخشا اور علم دین دیا تو اس بات کا یقین ہوگیا کہ اصح دین اور افضل طریق وہ ہے، جس پر ہمارے سلف صالح تھے۔ یعنی ظاہر کتاب اور واضح سنت کا اتباع اور یہ بات اس وقت اور بھی واضح ہوگئی جب اعتقادی وعملی طور پر اسے اختیار کیا گیا۔ وللہ الحمد!

اس وضوحِ حق کے بعد اللہ سے درخواست یہ ہے کہ اس نعمت کا اتمام فرمائے۔ یعنی خاتمہ بھی ہدایت پر ہو، کیوں کہ جب تک ایمان پر مرنا نصیب نہ ہوگا، دل پریشان رہے گا۔

وَكَيْفَ تَنَامُ الْعَيْنُ وَهِيَ قَرِيْرَةٌ
وَلَمْ تَدْرِ فِيْ اَيِّ الْمَحَلَّيْنِ تَنْزِلُ

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اَنْتَ وَاَنَا اَنَا فَافْعَلْ بِيْ مَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَلَا تَفْعَلْ بِيْ مَا اَنَا اَهْلُهٗ فَاِنِّيْ اِذًا لَّمِنَ الْخٰسِرِيْنَ.

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى

میں عائل تھا، معاش بہت کم تھی، والدہ مرحومہ، ہر سہ ہمشیرگان اور ان کے ازواج، خدام اور

---

[1] الضحیٰ: ۷

میری اولاد سب کا نفقہ میرے ذمہ تھا۔ رزاق مطلق نے ان کی ظاہری کفالت کا ذمہ مجھ سے متعلق کر رکھا تھا۔ حالاں کہ مجھے معاش پیدا کرنے کا بالکل سلیقہ نہ تھا اور نہ اب تک ہے۔ جو تنخواہ ملتی تھی، اسی سے گزر اوقات کرتا تھا۔ اِدھر فکر آزوقہ (روزی) تھی۔ اُدھر اندیشہ عقبٰی، جان عجب کشمکش میں گرفتار تھی۔

گہے تلاشِ معاش ست و گاہ فکرِ معاد
مصیبتے دو جہاں بر سرِ دل افتاد ست

ناگہاں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا سبب پیدا فرمایا جو بسط کا باعث ہوا۔ جملہ متعلقین کو وسعت آسودگی حاصل ہوگئی۔ عیال کا بار میرے ذمہ سے جاتا رہا۔ بے منت خلق مجھے اور انھیں بسہولت رزق حاصل ہوا۔ رئیسہ عالیہ نے ہر بچے کو علیحدہ جاگیر عنایت فرما دی۔ میں ان کی طرف سے بالکل بے فکر ہوگیا۔ اور ﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ﴾ کا مضمون ظاہر ہوا۔ وللہ الحمد!

اگر اللہ تعالیٰ کا یہ لطف جلی و خفی میرے حال پر نہ ہوتا تو نہ معلوم میرا اور ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ مجھ پر اور میری اولاد پر واجب ہے کہ اس نعمت کا تہِ دل سے شکر بجالایا کریں۔ اور بار بار ﴿ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ﴾ [1] کہا کریں۔ کیوں کہ اس کلمہ مبارکہ کو ابقائے نعمت میں بڑا اثر ہے اور اہل علم نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ شکر کرنا صید مزید قید عبید ہوتا ہے اور ناشکری مزیل نعمت و جالب نقمت ہوتی ہے۔ عیاذاً باللہ تعالیٰ!

آنحضرت ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں احسان فرمائے اور فرمایا کہ

﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ [2]

''پس تو یتیم پر ستم نہ کر۔ اور مانگنے والے کو مت ڈانٹ اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کو بیان کر۔''

مذکورہ تین احسانات کے عوض اللہ تعالیٰ نے یہ تین حکم ارشاد کیے ہیں۔ اگرچہ مقدار واجب سے عہدہ برآ ہونے سے قاصر ہوں تاہم بحمداللہ کسی قدر ان سہ امور کا خیال کرتا ہوں۔

---

[1] [الکھف: ۳۹]

[2] [الضحیٰ: ۹ تا ۱۱]

شیخ کامل کی پہچان

شیخ کا کمال اور تکمیل اسی میں منحصر نہیں کہ اس سے خرق عادت کا ظہور ہو، خواطر پر اشراف رکھتا ہو، یا وجد و حال وشوق میں رہتا ہو۔ کیوں کہ اس قسم کے افعال تو جوگی، فلسفی اور برہمن لوگوں سے بھی سرزد ہوتے رہتے ہیں اور یہ امور سعادتِ بشر کی دلیل بھی نہیں، لہٰذا کامل اور مکمل شیخ وہ ہے جو ظاہر شریعت پر مستقیم اور کتاب وسنت پر عامل ہو۔ تاکہ اس پر متقی کا اطلاق ہو سکے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ولایت کوتقویٰ میں منحصر فرمایا ہے:

﴿ان اولیآءہ الا المتقون﴾ ❶

''نہیں ہیں اس کے دوست مگر پرہیز گار۔''

متقی کی صحبت میں بیٹھنے میں خواہ اس سے فائدہ ہو یا نہ ہو، کوئی قباحت نہیں۔ اگر صحبت میں اثر نہ دیکھے تو جدا ہو جائے۔ لیکن اس کے ساتھ حسن ظن رکھے اور جس کی صحبت میں تاثیر پائے، اس کی صحبت اختیار کر لے۔ اس لیے کہ حق مقصود ہے، شخص نہیں۔

تاثیر سے مراد یہ ہے کہ اس کی صحبت میں دل کی حالت ایسی ہو جائے کہ دل دنیا سے سرد پڑ جائے۔ خدا، رسول اور خدا کے دوستوں کی محبت، اعمالِ صالحہ کی الفت اور حسنات کے کرنے اور سیئات سے بچنے کی توفیق حاصل ہو۔ اسے دیکھ کر خدا یاد آئے، حضور و آگاہی کا دوام میسر ہو۔ ذکر خدا سے اطمینان و جمعیت خاطر میسر ہو، نیک کاموں سے اس کی نسبت و حالت بڑھے اور برے کاموں سے دل میں تنگی و بے آرامی اور نسبت میں کمی واقع ہو۔ چناں چہ حدیث میں آیا ہے:

إِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَآءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ ❷

''جب تیری نیکی تجھے خوش کرے اور تیری برائی تجھے بری محسوس ہو تو تو مومن ہے۔''

یہ اسی طمانینت و تنگی سے کنایہ ہے، اس زمانہ میں ایسے شیخ کا ملنا نہایت مشکل ہے۔ اسی وجہ سے حضرت مجدد نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے:

''ہر مریضے کہ طالب صحت کاملہ یعنی نسبت محمدیہ باشد باید کہ اتباع سنت نبویہ را بہتر از جمیع

---

❶ [الانفال: ٣٤]

❷ [رواه احمد: ٥/ ٢٥١ وابن حبان: ١٠٣ والطبراني والحاكم: ١/ ١٤ و ٢/ ١٣ والبيهقي]

ریاضات ومجاہدات شناسد وانوار وبرکاتے کہ براں مترتب گردد افضل از ہمہ فیوضات داند وہمہ مواجید واذواق متعارفہ را در جنب جمعیت باطن ودوام حضور اعتباری نہد ودر صحبت عزیز یکہ ازیں اموراثرے دریابد اورا نائب رسول اللہ ﷺ دانستہ خدمتش لازم گیرد وبجوز وموبز ایں راہ فریفتہ نشود اگرچہ لذید باشد۔ والسلام!"

"ہر وہ مریض (روحانی) جو صحت کاملہ یعنی نسبت محمدیہ ﷺ کا طالب ہو اسے چاہیے کہ اتباع سنت نبویہ کو تمام ریاضات ومجاہدات سے بہتر سمجھے اور اس (اتباع) پر مترتب ہونے والے انوار وبرکات کو سب فیوضات سے افضل جانے اور ہر قسم کے متعارف ومروّج وجد وذوق وحال کو جمعیت باطن اور دوامِ حضور کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہ دے اور جس گرامی قدر شخص کی صحبت میں ان امور کے کچھ آثار دیکھے اس کو رسول اللہ ﷺ کا نائب سمجھ کر اس کی خدمت خود پر لازم کرلے۔ اور اس راہ کے اخروٹ اور منقیٰ پر فریفتہ نہ ہو اگرچہ وہ لذیذ ہوں۔ والسلام!"

نسبت کی حقیقت

تمام طرقِ مشائخ کا مرجع تحصیل نسبت کی طرف ہے اور یہ نسبت نام ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور سکینت ونور کے ساتھ ایک طرح کے انتساب وارتباط کا۔ نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک کیفیت ہے جو نفس ناطقہ کے اندر حلول کر جاتی ہے اور نفس ملائکہ کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور جبروت کی طرف متطلع رہتا ہے۔ نفس کو یہ کیفیت اس طرح ہاتھ آتی ہے کہ وہ طاعات وطہارات اور اذکار پر مداومت کرے یہاں تک کہ یہ امور جبروت کی طرف توجہ کے لیے ملکہ راسخہ بن جائیں۔ پھر اس کے انواع واقسام بھی بہت ہیں۔ مثلاً نسبت محبت، نسبت شوق، نسبت کسر نفس، حظوظِ نفس سے مبرا ہونے کی نسبت کا نام نسبت اہل بیت ونسبت مشاہدہ ہے۔

اس سے توجہ الی المجرد البسیط کا ایک ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بات غلط ہے کہ ان اشغالِ مشائخ کے بغیر یہ نسبت حاصل نہیں ہوتی۔ نسبت ان میں منحصر نہیں بلکہ یہ اشغال تو اس کے حاصل کرنے کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریقہ ہیں۔ ورنہ اکثر اکابر علماء اس نسبت سے محروم ٹھہریں گے، حالاں کہ فضائل علم، فضیلت عبادت سے فائق تر ہیں۔ اور اگر علمائے آخرت اللہ کے اولیاء اور صاحب نسبت نہیں ہیں تو پھر کوئی بھی اللہ کا ولی نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا سکینہ حاصل

کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ خشوع اور حضورِ دل کے ساتھ خلوت میں صلوات وتسبیحات پر اور طہارت پر بھی مواظبت رکھا کرتے تھے اور موت، اطاعت شعاروں کے ثواب اور نافرمانوں کے عقاب کو یاد رکھ کر لذاتِ حسیہ سے الگ رہتے تھے۔ قرآنِ مجید ہمیشہ تدبر سے پڑھتے، ناصح وواعظ کے کلام کو سنتے اور احادیث رقاق پر عمل کرتے تھے۔ ان امور پر ایک مدت تک عمل پیرا رہنے کے باعث انھیں ملکہ راسخہ حاصل ہو جاتا تھا۔ پھر بقیہ عمر اس کی حفاظت فرماتے تھے۔ ''قولِ جمیل'' میں فرمایا ہے:

وَهٰذَا الْمَعْنٰى هُوَ الْمُتَوَارِثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ طَرِيْقِ مَشَائِخِنَا لَا شَكَّ فِيْ ذٰلِكَ وَاِنِ اخْتَلَفَ الْاَلْوَانُ وَاخْتَلَفَتْ طُرُقُ تَحْصِيْلِهَا.''

''ہمارے مشائخ کے طریق سے یہی معنی آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں اگرچہ اس کے رنگ اور تحصیل کے طرق مختلف ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت میں کوئی شک نہیں۔''

پھر صاحب سکینہ کی کچھ علامات بھی ہیں۔ مثلاً:

① ......خدا کی اطاعت وعبادت کو اس کے ماسوا پر ترجیح دینا اور اس پر غیرت کرنا۔

② ......ظاہر جسم وجوارح پر غلبہ خوف کا ظہور۔

③ ......رویائے صالحہ۔

④ ......فراست صادقہ اور

⑤ ......اجابت دعا وظہورِ مطلوب۔

اس کی تفصیل ''قولِ جمیل'' میں سنت مطہرہ کے دلائل کے ساتھ موجود ہے اور اس نسبت کے حصول کے بعد وہ عروج ہوتا ہے جسے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کہتے ہیں۔ اور یہ عروج آنحضرت ﷺ سے توارث نہیں بلکہ اللہ کا عطیہ ہے کہ جسے چاہے دے۔ خواجہ نقشبند رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ

''آپ کے شیوخ کا سلسلہ کیا ہے؟''

فرمایا:

''کوئی شخص اللہ تعالیٰ تک کسی سلسلہ سے نہیں پہنچا ہے۔ مجھے ایک جذبہ آیا اس نے اس تک پہنچا دیا۔''

حالاں کہ ان کے شیوخ کا سلسلہ معروف ومعلوم ہے۔ شاید اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ

جَذْبَةٌ مِنْ جَذَبَاتِ اللّٰهِ تُوَازِيْ عَمَلَ الثَّقَلَيْنِ.

''اللہ کے جذبات میں سے ایک جذبہ جن وانس کے عمل کے برابر ہے۔''

طریقہ نقشبندیہ

اگرچہ میں صوفیہ کے تمام طرق کو موصل الی اللہ سمجھتا ہوں۔ اور جملہ طرق کے مشائخ کو مانتا ہوں۔ لیکن میرے آباؤ اجداد، اساتذہ اور مشائخ کا طریقہ نقشبندیہ ہے گو اور طرق کی بھی اجازت حاصل تھی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "قولِ جمیل" میں سب طرائق کے اشغال واذکار لکھے ہیں۔ اور وہ سب نہایت مختصر، مرغوب، محبوب اور مطلوب ہیں۔ میرے والد ماجد مرحوم نقشبندی تھے، میرے شیخ سنت قاضی محمد بن علی شوکانی یمنی رحمۃ اللہ علیہ بھی نقشبندی تھے۔ جیسا کہ انھوں نے اپنی کتاب "البدر الطالع" میں اس کی صراحت کی ہے۔ اگرچہ کسی طریق کو بموجب "قولِ جمیل" کے کسی دوسرے طریق پر ترجیح نہیں دیتا ہوں، اور مغلوبین اور ماولین فی السماع وغیرہ کا انکار نہیں کرتا ہوں۔ لیکن اپنے نفس کو اسی امر کا تابع رکھتا ہوں، جو سنت صحیحہ ومعروفہ سے ثابت ہے اور جس پر محققین اور راسخین فی العلم گزرے ہیں۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے بواسطہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ میرے آباء واجداد بھی اصل میں ساداتِ بخاری ہیں۔ اور اب تک یہ خاندان میرے وطن قدیم شہر قنوج میں ساداتِ بخاری کے لقب سے معروف ہے۔ یعنی جس طرح میرے علم ظاہری کا تعلق امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے، اور آباء واجداد کا نسب سید جلال اعظم گل سرخ بخاری تک منتہی ہوتا ہے اسی طرح مشائخ طریقت بھی خواجہ نقشبندیہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتے ہیں۔ میرا نام بھی صدیق ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمرہ میں زیر لوائے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم محشور کرلے تو زہے سعادت!

خلیفہ اوّل تک طریقہ کا یہ اتصال اویسیہ کہلاتا ہے۔ دوسری سند سے یہ طریقہ حضرت امیر علی کرم اللہ وجہہ تک بھی پہنچتا ہے۔ سو اوّلاً میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ثانیاً حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بن ابی طالب کی اولاد سے ہوں۔ وللہ الحمد!

مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ نے سب طرق میں سے طریقہ مجددیہ نقشبندیہ کو کیوں اختیار فرمایا ہے؟ انھوں نے جواب دیا اس لیے کہ

"من ایں طریقہ را منطبق بر کتاب وسنت یافتم کہ ثبوت آں قطعی ست والحمد للہ کہ تا ایں زماں

ایں طریقہ از جمیع طرق بدعت محفوظ ست۔"

"میں نے اس طریقہ کو کتاب وسنت کے مطابق پایا ہے جن کا ثبوت یقینی اور قطعی ہے۔ الحمد للہ! یہ طریقہ اس وقت تک بدعت کے تمام طریقوں سے محفوظ ہے۔"

جامی میفر ماید۔ جامی کہتے ہیں:

قدرِ گل و مل بادہ پرستاں دانند
نے خود منشیاں و تنگ دستاں دانند
از نقش تواں بسوئے بے نقش شدن
ایں نقشِ غریب نقش بنداں دانند

کسب رزق

میں نے کسب رزق کے لیے قضا، افتاء، تدریس، امامت، تاذین یا وعظ وغیرہ کسی شرعی منصب کو اختیار نہیں کیا، بلکہ نوکری، چاکری کو ذریعہ معاش بنایا۔ کارہائے سرشتہ میں نوکری اختیار کی، اور اس وسیلہ سے جاگیر پائی، کیوں کہ میں اپنے آپ کو خدماتِ مذکورہ کے ادائے حقوق سے بالکل قاصر پاتا تھا۔ اور میرے دین نے بھی مجھے اجازت نہ دی کہ ایسا کام اختیار کروں، جس میں دین کی خرابی اور آخرت کی بربادی ہو۔ ہمارے سلف، جنھیں دین میں مرتبہ امامت حاصل تھا، اور اعلیٰ درجہ کا تقویٰ رکھتے تھے، انھوں نے ہمیشہ ان مناصب کے اختیار کرنے سے احتراز کیا، اور ملوک وسلاطین اسلام کے تشدد اور تکلیف دہی کے باوجود ان خدمات کو قبول نہ کیا۔ اب جو کوئی سعی کر کے ایسے مراتب کا طالب ہوتا ہے وہ یقیناً اہل دنیا ہے، اہل عقبیٰ نہیں!

میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ مجھے ہمیشہ ایسی آفات سے محفوظ رکھے گا اور میری اولاد کو بھی اس طرح کی شہرت سے اور تہمت سے بچائے گا۔ تحصیل رزق کی اور بہت سی صورتیں ہیں جو نفس الامر میں جائز ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں ملازمت بھی بڑی ذلت کی چیز ہے۔ اگرچہ میں بحمد اللہ اپنی ملازمت میں معزز رہا۔ اگر کسی مسلمان سے ہوسکے کہ وہ زراعت، کتابت یا تجارت وغیرہ سے اپنا کام چلائے تو پھر نوکری کو بھی سلام کرلے۔ جس کے پاس رزق سد رمق کے بقدر موجود ہو اس کا کثرتِ مال کی ہوس کرنا، اپنی آخرت آپ برباد کرنا ہے۔

❀❀............❀❀............❀❀

بابِ چہارم

آزمائشیں ہی آزمائشیں

اللہ تعالیٰ کی ہر بندے پر اتنی نعمتیں اور احسانات ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔

﴿ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ ❶

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو ان کو حیطۂ شمار میں نہیں لا سکتے۔''

اور کوئی بشر کسی ادنیٰ نعمت اور کمتر احسان کا بھی پورا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

از دست و زبانے کہ بر آید!
کز عہدہ شکرش بدر آید!

جب اللہ تعالیٰ کے احسانات غیر متناہی ہیں، تو ان کا زبان و بیان سے احاطہ کرنا ایک فکر محال ہے۔ شعرانی رحمہ اللہ نے ''منن کبریٰ'' میں ۵۶ احسانات ذکر کیے ہیں اور پھر آخرت میں عجز کا اعتراف کیا ہے۔ جب اولیاء و عرفاء کا یہ حال ہے تو ہم ایسے ظلوم، جہول، کفار (ناشکرے) ضعیف البیان والجنان سے اس کے منن و نعم کا کیا بیان ہو سکتا ہے؟ پھر اس بیاباں سے یہاں جو اک ذرّہ لکھا گیا ہے ہم کو تو اس کے شکر سے بھی عجز کلی ہے۔ سب ظاہری و باطنی احسانات کا شکر کب بجالایا جا سکتا ہے؟

یہ محن جو اس جگہ ذکر کیے جائیں گے یہ بھی درحقیقت منن ہی ہیں کیوں کہ جس مرض کے بعد صحت حاصل ہو اور جس مصیبت کے بعد عافیت میسر آئے، وہ بلاء اور ابتلاء نہیں بلکہ درحقیقت احسانِ عظمیٰ اور نعمت کبریٰ ہے۔ حدیث انس رضی اللہ عنہ میں فرمایا:

'' اَلزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا اَنْ تَكُوْنَ فِي ثَوَابِ الْمُصِيْبَةِ اِذَا اَنْتَ اُصِبْتَ بِهَا اَرْغَبَ فِيْهَا لَوْ اَنَّهَا بَقِيَتْ لَكَ .'' ❷

''دنیا میں بے رغبتی یہ ہے کہ تجھے بقاء مصیبت میں اس لیے رغبت زیادہ ہو کہ مصیبت پر ثواب ملتا ہے۔''

---

❶ [ابراهيم: ٣٤] ❷ [رواه الترمذي: ٢٣٤٠]

چہ خوش بروئے دل تنگ مادرے وا کرد
خدا دراز کند عمر زخم کاری ما!

حدیث صہیب رومی رضی اللہ عنہ میں مرفوعاً آیا ہے کہ

''مومن کا عجب حال ہے کہ اس کا سارا کام اچھا ہے۔ اگر مسرت حاصل ہو تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر مضرت پہنچے تو صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی! اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم:

اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَآءً قَالَ الْاَنْبِیَآءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ یُبْتَلَی الرَّجُلُ عَلٰی حَسْبِ دِیْنِہٖ فَاِنْ کَانَ فِیْ دِیْنِہٖ صُلْبًا اِشْتَدَّ بَلَآؤُہٗ وَاِنْ کَانَ فِیْ دِیْنِہٖ رِقَّۃٌ اُبْتُلِیَ عَلٰی قَدْرِ دِیْنِہٖ فَمَا یَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتّٰی یَتْرُکَہٗ یَمْشِیْ عَلَی الْاَرْضِ وَمَا عَلَیْہِ خَطِیْئَۃٌ. ❶

''دنیا میں سب سے زیادہ آزمائش کن لوگوں کی ہوتی ہے؟ فرمایا''انبیاء کی اور پھر درجہ بدرجہ آدمی اپنے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ اگر دین میں سخت ہو تو آزمائش بھی سخت اور اگر دین میں نرم ہو تو آزمائش بھی نرم ہوتی ہے، پس بندے پر آزمائشیں آتی رہتی ہیں۔ حتی کہ وہ زمین پر اس حال میں چلنے لگتا ہے کہ اس کی تمام خطائیں معاف ہو چکی ہوتی ہیں۔''

یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ ہر شخص کی آزمائش دین میں اس کی پختگی کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر دین میں سخت ہے تو آزمائش بھی سخت اور اگر دین میں نرم ہے تو آزمائش بھی نرم ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام پر اسی وجہ سے آزمائش سخت ہوتی تھی کہ وہ دین خدا میں نہایت درجہ شدید ہوتے تھے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث کے الفاظ یہ ہے:

اَشَدُّ النَّاسِ بَلَآءً الْاَنْبِیَآءُ ثُمَّ الْعُلَمَآءُ ثُمَّ الصّٰلِحُوْنَ کَانَ اَحَدُھُمْ یُبْتَلٰی بِالْقُمَّلِ حَتّٰی تَقْتُلَہٗ وَیُبْتَلٰی اَحَدُھُمْ بِالْفَقْرِ حَتّٰی لَا یَجِدُ اِلَّا الْعَبَاءَ ۃَ یَلْبِسُھَا وَلَا اَحَدُھُمْ اَشَدُّ فَرْحًا بِالْبَلَآءِ مِنْ اَحَدِکُمْ بِالْعَطَآءِ. ❷

---

❶ [رواہ الترمذی: ۲۳۹۸] ❷ [رواہ الحاکم: ۳۴۳/۳ ولہ شواھد کثیرۃ]

''دنیا میں سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے پھر علماء اور پھر نیک لوگوں کی۔ پہلے زمانے میں جوؤں کے ساتھ بھی آزمائش ہوتی تھی حتی کہ وہ انسان کو قتل کر دیتی تھیں اور کبھی آزمائش فقر کی صورت میں نازل ہوتی تھی حتی کہ بدن پر لپٹی ہوئی چادر کے سوا کوئی چیز نہ ہوتی، جتنا تم عطا پر خوش ہوتے ہو، اس سے زیادہ وہ بلا پر خوش ہوتے تھے۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَوَدُّ اَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِيْنَ يُعْطَى اَهْلُ الْبَلَآءِ الثَّوَابَ لَوْ اَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ .» ❶

''اہل عافیت روزِ قیامت جب ابتلاء رسیدہ لوگوں کے ثواب کو دیکھیں گے تو خواہش کریں گے اے کاش! ان کے چمڑوں کو (دنیا میں) قینچیوں سے کاٹ دیا جاتا (تاکہ وہ بھی یہ ثواب حاصل کر لیتے۔)

حدیث انس رضی اللہ عنہ میں فرمایا:

اِنَّ عِظَمَ الْجَزَآءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَآءِ وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا اِبْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ . ❷

''بڑی جزا بڑی آزمائش ہی سے ملتی ہے، اللہ جس قوم سے محبت رکھیں اسے مبتلائے آزمائش کر دیتے ہیں، جو راضی ہو جائے اس کے لیے رضا مندی اور جو ناراض ہو اس کے لیے ناراضگی ہے۔''

رضا کے دو مرتبے ہیں:

ایک یہ کہ بلا پر مسرور رہو یہ اعلیٰ درجہ ہے۔

دوسرا یہ کہ بلا پر شکوہ نہ کرے، تنگ دل نہ ہو، یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

کاش ہم ایسے نالائقوں کو یہ ادنیٰ درجہ ہی نصیب ہو جائے۔ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں مرفوعاً آیا ہے:

اِنَّ الرَّجُلَ لَيَكُوْنُ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ الْمَنْزِلَةُ فَمَا يَبْلُغُهَا بِعَمَلٍ فَمَا يَزَالُ يَبْتَلِيْهِ بِمَا

---

❶ [رواه الترمذي: ٢٤٠٢]　❷ [رواه الترمذي: ٢٣٩٦]

يَكْرَهُ حَتّٰى يَبْلُغَهُ اِيَّاهَا . ❶

''(بعض اوقات) آدمی کے لیے خدا کے ہاں ایک مقام مقرر ہوتا ہے جس تک وہ اعمال کے ذریعے رسائی حاصل نہیں کر پاتا تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی چیزوں میں مبتلا کرتا رہتا ہے جو اسے ناپسند ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے۔''

ابوداؤد میں بھی اس حدیث کا ایک شاہد ہے جس میں یہ بھی ذکر ہے کہ ابتلاء جسم یا مال یا اولاد میں آتی ہے۔ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ میں مرفوعاً یوں آیا ہے کہ

مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا اَذًى وَلَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةُ يُشَاكُهَا اِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ . ❷

''مومن کو جب بھی کوئی تھکاوٹ، بیماری، ہم، حزن، اذیت اور غم پہنچے، یہاں تک کہ اگر کانٹا بھی چبھے تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف فرما دیتے ہیں۔''

یہ حدیث صحیح و نص صریح اس بات پر دال ہے کہ ہر قسم کی تکلیف و ایذا پر اجر ملتا ہے حتیٰ کہ کانٹا لگنے پر بھی۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب تکلیف اور مصیبت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر صبر کرے اور حصولِ اجر کی نیت رکھے۔ کیوں کہ نیت کے بغیر کوئی عمل معتبر نہیں ہوتا۔ اکثر لوگ مصائب پر صبر تو کرتے ہیں۔ لیکن صبر کی نیت سے نہیں بلکہ درماندگی و حیرانی کی وجہ سے، اس صبر کی کوئی حقیقت نہیں۔

بعض لوگ دن رات آفات کا شکوہ کرتے ہیں اور پھر اپنے تئیں صابر سمجھتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دشمن کو وہاں سمجھ لے گا، اور خود بھی دن رات دشمنوں کو کوستے رہتے ہیں۔ یہ صبر نہیں بلکہ ایک دوسری بلا ہے۔ اگر صبر شرعی کرتے تو اجر پاتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ

مَنْ اُصِيْبَ بِمُصِيْبَةٍ بِمَالِهِ اَوْ فِيْ نَفْسِهِ فَكَتَمَهَا وَلَمْ يَشْكُهَا اِلَى النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّغْفِرَ لَهُ . ❸

''جسے مال یا جان کی کوئی مصیبت پہنچی اور اس نے اسے چھپایا اور لوگوں کے پاس اس کا شکوہ

---

❶ [رواه ابن حبان في صحيحه موارد الضمآن: ٢٩٢]

❷ [رواه الشيخان، بخاري: ٥٦٤١- ٥٦٤٢، مسلم: ٥٢/ ٢٥٧٣]

❸ [رواه الطبراني الترغيب: ٤/ ٢٨٦ مجمع الزوائد: ٢/ ٣٣١- ١٠/ ٢٥٦]

نہ کیا تو اللہ کے ذمہ ہے کہ اس کی مغفرت فرمائے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مصیبت کا مخفی رکھنا، مغفرت کا سبب ہے۔ وللہ الحمد!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت ہے:

إِذَا كَثُرَتْ ذُنُوبُ الْعَبْدِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يُكَفِّرُهَا ابْتَلَاهُ بِالْحُزْنِ لِيُكَفِّرَهَا عَنْهُ . ❶

"جب بندے کے گناہ بکثرت ہوں اور اس کا کوئی ایسا عمل نہ ہو جو ان کا کفارہ بن سکے تو اللہ تعالیٰ اسے حزن (غم) میں مبتلا کر دیتے ہیں تا کہ اس کے گناہوں کو مٹا دیں۔"

یعنی حزن واندوہ سے گناہ مٹتے رہتے ہیں۔ جب کہ حزن بطریق شرعی ہو خواہ دنیا کا اندوہ ہو یا دین کا غم۔ وللہ الحمد والمنۃ

اس باب میں تو احادیث بکثرت ہیں کہ امراضِ بدن گناہوں کا کفارہ اور تکثیر اجر کا باعث بنتے ہیں۔ علامہ منذری نے اپنی کتاب "الترغیب والترہیب" میں ان کی اچھی خاصی تعداد ذکر کی ہے۔ مومن کو بیماری سے تنگ دل نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ مرض میرے معاصی کا کفارہ یا میرے گناہوں کی سزا ہے۔ ان شاء اللہ اب گناہوں سے پاک ہو جاؤں گا۔ اور مغفرتِ الٰہی کے لائق ٹھہروں گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا:

كَيْفَ الصَّلَاحُ بَعْدَ هٰذِهِ الْآيَةِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءً يُّجْزَ بِهٖ وَكُلُّ شَيْءٍ عَمِلْنَاهُ جُزِيْنَا بِهٖ فَقَالَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا اَبَابَكْرٍ اَلَسْتَ تَمْرَضُ اَلَسْتَ تَحْزَنُ اَلَسْتَ تُصِيْبُكَ اللَّاْوَاءُ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ هُوَ مَا تُجْزَوْنَ بِهٖ . ❷

"اس آیت کے بعد کہ "جو کوئی برا کام کرے بدلہ دیا جائے گا" درستی احوال کی کیا صورت ہے؟ کیوں کہ ہم جو کوئی کام کریں گے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تمہیں معاف فرمائے اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تم حزن میں مبتلا نہیں ہوتے؟ کیا تمہیں اندوہ نہیں پہنچتا؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہی ہے جو تم بدلہ دیئے جاتے ہو۔"

---

❶ [رواہ احمد: ٦/ ١٥٦] ❷ [رواہ ابن حبان فی صحیحہ، ٢٩١٠، ٧/ ١٧٠]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت یہ ہے کہ

إِنَّ الصُّدَاعَ وَالْمَلِيلَةَ لَا تَزَالُ بِالْمُؤْمِنِ وَإِنَّ ذَنْبَهُ مِثْلُ أُحُدٍ فَمَا تَدَعُهُ وَعَلَيْهِ مِنْ ذٰلِكَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ. ❶

''مومن کے کوہِ اُحد کے برابر گناہ ہوتے ہیں اور اسے دردِ سر یا تپ عارض ہوتا ہے تو اس کے باعث اس پر رائی کے دانہ کے برابر بھی گناہ نہیں رہتا۔''

حدیث کے الفاظ عام ہیں اور ہر گناہ کو شامل ہیں وہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے، لیکن دیگر دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ کبیرہ گناہ اور حقوق العباد اس سے مستثنیٰ ہیں۔ واللہ اعلم!

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں ایک شخص فوت ہوا تو ایک آدمی نے کہا کہ

هَنِيئًا لَهُ قَدْ مَاتَ وَلَمْ يُبْتَلَ بِمَرَضٍ.

''مبارک ہو اس کو کہ وفات تک کسی مرض میں مبتلا نہیں ہوا۔''

حضور ﷺ نے فرمایا:

وَيْحَكَ وَمَا يُدْرِيكَ لَوْ أَنَّ اللّٰهَ ابْتَلَاهُ بِمَرَضٍ يُكَفِّرُ بِهِ مِنْ سَيِّئَاتِهِ. ❷

''افسوس ہے تم پر! تمہیں کیا معلوم کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے مبتلائے مرض کرتا تو وہ مرض اس کی بعض برائیوں کا کفارہ ہو جاتا۔''

معلوم ہوا کہ بیمار نہ ہونا کوئی اچھی بات نہیں ہے بلکہ مواخذہ وعقاب کی علامت ہے، اسی لیے حدیث عائشہ میں فرمایا ہے کہ

'' اَلْحُمّٰى حَظُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ مِنَ النَّارِ.'' ❸

''بخار ہر مومن کا آگ سے حصہ ہے۔''

الغرض سارے محن جو مومن پر وارد ہوتے ہیں، وہ بھی درحقیقت منن ہیں اور جو کوئی ان محن پر صبر کرے، وہ ماجور ہوتا ہے اور جو کوئی ان پر شکر بجالائے اس کا درجہ اللہ کے نزدیک بلند ہو جاتا ہے، اس لیے یہاں جو محن لکھے گئے ہیں وہ شکوہ وشکایت کے لیے نہیں بلکہ منعم حقیقی اور منان مطلق کے شکریہ کی

---

❶ [رواہ احمد: ٥/ ١٩٧] ❷ [رواہ مالك مرسلا باب ماجاء في اجر المريض، ص: ٩٢٠]

❸ [رواہ البزار، الترغيب: ٤/ ٢٩٨]۔

ادائیگی کے لیے لکھے گئے ہیں۔اس کا شکوہ کرنا تو عین حرمان نصیبی ہے۔

ابتدائی مشکلات

میں پانچ برس کی عمر میں یتیم ہو گیا تھا۔جس بچے کا باپ بقید حیات نہ ہو اسے جن تکلیفوں سے دو چار ہونا پڑتا ہے یا اس کی تعلیم کے سلسلہ میں جو رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں، انہیں ہر تجربہ کار آدمی جانتا ہے ۔

مرا باشد از حالِ طفلاں خبر!
کہ در طفلی از سر برفتم پدر

خصوصاً جس کا باپ عالم، عامل ہو اور اپنی اولاد کا صالح ہونا چاہتا ہو اور اس کے سوا کوئی قریبی عزیز، مربی اور خبر گیر بھی نہ ہو، اس کا جوارِ رحمت الٰہی میں جانا اگر چہ اس کے لیے فوزِ عظیم ہے لیکن اولاد کے حق میں یہ ایک سخت مصیبت ہے۔اللہ تعالیٰ میری ماں کو جنت الفردوس نصیب کرے، انہیں خدا پرستی و دین داری کا بڑا حصہ ملا ہوا تھا۔والد ماجد کی وفات کے بعد انھوں نے نہایت شفقت سے میری پرورش کی حتی الامکان تعلیم پر آمادہ کیا، باپ کی دعا نے اثر کیا کہ محض رحمت الٰہی میری مربی ہوئی اور کسی کا منت پذیر نہ کیا۔صغرسن کے سبب مجھے والد مرحوم کا حلیہ وشمائل یاد نہیں۔لیکن میں نے انھیں دو بار خواب میں دیکھا۔ایک بار اپنے وطن شہر قنوج میں کہ وہ دیوان خانہ میں آئے ہیں، کسی نے زنان خانہ میں جا کر کہا کہ تمہارے باپ آئے ہیں۔ہم دونوں بھائی دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے باپ کہیں گئے ہوئے تھے اور اب مدت دراز کے بعد آئے ہیں۔سامنے جا کر بیٹھا شاید میرے سر پر ہاتھ بھی پھیرا اور فرمانے لگے کہ

”کیا پڑھتے ہو؟“

میں نے کہا:

”قرآنِ شریف کا سیپارہ۔“

مجھے دعا دی۔میں نے انہیں بہت خوش اور خوب صورت پایا۔دوسری بار انہیں اس شہر بھوپال میں خواب میں اس طرح دیکھا کہ میں ایک مسجد میں مغرب کی نماز کے لیے گیا ہوں، لوگ نماز پڑھ کر مسجد سے چلے گئے ہیں۔مسجد کے متصل ہی قبرستان ہے۔میں نے کہا کہ موتی پر فاتحہ پڑھتا جاؤں۔جب فاتحہ پڑھ کر لوٹا تو ایک قبر پر سے گزر رہا۔وہ شق ہوگئی اور ایک جسیم شخص اٹھ کر بیٹھ گئے۔وہ میرے والد معلوم ہوتے تھے۔مجھ سے فرمانے لگے بھائی وہ کام کرو جو آخرت میں کام آئے۔میں ڈر

گیا اور پوچھا کہ وہ کام جو آخرت میں کار آمد ہو، کیا ہے؟ انھوں نے کچھ جواب دیا جو مجھے یاد نہیں رہا، اور میں وہاں سے چل دیا۔ صبح کو جی میں حساب لگایا کہ یہ کیا نصیحت تھی؟ تو معلوم ہوا کہ کچہری کے بعض منشیوں سے میری ملاقات تھی، جو فاسق تھے۔ اور میرے لیے بھی باعث فسق بنتے تھے، اس دن سے میں نے ان کی راہ ورسم چھوڑ دی اور اللہ نے میرے شغل علم کے شوق کو زیادہ کر دیا۔ وللہ الحمد!

یتیمی کی یہ مصیبت بلوغت تک شامل حال رہی۔ جب بالغ ہوا تو طلب علم کے لیے گھر سے باہر نکلا اور مجھے طلب معاش کی کوئی فکر نہ تھی۔ جب علومِ درسیہ پڑھ کر دہلی سے وطن واپس آیا تو خیال ہوا کہ کسی جگہ ملازمت کرنی چاہیے۔ بھوپال آ کر آستانہ خاص رئیسہ مرحومہ میں دو ماہ بعد رمضان ۱۲۷۱ھ میں ملازم ہو گیا۔ دو برس تک ملازم رہا پھر وطن واپس آ گیا۔ راستہ میں کانپور سے گزر رہا تو وہاں فوج برگشتہ تھی۔ مسافروں کے قافلہ کے ہمراہ ہزار دشواریوں کے ساتھ وطن پہنچا۔ والدہ اور ہمشیرگان کو دیکھ کر مسرت ہوئی۔ ایک سال تک وطن میں گوشہ گزین رہا۔ سرکاری افواج نے جب رئیس فرخ آباد کی بغاوت کی وجہ سے قنوج کو تاراج کیا تو میرا گھر بھی دست برد غنیمت ہو گیا۔ اثاث البیت میں سے چند کتابوں کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہی۔ تب بلگرام چلا گیا اور ہنگامہ غارت گری کے فرو ہونے تک وہاں رہا۔ پھر وہاں سے مرزا پور گیا، اور اکبر علی خان صاحب سوداگر شاہجہانپوری کے مکان پر دو تین ہفتے تک مہمان رہا۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مہاجر ساکن بھدوئی سے ملاقات ہوئی۔ جب وہاں سے بھوپال کی طرف چلا تو ایک دن دورانِ سفر یکہ ایک نالہ کے اندر جا پڑا، قریب تھا کہ ڈوب جاؤں مگر اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ کتب اور کپڑے لتے جو میرے پاس تھے وہ سب پانی میں بھیگ کر خراب ہو گئے:

چیزے کہ خشک ماند بغیر از دماغ نیست!

جبل پور پہنچا تو مولوی نصر اللہ مکلپوری نے والد مرحوم سے عقیدت کی وجہ سے اپنے ہاں مہمان رکھا، ان دنوں بارش کی کثرت تھی۔ چند روز بعد چل کر بھوپال آیا۔ مدار المہام صاحب بہادر سے ملاقات ہوئی۔ بعض اشخاص کی سعایت بے اصل پر رئیسہ نے مجھے ملازم رکھنے سے انکار کر دیا۔ میں ایک ہفتہ بعد براستہ سرونج جے پور کی طرف روانہ ہو گیا اور زبانِ حال سے کہہ رہا تھا ۔

ما گذشتیم ز بھوپال تو دلشاد نشیں
قفل بردر مزن و خار بدیوار منہ

اثنائے راہ شہر ٹونک سے گزر ہوا، وزیر الدولہ مرحوم نے آٹھ ماہ تک روک رکھا۔ اس اثناء میں رئیسہ نے خط لکھ کر بلایا، میں جب گیا تو نہایت اخلاق سے پیش آئیں اور تنخواہ سابق میں اضافہ کر کے

تاریخ بھوپال تحریر کرنے پر ملازم رکھا اور مصارف سفر کی بھی رعایت فرمائی۔ اسی اثناء میں دستور العمل ریاست کی ترتیب کا کام بھی کرتا رہا۔ انھوں نے مجھے اپنے پاس ہی رکھا۔ کسی شخص کا ماتحت نہ کیا۔ اگر چہ میں ان کے غصے اور سختی مزاج کے باعث ان کی روبکاری سے گریز کرتا تھا۔ لیکن وہ میری حاضر باشی اور تیز دستی کے باعث مجھے جدا کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ انھوں نے مجھ پر کبھی غصہ کا اظہار نہیں کیا تھا، نہ کبھی جرمانہ کیا بلکہ عین دربار میں عیدین وغیرہ کے موقع پر سرو قد کھڑی ہو کر تعظیم کرتی تھیں اور بارہا سلام کہنے میں پہل کرتی تھیں۔ میں ان کے اس اخلاق کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ میں نے کبھی ان سے اضافہ یا عہدہ کی درخواست نہیں کی اور نہ کبھی کوئی چیز مانگی۔ اپنی قسمت پر شاکر و قانع تھا۔ میں نے ان سے حج کی رخصت لی تھی۔ اسی دوران وہ مرض الموت میں بیمار پڑ گئیں اور بہت چاہا کہ اس سفر میں زرِ نقد سے میری اعانت کریں۔ لیکن میں نے گریز کیا اور ہر بار یہ کہہ کر ٹال دیا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے گا، تب جاؤں گا۔

چناں چہ ۲۷ رجب ۱۲۸۵ھ کو ان کا انتقال ہو گیا۔ اسی سال شعبان میں نواب شاہجہان بیگم صدر نشین ریاست ہوئیں۔ تب میں نے ان سے مکرر رخصت لے کر حجاز میمنت طراز کا سفر اختیار کیا۔ اور شعبان کے آخر میں نمازِ ظہر کے بعد بمبئی کی طرف کوچ کیا۔ رئیسہ عالیہ نے ثیابِ فاخرہ اور قیمتی اشیاء کے چند صندوق دیئے کہ حرمین شریفین کے مسکینوں پر تقسیم کردوں۔ چناں چہ میں نے ایسا ہی کیا۔ ان مساکین میں سے ایک نواب تجمل حسین خان رئیس فرخ آباد بھی تھے جو مجھے وہاں تباہ حالت میں ملے۔ میں نے انھیں بھی عمدہ لباس کا ایک جوڑا دیا اور نہایت عبرت حاصل ہوئی۔ کیوں کہ یہ وہ شخص تھا جس کی نوابی کے زمانہ میں، اس کی مدح میں غالب نے یہ شعر کہا تھا۔

دیا ہے اور کو بھی ، تا اسے نظر نہ لگے!
بنا ہے عیش تجمل حسین خان کے لیے

آٹھ ماہ بعد فریضۂ حج اور زیارتِ مدینہ منورہ سے فارغ ہو کر واپس آیا اور رئیسہ کی خدمت میں وہ کاغذات اور رسیدات پیش کر دیں۔ جن پر مساکین کے دستخط تھے، الا ماشاء اللہ۔ اب مجھے اہتمامِ مدارس پر مامور کر دیا گیا اور ایک سال بعد جب میں میر منشی ہو گیا اور خطاب و جاگیر اور ماہوار عہدہ سے سرفراز کیا گیا تو حسن کارگزاری کے باعث رئیسہ نے میری قدر شناسی فرمائی اور مجھے نائب دوم ریاست مقرر کر کے ۲۴ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر بھی عطا کی۔ پھر جب انھیں کرنل طامسن پولیٹیکل ایجنٹ اور جنرل میڈ نے کلکتہ میں نکاح ثانی کا مشورہ دیا اور کہا کہ آپ کا شوہر ریاست کے کام میں مدد دے گا تو

انھوں نے تحریراتِ سرشتہ کے بعد لارڈ میو گورنر جنرل ہند سے اجازت لے کر مجھ سے نکاحِ ثانی کر لیا اور سرکارِ انگریزی سے حسب معمول مجھے خلعت فیل واسپ وسلاح وغیرہ جس کی قیمت دس ہزار روپیہ بنتی ہے اور خطاب ولقب نوابی وغیرہ ملا اور دربار میں جملہ مراتب تعظیم ادا کیے گئے۔ یہ سارا قصہ تاریخ بھوپال میں مفصل لکھا ہوا ہے۔ اور ان مراتب کے اسانید ومسانید میرے پاس موجود ہیں۔ اور اب جو آخر ذیقعدہ ۱۳۰۲ھ سے کام چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا ہوں تو رئیسہ عالیہ نے مجھے کاروبارِ سیاست میں مدد دہی کا بریت ذمہ کے ساتھ صافی نامہ جاری کیا، جس کی بنیاد پر میں اور میری اولاد ان شاء اللہ تعالیٰ ہر مؤاخذہ سے پاک صاف ہے۔ اس ہنگامہ رستخیز میں اگر اللہ تعالیٰ انھیں میرا ظاہری حامی نہ بناتا تو میں نہیں جانتا کہ میں دشمنوں اور حاسدوں کے ہاتھوں کس بلا وآفت اور گناہ ناکردہ میں گرفتار ہو جاتا۔ **الحمد لله على العافية!**

رئیسہ عالیہ نے مجھ سے اور میری اولاد سے جو محبت وشفقت کی، میں اس کا شکر یہ ادا کرنے سے بالکل قاصر وعاجز ہوں۔ میری طرف سے اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں اجر کبیر سے نوازے اور دنیا میں جملہ آفات سے محفوظ رکھ کر میرا اور ان کا خاتمہ بالخیر کرے۔ اللّٰھم آمین ثم آمین!

بہنوں اور بچوں کی شادی کا مسئلہ

جب بالغ ہوا تو ہمشیرگان کے نکاح کی فکر دامن گیر ہوئی، انتہائی حیران تھا، نہ برادری رکھتا تھا نہ کوئی شخص برادری میں تھا۔ چار و ناچار بڑی ہمشیرہ کا عقد سید عزیز حسین بن سید شریف حسین مفتی فرخ آباد سے کر دیا۔ دوسری بہن کی شادی بلگرام میں سید عبدالعزیز واسطی سے کر دی، تیسری بہن کا عقد شیخ حامد حسین بن مفتی محمد حسن مرحوم بریلوی سے کیا۔ یہ میرے حقیقی ماموں کے چھوٹے بیٹے ہیں۔ پھر یہی وقت اپنے لڑکوں کی شادی کے وقت پیش آئی۔ چناں چہ فرزندان کے لیے دختران میر حیدر علی ساکن موضع بیتی ضلع فتحپور علاقہ کانپور کو کمالِ صحت نسب کی وجہ سے اختیار کیا گیا۔ دختر کی شادی رئیسہ عالیہ کی عنایت سے ایک لاکھ روپیہ صرف کر کے میر عبدالحی خان بن مولوی سید عبدالرزاق کے ساتھ ہوئی۔ رئیسہ کی طرف سے ان سب بچوں کو خطاب، القاب مع اقطاع حاصل ہیں۔

اس زمانہ میں اہل شرف کے لیے قرابت صالحہ کا بہم پہنچانا بھی ایک مصیبت سے کم نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ آج کل شوہر نہایت وقاحت سے بیویوں کے مال کو حلال اور طیب سمجھ کر غارت کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ پر بیوی کے نان ونفقہ، مسکن اور دیگر ضروریات کے حقوق واجب نہیں سمجھتے حالاں کہ اس کی فرضیت میں کسی فقیہ حنفی کا بھی اختلاف نہیں۔ پھر خود کما کر اپنے اہل وعیال کی پرورش کرنے

کا کیا ذکر ہے؟ اہل اسلام کی خانہ ویرانی اور ادبار کے بڑے اسباب یہی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب تک میں نے اپنے دست و بازو سے ملازمت کر کے اپنی گزر بسر کا سامان نہ پیدا کر لیا، تب تک نکاح نہ کیا، پھر نکاح کے بعد اہل و عیال کے سارے مصارف اپنی معاش سے پورے کرتا رہا۔ بیوی اگرچہ آسودہ حال تھیں لیکن میں نے ان کے مال سے کبھی ایک پیسہ بھی نہ لیا، نہ کبھی خسر سے لیا، بلکہ خسر کی ہر چیز لینے میں عار محسوس کی، اور بارہ سال تک ان کے باغ میں قدم نہ رکھا بلکہ اگر انھوں نے کبھی کچھ دینا چاہا یا دیا تو اسے واپس کر دیا اور نہ لیا۔ وجہ یہی تھی کہ نفس اس بات سے کمال عار محسوس کرتا تھا کہ جس کا نان و نفقہ مجھ پر واجب ہے، اس کا حق شرعی تو ادا نہ کروں، بلکہ اس کے مال و متاع کو بغیر کسی استحقاق کے اپنے نفس پر صرف کروں۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیت کی برکت سے مجھے میری بیوی اور بیوی کے والد سے زیادہ تونگری بخشی اور اپنے سوا کسی کا محتاج، دست نگر اور مستمند نہ کیا۔ **وللہ الحمد والمنۃ!**

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو

جب رئیسہ نے مجھ سے نکاح کیا تو اہل دنیا کے نزدیک یہ نکاحِ ثانی بڑا عیب بن گیا۔ اگرچہ اسے عیب قرار دینے سے ایمان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ارکانِ ریاست میں سے اکثر لوگوں پر اس معاملہ کا وقوع انتہائی ناگوار اور گراں گزرا۔ وجہ یہ تھی کہ بیگم صاحبہ نے مجھ سے ریاست کے کام میں مدد لینا شروع کی اور مجھ پر کلی اعتماد کیا۔ میں نے بھی چار و ناچار اپنی تمام فکر و ہمت کو ان کی خیر خواہی میں صرف کر دیا اور کسی کی خوشی و ناخوشی سے کام نہ رکھا۔ کیوں کہ اگر میں صرف ان کا ملازم ہی ہوتا جیسا کہ اس قرابت سے قبل ملازم ریاست تھا۔ پھر بھی مجھ پر بحکم خدا و رسول ان کی امانت، دیانت اور خیر سگالی کی پاسداری واجب تھی۔ چناں چہ جب تک ملازم تھا بحمدہٖ تعالیٰ اسی طرح عمر بسر کی اور اب تو اس قرابت کی وجہ سے ان کا کام کرنا اور لوگوں سے بحسن امانت و دیانت برتاؤ رکھنا اور بھی مؤکد تر ہو گیا ہے۔ اگر یہ طریقہ اختیار نہ کرتا تو ان کا خائن و غاصب اور خدا کا ناشکر گزار اور گناہ گار ٹھہرتا اور دونوں جہانوں میں روسیاہی کے سوا اور کیا حاصل ہوتا؟ ہاں لوگوں کے ناراض رہنے کی آفت نہ آتی۔ بلکہ اگر دوسرے لوگوں کا سا طریقہ اختیار کرتا تو مجھے بھی بہت کچھ عیش ناجائز حاصل ہو سکتا تھا۔

زبانِ شکوہ اگر ہمچو خار داشتمے! ہمیشہ خرمن گل در کنار داشتمے
ہزار خانۂ زنبور کردمے پر شہد! اگر گزیدن مردم شعار داشتمے
ز دست راست نہ دانستمے اگر چپ را چہ گنجہا بہ یمین و یسار داشتمے

میری نگرانی سے پہلے اموالِ ریاست میں ہر طرح کی دست برد ہوتی تھی، اور مختلف ذریعوں سے ہر کوئی اپنے مفاد کو ہی ملحوظ رکھتا تھا۔ اب جو سب کے خوشے بند ہو کر ایک ابوبکر صدیق کا خوشہ کھلا رہا تو بدخواہوں کے دل پر غصہ وغضب کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ان لوگوں نے میری علیحدگی بلکہ نام ونشان مٹانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ پہلے متوسلین قدسیہ بیگم نے حکام کو میری طرف سے بے اصل اراجیف پہنچا کر برہم کیا۔ لیکن اس کا کامل اثر نہ ہوا۔ اور جب وہ ۱۲۹۹ھ میں وفات پا گئیں تو اقربا وقریب نے پاؤں نکالے اور افتراء وکذبِ بے حقیقت کا ایک آسمان کھڑا کر دیا۔ ایک جماعت کو ہموار کر کے اور ترقی مراتب وغیرہ کا لالچ دے کر ایک ہنگامہ رستخیز برپا کر دیا۔ میں اور بیگم صاحبہ دونوں متحیر تھے کہ یہ کیا بات ہے، اس رستخیز کی علت کیا ہے؟ آخر میں نے یا رئیسہ عالیہ نے کس پر ظلم کیا ہے، جس کی تحقیق نہیں ہوتی ہے، اور یک طرفہ احکام ناروا جاری ہوتے ہیں۔ مدعیوں کی طرف سے کسی امر کا کوئی ثبوت پیش نہیں ہو سکا۔ بجز اس کے کہ جن لوگوں پر رئیسہ عالیہ نے احسان پر احسان کیے تھے اور جن کے ساتھ میں نے مروّت، رعایت، قدردانی، اضافہ تنخواہ، ترقی عہدہ جات واختیارات کا برتاؤ کیا تھا، ان میں سے ہر شخص نے احسان وسلوکِ خیر کی مقدار کے مطابق عداوت وشکست پر کمر باندھی، جس کے ساتھ تھوڑا احسان کیا تھا۔ وہ تھوڑا دشمن ہوا، اور جس کے ساتھ زیادہ احسان ہوا تھا، وہ زیادہ دشمن ہو گیا:

﴿كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا﴾ [1]

اور ہنوز یہ دشمنی روز بروز ترقی پذیر ہے۔ حالاں کہ منعم مجازی کی نعمت کا کفران بھی ایک معصیت عظمیٰ اور گناہِ کبیرہ ہوتا ہے۔ چوروں میں سے کوئی اگر کسی کا ایک دن نمک کھا لے تو وہ اس کی چوری نہیں کرتا، اور اسے نہیں مارتا۔ ان لوگوں نے عمر یا نصف عمر یا ثلث عمر تک اس ریاست کا نمک کھایا اور بعض نے پشت ہا پشت سے اس ریاست کا نمک کھایا۔ لیکن یہی لوگ تباہی وبربادی کا باعث ہوئے، شاید وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مالکہ کے شوہر کی مخالفت مالکہ کی کور نمکی نہیں ہے۔ سو یہ امر تو لائق قبول تب ہو سکتا ہے کہ شوہر، رئیسہ کی رائے کے خلاف اپنی خود پرستی سے مختارِ کار بن بیٹھا ہو یا حیلہ وحوالہ سے رئیسہ کو جدا کرنا چاہتا ہو۔ اس جگہ تو عکس القضیہ ہوا کہ سب لوگوں نے حکام کے سامنے بیان کیا کہ رئیسہ مجھ سے ناخوش ہے اور میری علیحدگی پر اپنا اتفاق رائے ظاہر کیا۔ اور حکام کے کانوں کو مخبری، دروغ گوئی، اتہام اور کذب سے بھر دیا۔ لوگوں کا ایک افتراء مجھ پر یہ ہے کہ میں اولاد اور والدہ کے

---

[1] [بنی اسرائیل: ۵۸]

درمیان ناموافقت کا باعث بنا ہوں۔ حالاں کہ دین اسلام میں یہ تفریق گناہِ کبیرہ ہے اور دنیا میں میرے حق میں زہر قاتل ہے۔ کوئی فرد بشر دیدہ و دانستہ اپنا برا نہیں چاہتا، پھر کیا میں ایسا ہی نادان تھا کہ اپنی جان کو اس تہلکہ میں ڈالتا۔ لیکن ؎

شور بختاں بآرزو خواہند! مقبلاں را زوالِ نعمت و جاہ
گر نہ بیند بروز شپرۂ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

یہ حکایت حال وشکایت قال واقعات بیان کرنے کے لیے ہے، اس لیے نہیں کہ اپنی علیحدگی کا کوئی رنج وفکر میرے دل کو دامن گیر ہے۔ میں تو مجبوراً اس مشغلہ میں مبتلا ہو گیا تھا، نیت، ارادہ یا تدبیر سے اس بلا کو مول نہیں لیا تھا۔

اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا مجھے
اے الفت چمن ترا خانہ خراب ہو!

اب جو تائید غیبی میرے شامل حال ہوئی ہے تو سب داخلی و خارجی امور سے علیحدہ ہو گیا ہوں، اور اس منعم حقیقی ومجازی کی نعمت کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔

ایک حکایت

شیخ علی متقی رحمہ اللہ نے جب کتب سنت میں عدل وانصاف کے فضائل کو دیکھا تو چاہا کہ خدمت عدالت اختیار کریں۔ بادشاہِ گجرات کو جب ان کے ارادہ کا علم ہوا تو انھیں حاکم عدالت متعین کر دیا۔ بہت جلد عملہ کی رشوت ستانی کی وجہ سے ان پر رشوت ستانی کی تہمت لگی۔ بادشاہ کو خبر ہوئی لیکن یقین نہ کیا۔ اس لیے کہ بادشاہ ان کے متعلق اعتقادِ عظیم رکھتا تھا۔ شیخ کو اس مخبری کا بالکل علم نہ تھا۔ وہ غافل اور بے خبر تھے۔ جب زیادہ شہرت ہوئی تو شیخ نے بھی سنا اور بندوبست کیا کہ یہ دروازہ بند ہو جائے مگر لوگ کب دست کش ہو سکتے تھے۔ ناچار ایک دن وہ دیوانِ حکومت سے اپنا عصا لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہہ کر بھاگ گئے کہ دین ودنیا جمع نہیں ہو سکتے۔ ہر چند کہ بادشاہ نے عذر کیا اور اس گمان کی تکذیب کی۔ لیکن شیخ نے پھر سے اس عہدہ کو قبول نہ فرمایا۔ یہی حال میں بھی اپنے دلِ ناتواں میں پاتا ہوں کہ اگر اب کوئی ہزار بار چاہے کہ اس سابقہ حالت پر لوٹ آؤں تو مجھے ہرگز منظور نہ ہوگا۔

مرا بر مسند جم می نشانند
الٰہی بر سرِ آں کو نشینم

مگس طینت لوگ

میں یہاں اس قوم کے اندر محصور ہوں، جو جھوٹی بات سے خوش اور سچی بات سے ناخوش ہوتی ہے اور مجھے اس ورطہ ہلاکت سے نجات کا کوئی چارہ میسر نہیں آ رہا

باہر کہ راست گفتم فی الحال خصم من شد
خاموشی از ہمہ بہ چوں حق نمی تواں گفت

مجھ پر اس سے زیادہ کوئی امر شاق نہیں ہے کہ یہ لوگ اب بھی میرے ساتھ دوست داری کا اظہار کرتے ہیں، حالاں کہ اگر ذرا سا بھی قابو پائیں تو خون پینے کو تیار ہو جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی مجھ سے واسطہ رکھے مگر مگس طینت اپنی طینت سے باز نہیں آتے۔ انہیں معلوم ہے کہ میں ان سے ناخوش ہوں اور ان کی منافقت و عداوت بھی مجھ پر آشکارا ہو چکی ہے۔ اس کے باوجود ہر حیلہ و مکر سے استخبار اُو اختبار اُدر انداز ہونے کو تیار ہیں۔ کاش ان کا یہ رجوع انابت کے طور پر ہوتا۔ لیکن ؎

ہر کہ دراصل ناکس افتاد ست بتقالیب دہر کس نشود!
سگ مگس را اگر کنی مقلوب قلب او غیر سگ مگس نشود

جس صورت میں یہ واقعہ طلب مجھے رفع وخفض کے سارے صیغوں کا مصدر قرار دیتے ہیں اور دنیا و دین کے اعتبار سے ساری مخلوق میں سے بدترین سمجھتے ہیں اور خود مجھے بھی اقرار ہے کہ ہاں میں سراپا گناہ اور نامہ سیاہ ہوں تو مجھ سے راہ ورسم رکھنے کے کیا معنی؟ الحمدللہ کہ میں ان کے نزدیک سیئات کا مجمع اور یہ اپنے زعم میں حسنات کا منبع ہیں۔

من ارچہ عاشقم ورند و مست و نامہ سیاہ
ہزار شکر کہ یارانِ شہر بے گنہ اند

میں تین سال سے اپنے غریب خانہ میں شکستہ پا وخزیدہ ہوں اور میرے حساد خاطر آرمیدہ۔ اس کے باوصف مجھے کسی طرح ان سے امن میسر نہیں۔

شیر را سلسلہ برگردن و روبہ ہمہ شب
فارغ البال بر اطلال و دمن میگردد

عاقل از کلبۂ احزان ننہد پا بیروں
غافل از روئے طرب گرد چمن میگردد

ہنگامہ آرائی و بے مروتی

جب یہ ہنگامہ برپا ہوا تو اپنوں اور بیگانوں میں سے کسی شخص نے مجھ سے ہمدردی نہ کی۔ ہر شخص میرے نام بلکہ میرے سایہ ناکام سے بھی بھاگنے لگا اور کسی نے جھوٹ موٹ بھی نہ پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے۔

یک حرف آشنا بغلط ہم کسے نگفت!
چنداں کہ خوابِ خوش بہرِ افسانہ سو ختیم

ہاں میرے اہل بیت نے جان و مال و آبرو سے جس طرح بھی ہو سکا میرا ساتھ دیا۔ میں اس رفاقت و معیت کا تمام عمر خواہ عمر طویل بھی ہو شکریہ ادا کروں تو اس احسانِ کثیر کا تھوڑا سا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتا۔ اگر چہ ابتداء میں مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت نے کوشش کی کہ میرے اور رئیسہ کے درمیان مفارقت ہو جائے۔ میں بھی ان کی ناتجربہ کاری کے سبب اور اس کشمکش سے اپنی رہائی کے خیال پر خوش تھا مگر جو امر مقدر نہ ہو وہ کسی تدبیر سے ظہور میں نہیں آتا۔ مجھے اگر چہ اس جگہ کا قیام سخت شاق ہے۔ لیکن میں مختار نہیں۔

﴿ عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ﴾ ❶

اس حالت کے دامن گیر ہونے کی وجہ سے مجھے کوئی فکر نہیں کیوں کہ میں اللہ تعالیٰ کو حسیب، کافی اور رازق علی الاطلاق سمجھتا ہوں۔

و لیکن خداوند بالا و پست!
بعصیاں درِ رزق برکس نہ بست

اور یہ بھی جانتا ہوں کہ

﴿ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴾

''اور آسمان میں ہے رزق تمہارا اور وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔''

❶ [البقرة: ٢١٦]

اور اس آیت کو بھی پہچانتا ہوں:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴾

''بے شک اللہ ہی رزق دینے والا، قوت والا مضبوط ہے۔''

انسان اگر اللہ تعالیٰ کے تطورات کو بمقدمہ ایصالِ رزق غور سے دیکھے تو حیران رہ جائے۔ کبھی دشمن کے ہاتھ سے اس کی ناخوشی کے باوجود رزق دلواتا ہے، کبھی ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ میرے ساتھ یہ معاملہ اس لیے ہوا کہ میری نارسائی میں دشمنوں اور حاسدوں نے اپنی رسائی یقین کر لی تھی۔ مگر تقدیر الٰہی سے معاملہ الٹ ہو گیا۔ میرا کام سے جدا ہونا تو میرے حق میں عین مصلحت تھا۔ لیکن انھیں ہنوز مدعا ہاتھ نہیں آیا کسی اور ہی قوم کی مداخلت ہو گئی جس سے بالکل رفع امان ہو گیا۔

شادم کہ از رقیباں دامن فشاں گزشتی!
گو مشت خاک ماہم برباد رفتہ باشد!

وقال اللہ تعالیٰ:

﴿ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ ❶

''ہم بعض ظالموں پر ان کے (برے) اعمال کے سبب بعض ظالموں کو مسلط کر دیتے ہیں۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' مَنْ اَعَانَ ظَالِمًا سَلَّطَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ . '' ❷

''جو کسی ظالم کی مدد کرے تو اسے اللہ تعالیٰ اس پر بھی مسلط کر دے گا۔''

وقال بعض الشعراء

وَمَا مِنْ يَدٍ اِلَّا يَدُ اللّٰهِ فَوْقَهَا
وَمَا ظَالِمٌ اِلَّا سَيُبْلٰى بِظَالِمٍ

ابن کثیر رحمہ اللہ نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ظالموں کے ساتھ ہم ایسے ہی کرتے ہیں کہ

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالظّٰلِمِيْنَ نُسَلِّطُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَنُهْلِكُ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

❶ [الانعام: ١٢٩] ❷ [رواه ابن عساكر وهذا حديث غريب قرطبي: ٧/ ٨٥]

وَنَنْتَقِمُ مِنْ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ جَزَآءً عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَبَغْيِهِمْ.

''بعض کو بعض پر مسلط کرتے ہیں، ہلاک کرتے ہیں، انتقام لیتے ہیں اور یہ ان کے ظلم وبغادت کی سزا ہوتی ہے۔''

''فتح البیان'' میں کہا ہے:

قَالَ ابْنُ زَيْدٍ نُسَلِّطُ بَعْضَ الظَّلَمَةِ عَلٰى بَعْضٍ فَنُهْلِكُهُ وَنُذِلُّهُ قَالَ فُضَيْلُ بْنُ عَيَاضٍ إِذَا رَأَيْتَ ظَالِمًا يَنْتَقِمُ مِنْ ظَالِمٍ فَقِفْ وَانْظُرْ مُتَعَجِّبًا. انتهى.

''ابن زید کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر کے انھیں ہلاک اور ذلیل کر دیتے ہیں، اور فضیل بن عیاض نے کہا ہے کہ جب تم دیکھو کہ کوئی ظالم کسی دوسرے ظالم سے انتقام لے رہا ہے تو تم ٹھہرو اور تعجب سے دیکھو۔''

الحمدللہ کہ اس اندرونی وبیرونی حیص بیص میں میرے پاؤں میں کوئی لغزش پیدا نہیں ہوئی اور نہ کسی امر مکروہ کا مرتکب ہوا بلکہ مستقل مزاج رہا، اور کسی طرح کے تغیر وتبدلِ مزاج نے مجھ پر اثر نہ کیا اور میں نے اپنے لیے کسی بھی ذلت کو قبول نہیں کیا۔

ما عجز دشمنیم و حریفاں زبوں طلب!
ای خونِ ما بگردنِ طبعِ غیورِ ما!

لوگوں نے تو بہت چاہا اور خوب ڈرایا تاکہ ان کی طرف التجا کروں، اور مزید ذلت پر ذلت احاطہ کرلے بلکہ ادنی سے ادنیٰ حواشی ومواشی کو بھی میرے ستانے کا حوصلہ پیدا ہوگا۔ لیکن میں نے ان کی طرف رجوع نہیں کیا اور نہ ان کی ایذا دہی پر کچھ منفعل ہوا۔

ما زہر قاتلیم فصیحے نہ شہد ناب
مردِ طمانچہ خوردنِ بالِ مگس نیم

پھر بعض دشمنوں نے اپنی مطلب برآری کے لیے منافع کی بہت کچھ توقع دلائی اور وہ بھی بیکار گئی۔ ولنعم ما قیل

''بہشتے کہ بایں رسوائی دست بہم دہد بدتر از دوزخ ست۔''

آخر یہاں کے سب مناجاتی اور خراباتی متوسلین نے اتفاق کر کے مجھ پر آفتوں کا مینہ برسانا شروع کیا، اور اسلامی حقوق اور مروّت کے بجائے تعصب اور کفرانِ نعمت سے کام لیا۔ الحمد لله على كل حال۔

رَضِينَا قِسْمَةُ الْجَبَّارِ فِينَا   لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالٌ

فَإِنَّ الْمَالَ يَفْنَى عَنْ قَرِيبٍ   وَإِنَّ الْعِلْمَ يَبْقَى لَا يَزَالُ

میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس طرح صغرسن سے اب تک میں کسی شخص کا منت کش نہ ہوا تھا، اسی طرح اس ہنگامہ رستخیز میں بھی اپنے معبودِ واحد کے سوا کسی سے چارہ جو نہ ہوا اور نہ کوئی میرا شریک حال ٹھہرا۔ وللہ الحمد! میں جس کا بندۂ شرمندہ تھا، اسی نے مجھے ہزار عصیان و ذنوب کے باوجود اپنی کنف حمایت میں رکھا، غیر کے احسان سے بچایا اور کسی کے سامنے درم، قلم یا قدم سے شرمندہ نہ کیا:

" لَا أُحْصِيْ ثَنَآءً عَلَيْکَ أَنْتَ کَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِکَ "

پہلی رفیقہ حیات کا داغِ مفارقت

انہی حالات میں ایک اور مشکل کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اور وہ یہ کہ بچوں کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ اگرچہ وہ مجھ سے نکاحِ ثانی کے سبب کشیدہ خاطر رہتی تھی، لیکن میں ان سے خوش عقیدگی اور پابندی صوم وصلوٰۃ کی وجہ سے خوش تھا۔ بڑی خوش نصیب بیوی تھی۔ جب تک زندہ رہیں، ان کے سانحہ انتقال کے سوا مجھے اور کوئی تشویش لاحق نہ ہوئی، البتہ رئیسہ عالیہ اور میرے درمیان مکمل ایک سال تک شکر رنجی رہی۔ دوسرے سال بھوپال کی تغییر حال کا ہنگامہ پیش آیا۔ اور سارے زمانہ کا رنگ بدل گیا اور دو سال تک گونا گوں افکار و آفات کا تواتر رہا۔ اب ایک سال یعنی ۱۳۰۵ھ سے مصیبتوں کا وہ جوش و خروش نہیں ہے۔ لیکن کشف غمہ بھی کما حقہٗ نہیں۔

" لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ أَمْرًا ."

کشف غمہ سے مراد صرف رئیسہ عالیہ کے ملالِ خاطر کا رفع ہونا ہے، اپنا اوج موج مراد نہیں۔ کیوں کہ میں نہیں چاہتا کہ دوبارہ اسی دلدل میں گرفتار ہو کر ممقوتِ خلق و مسخوطِ خالق بنوں۔ اللهم احفظنا

مَنْ جَرَّبَ الْمُجَرَّبَ حَلَّتْ بِهِ النَّدَامَةَ .

میں نے بچوں کی ماں کی زندگی میں ہی ان کی شادی کر دی تھی، تاکہ ایسا نہ ہو، ان کی وفات کے بعد بچوں کو وحشت خاطر ہو اور مجھ سے بچوں کی خانہ داری کا انتظام نہ ہو سکے اور ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ اس طرح اسے بھی اولاد کی طرف سے طمانیت خاطر حاصل ہو جائے گی۔ اس کی زندگی ہی میں اللہ تعالیٰ نے بچوں کو بھی اولاد بخشی۔ وللہ الحمد!

مرض الموت میں وہ اپنی دختر کے گھر آ گئی تھیں، اسی جگہ ان کا علاج ہوتا رہا۔ اور اسی جگہ انتقال کیا۔ انتقال بروز چہار شنبہ (جس کی صبح کو غرہ رمضان ۱۳۰۱ھ تھا) چار بجے آخر شب بوقت اذانِ فجر ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

تاریخ وفات یہ ہے:

"نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهَا وَجَعَلَ اَوْسَطَ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهَا."

دوسرا فقرہ تاریخ یہ بھی ہوسکتا ہے:

"نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهَا وَكَانَ بِاَوْسَطِ الْفِرْدَوْسِ نُزُلَهَا."

نماز جنازہ موتی مسجد میں پڑھی گئی، میں نے نماز بادیدہ پر آب معہ سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھائی۔ نماز پڑھنے والوں کی لمبی لمبی گیارہ صفیں تھیں۔ اور ہر صف میں ۸۵ آدمی تھے۔ مدار المہام صاحب مرحوم کے باغ میں ان کے مرقد کے متصل ہی دفن کیا گیا۔ وہاں دوبارہ کثیر آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی، اختتام دفن تک حفاظ نے سورۂ رعد پڑھی، ان کی عمر تخمیناً شصت (٦٠) سال ہوگی۔ دفن کے بعد غلہ اور نقدی وغیرہ بھی صدقہ کی گئی۔ میں نے ان کے مرض کے ابتدا میں یعنی ماہ شعبان میں یہ خواب دیکھا تھا کہ آسمان کے مشرق ومغرب میں ایک بدرِ کامل نکلا ہوا ہے۔ مگر زیادہ بلند نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک نیزے کی بلندی پر ہوگا۔ لیکن اچانک وہ چاند آسمان سے زمین پر گر پڑا۔ اسی طرح ان کے مرض کے آخر میں خواب دیکھا کہ مدار المہام مرحوم عمدہ سفید لباس پہنے ہوئے بگھی پر سوار میرے پاس آئے اور بہت خوش ہیں۔ لیکن لاغر بدن ہیں۔ کچھ گفتگو کی جو یاد نہیں رہی۔

مرحومہ کو اسی سال ۲۵/رجب کو بائیں پاؤں میں ورم کا عارضہ ہوا تھا۔ جونکیں لگوائی گئیں تو ان کے ڈنگ پک گئے، چناں چہ اسی تکلیف کی وجہ سے ماہِ رمضان کی پہلی رات رحمت الٰہی کے جوار میں منتقل ہوگئیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث ہے:

"اَيُّمَا امْرَاَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ." ❶

"جو عورت فوت ہوئی اس حال میں کہ اس کا خاوند اس سے راضی تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔"

---

❶ [رواه الترمذی: ١١٦١]

میں ان سے راضی تھا۔ علاوہ ازیں اپنے جملہ حقوق سے انھیں بری الذمہ بھی کر دیا۔ اور میری نسبت اگر ان سے کچھ لغزشیں ہوئیں ہوں تو انہیں بھی معاف کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا صَلَّتِ الْمَرْاَةُ خَمْسَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا دَخَلَتْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَآءَتْ . ❶

"جب عورت پانچوں نمازیں پڑھے، شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔"

بحمدہٖ تعالیٰ ان میں یہ سارے اوصاف مجتمع تھے، علاوہ ازیں نہایت سخی النفس تھیں، صدقات وخیرات خوب دیتی تھیں۔ میری اولاد نے ان کے ترکہ سے نقد یا جنس کا ایک پیسہ تک نہیں لیا۔ سب ان کی سابقہ اولاد کو دے دیا۔ اسی طرح میں نے بھی اپنا حصہ نہیں لیا۔ اگرچہ رئیسہ کی مرضی یہی تھی کہ میں اور میری اولاد بھی شرعی فرائض کے مطابق اپنا اپنا حصہ لے لیں لیکن میری ہمت قاصر رہی۔ وللہ الحمد!

ان کی وفات کے بعد میں نے ۲۷ رشوال ۱۳۰۱ھ کو انہیں خواب میں دیکھا کہ میرے حجرۂ خواب واقع محل سرکار میں آ کر میرے پلنگ پر بیٹھ گئی ہیں۔ میں نے پوچھا مرنے میں بہت تکلیف ہوئی ہوگی؟ کہا:

"دو تین دن کا فاقہ ہوا اور کچھ نہیں۔"

میں نے پوچھا:

"قبر میں کچھ سوال وجواب ہوا؟"

کہا:

"مجھ سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا۔"

میں نے کہا:

"اللہ نے تمہیں بخش دیا؟"

کہا: "ہاں"

❶ [رواه ابن حبان في صحيحه موارد الضمآن: ١٢٩٦]

میں نے خیال کیا کہ ان کے کان کے نیچے جو ورم ہو گیا تھا۔ وہ خشک ہو چلا ہے اور وہ بہت خوش ہیں۔

تَبْرُقُ اَسَارِيْرُ وَجْهِهَا غَفَرَ اللّٰهُ لَنَا وَلَهَا بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ وَجَمَعَنَا فِيْ دَارِ كَرَامَتِهٖ وَرَحْمَتِهٖ. آمین ثم آمین!

ہم گلستاں میں بھی رہتے ہیں بیاباں کی طرح

میری اس بیوی کی پہلی اولاد جو پہلے شوہر سے تھی، وہ مجھ سے اور میری اولاد سے بلا کسی شرعی وجہ کے ناراض رہتی ہے، انہیں اپنی ماں کے نکاح ثانی کی ناراضگی ہے۔ میں نے تو جہاں تک مجھے علم ہے ان سے کوئی برائی نہیں کی، اور نہ ہی انہیں اپنی ماں کے پاس کبھی آمد و شد سے منع کیا۔ اگر چہ عدمِ جنسیت و عدمِ علم کی بنا پر ان کی مصاحبت میں رغبت نہیں ہے۔ پھر جب سے بی بی کا انتقال ہو گیا، انہیں مجھ سے اور بھی زیادہ وحشت ہو گئی ہے۔ ان کی ناخوشی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں نے انہیں مناصب جلیلہ پر نہیں پہنچایا۔ گویا یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات میرے اختیار میں تھی، حالاں کہ میں اپنی بے اختیاری کا حلف اٹھا سکتا ہوں۔ ان کا نسب انصاری بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن میرے حق میں تو مہاجرین ہو گئے ہیں۔ وللہ الحمد علی کل حال

مجھے ان امور کے متعلق ان سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ خصوصاً اس جہت سے اب آئندہ ان سے قرابت جدید کی کوئی صورت نکلنے والی نہیں ہے۔ میری اولاد کی قرابت اہل سیادت سے ہے، اہل سعایت سے نہیں۔

حسن اتفاق دیکھو کہ اس شہر میں اس سال یعنی ۱۳۰۵ھ میں قیام کی مدت ۳۵ برس ہو رہی ہے۔ لیکن برایا و رعایا کی مجھ سے عجب طرح کی بیگانگی ہے، کسی کو اپنا دوست نہیں پاتا ہوں، اگر چہ میں کسی کا بدخواہ یا بداندیش نہیں ہوں، لیکن مجھے اس جگہ ہمیشہ!

"خلوت در انجمن و سفر در وطن۔"

کی کیفیت حاصل رہی، کبھی نوبت!

"یاد کرد باز گشت"

کی نہیں آئی۔

وَاِنِّیْ غَرِیْبٌ بَیْنَ بُسْتٍ وَّاَهْلِهَا   وَاِنْ كَانَ جِیْرَانِیْ بِهَا وَبِهَا اَهْلِیْ

وَمَا غُرْبَةُ الْاِنْسَانِ فِیْ شِقَّةِ النَّوٰی   وَلٰكِنَّهَا وَاللّٰهِ فِیْ عَدَمِ الشَّكْلِ

افترا پردازیاں اور دشنام طرازیاں

حاسدوں اور مخالفوں نے زمانہ دراز تک اردو وانگریزی اخبارات میں میرے خلاف صدہا افترا باندھ کر مشہور کرائے اور صدہا دشنام لکھوائیں میں نے سکوت وشکیب اختیار کیا اور کسی بات کا جواب نہ دیا۔

دشنام اگر دہد خسیسے چارہ نہ بود بجز شنیدن
گر پائے کسے سگ گزیدہ! با سگ نتواں عوض گزیدن

اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو صرف اسی وجہ سے بخش دیا تھا کہ لوگ اس پر دروغ بندی کرتے تھے اور وہ اس کذب وافتراء سے پاک تھا۔ بحمدہ تعالیٰ میں بھی ان وقائع اور بہتانات سے جو میرے متعلق لکھوائے گئے ہیں، مثل صبح پاک نفس ہوں، اگرچہ اللہ کا حد سے زیادہ عاصی ہوں، لیکن ان طوفانات سے بری ہوں۔ وللہ الحمد!

گر در حق ما کسے بدی گفت! زیں غم دلِ خود چرا خراشیم
من در حق اونکو بگویم! تا ہر دو دروغ گفتہ باشیم

یہ مصیبت حقیقت میں اللہ کا ایک احسان ہے، اور یہ اعداء نفس الامر میں اصدقاء ہیں۔ ان کا غیبت کرنا، چغلی کھانا، برا بھلا کہنا، اور سخت وست لکھوانا میرے لیے ان شاء اللہ العزیز، مغفرت کا موجب ہوگا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ ان لوگوں کی باتیں اگر لباس صدق سے آراستہ ہیں، تو اللہ تعالیٰ مجھے انابت اور استغفار کی توفیق بخشے اور میرے قصور معاف فرمائے اور اگر وہ لوگ کاذب اور مفتری ہیں، تو اللہ ان کے گناہوں کو معاف فرمائے۔ میں اپنے اعداء کو حساد کو نام بنام پہچانتا ہوں۔ اور ان کے نفاق وبہتان کو خوب جانتا ہوں لیکن ان کے اسماء کی تعیین اس لیے نہیں کرتا کہ اس سے فتنوں کے بھڑکنے کا اندیشہ ہے۔

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد کار
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

ہجوم مصائب میں ایک غم خوار کا خط

ایک جم غفیر نے یہ بھی فکر وتدبیر کی کہ جس طرح ممکن ہو مجھے قید، اخراج، حبس دوام یا قتل کی سزا ملے اور ہنوز وہ اپنی کارستانی وایذا رسانی سے باز نہیں آئے، اور معلوم ہوتا ہے کہ جب تک میں اس جگہ

زندہ اور موجود ہوں باز نہیں آئیں گے۔

﴿ اُفَوِّضُ اَمْرِیٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴾ ❶

اس کے باوجود میں ان میں سے کسی کے درپے آزار نہیں ہوں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ

''اگر سارا جہان تجھے نفع یا نقصان پہنچانے پر مجتمع ہو جائے تو جب تک اللہ نہ چاہے تجھے کچھ نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

مجھے اس ہنگامہ میں اس حدیث کے صدق کا بخوبی تجربہ ہو گیا ہے۔ وللہ الحمد

لَوِ الثَّقَلَانُ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ اَجْمَعُوْا   یُرِیْدُوْنَ اِیْلَامًا لِاَصْغَرِ نَمْلَةٍ

یَکُوْنُ لَهَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ نَاصِرًا   لَمَا ظَفِرُوْا مِنْهَا بِاَدْنٰی مَضَرَّةٍ

اس انقلاب سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ عزلت وخلوت اختیار کرنے کی وجہ سے اعداء، حساد اور اغیار کی رؤیت سے محفوظ ہو گیا ہوں۔

دردیدہ بجائے سرمہ سوزن دیدن   برق آمدہ آتش زدہ خرمن دیدن

در قید فرنگ غل بگردن دیدن   بہ زانکہ بجائے دوست دشمن دیدن

جب یہ انقلاب ہوا تو ''تحفۃ الہند'' کے مؤلف عافاہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک خط لکھا، جس میں تحریر کیا کہ

''میرے نزدیک آپ کا نفس مطمئنہ ہے، اللہ تم سے راضی ہوا اور تم اللہ سے راضی رہو۔ واللہ حسیبک۔ آپ کا حوصلہ عالی ایسا نہیں ہے کہ اندک زوال حشمت وجاہ دنیائے دوں کا، جو کہ اللہ کے نزدیک ایک پرپشہ سے بھی حقیر تر ہے۔ آپ کی خاطر کو مقدر کرے۔ حضرت من! کچھ اپنی بھی قدر پہچانو! تم لخت جگر زہرا رضی اللہ عنہا ہو، تم نور چشم مرتضیٰ ہو، تم وارث سید الانبیاء ہو، تم جگر گوشہ رسولِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو، تم مجدد دین ہو، تم محی سنت ہو، تم قامع بدعت ہو۔ وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ!

اگر خطابِ نوابی نہ رہا تو کیا پروا ہے، خطاب وارث الانبیاء کافی ہے، اگر امیر الملک والا جاہ نہیں رہے، تو امیر المومنین تو ضرور ہو، اگر صدائے سلامی اتواپ نہ رہی، بلا سے، ندائے ''حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح'' تو خدادا ہے، اگر خدمت مفوضہ رئیسہ بھوپال نہ رہی تو غم نہیں،

❶ [المومن: ٤٤]

خدمت مفوضۂ خدا تعالیٰ ورسول ﷺ غنیمت کبریٰ ہے۔اس زوالِ بعض اقسام حشمت وجاہ کوایسا سمجھو جیسے کوئی موئے عانہ وناخن دست وپا کو قطع کرکے پھینک دیتا ہے۔اور جانتا ہے کہ اوساخ بدن کے دور گئے۔ یہ وقت صبر ورضا وتسلیم کا ہے،مولوی مظفر حسین رحمہ اللہ گاہ گاہ اس حدیث قدسی کو پڑھا کرتے تھے:

"تُرِيْدُ وَاُرِيْدُ وَمَا يَكُوْنُ اِلَّا مَا تُرِيْدُ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ . او كما قال النبي صلى الله عليه وسلم ." ❶

اللہ آپ کو ان شخصوں میں کرے جو اس آیت کے مصداق ہیں:

﴿ انا وجدناه صابرا نعم العبد انه اواب ﴾ ❷

"اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے کہ تم مصداق ان دو آیت کے ہو ایک:

﴿ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى o وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى o وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴾ ❸

دوسری:

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ o وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ o الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ o وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ ❹

اب ان شاء اللہ مصداق اس آیت کے ہوگے:

﴿ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا o اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴾ ❺

اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ سے وہ کام لیے ہیں کہ کسی اور سے کم لیے ہوں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس کے حصول کی تدبیر نہ کیجیے بلکہ اس تدبیر میں تو ہم سب تمہارے خیر خواہ لگ رہے ہیں۔اس واسطے کہ آپ کی عزت وجاہ تمام اہل سنت بلکہ تمام اہل اسلام کی عزت وجاہ ہے اور ہم کو یہ تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اعداء وحساد کو ہدایت کرے یا خوار وذلیل فرمائے۔غرض اس عرض سے یہ ہے کہ

---

❶ تو بھی ارادہ کرتا ہے اور میں بھی لیکن ہوتا وہی ہے جو تیرا ارادہ ہو، جو تیرے کام پر راضی ہو جائے اس کے لیے رضا اور جو ناراض ہو جائے اس کے لیے ناراضگی ہے۔

❷ [ص:٤٤] ❸ [الضحی: ٦ تا ٨]

❹ [الم نشرح: ١ تا ٤] ❺ [الم نشرح:٥،٦]

خاطر مبارک کو مطمئن وفارغ رکھ کر بدستور خدمت مفوضہ خدا اور رسول میں مشغول رہو، اور اگر کبھی کچھ خیال نفس کا متغیر پاؤ تو یہ کہو

غلامِ ہمت آنم کہ زیرِ چرخ کبود ۔۔۔ زہرچہ رنگِ تعلق پذیرد آزاد ست
نصیحتے کنمت یاد گیرد در عمل آر ۔۔۔ کہ این حدیث زپیر طریقتم یادست
کہ اے بلند نظر شاہبازِ سدرہ نشیں ۔۔۔ نشیمن تو نہ ایں کنجِ محنت آبادست
تراز کنگرۂ عرش می زنند صفیر ۔۔۔ ندانمت کہ دریں دام گہ چہ افتادست
غمِ جہاں مخور و پندِ من مبر ازیاد ۔۔۔ کہ ایں لطیفۂ نغزم زرہروے یادست

والسلام۔'' انتہی

میں اس خط کو اس جگہ نقل نہیں کرنا چاہتا تھا، کیوں کہ وہ ان اوصاف پر مشتمل ہے، جن کے ساتھ میں اپنا اتصاف نہیں پاتا۔ صاحب خط نے حسن ظن سے جو چاہا لکھ دیا۔ میں تو اس خط کو صرف اس لیے یہاں نقل کر رہا ہوں کہ اس میں مجھے نصیحت وتسلی لکھی ہے۔

میں اللہ سے یہی چاہتا ہوں کہ مجھے خط مذکور کے مضامین کا مصداق بنا دے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس تہلکہ میں ثابت قدم رکھا، صبر عطا کیا، انقلاب سے رنجیدہ خاطر نہ کیا، بلکہ اس شغل سے جدا ہو جانا بہت اچھا ثابت ہوا۔ میں ایک مدت سے اسی خلوت وعزلت اور اسی وحدت وتنہائی کا طالب تھا۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر مے خواست
آخر آمدز پس پردۂ تقدیر پدید

میں خطابِ نوابی کو رب الارباب کا ایک عتاب سمجھتا ہوں اور امیر الملکی ووالا جاہی کو سبب ہلاک یوم الحساب۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مجھے یہاں تین خطاب ملے: ایک امیر الانشائی، دوسرا معتمد المہامی اور تیسرا یہ خطاب۔ میں ان خطابات میں سے کسی پر کبھی خوش نہیں ہوا، اور نہ ہی کبھی اظہارِ تفاخر کیا بلکہ ہمیشہ ان تحریکات اور ترقیات سے نہایت مدوشد کے ساتھ رئیسہ عالیہ سے معذرت چاہتا رہا لیکن میری عرض قبول نہ ہوئی۔

آنچہ نصیب ست بہم میرسد
گر نہ ستانی بستم میرسد

اور اس امر کی شاہد خود رئیسہ عالیہ ہیں کہ ایک بار خود انھوں نے یہ چاہا تھا کہ مجھے صدر کی منظوری سے تاحیات ریاست کا خود مختار کار بنادیں، چناں چہ اس تحریک کی مثل دفتر ریاست میں موجود ہے۔ میں نے بڑی جدوجہد سے انہیں اس خیال سے باز رکھا ورنہ دنیا کا جادو تو ہاروت وماروت کے سحر سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میرے سوا کوئی دوسرا شخص اس زمانہ میں اس امر میں پیچھے رہتا۔

الحمد لله على ذلك حمدا كثيرا

اب جو اس خطاب والقاب کا ازالہ ہوگیا ہے، اور جو نام میرے باپ نے رکھا تھا یعنی صدیق بن حسن وہ باقی رہ گیا تو یہ بات میرے لیے دنیا وآخرت کے اعتبار سے بڑی مسرت کی ہے۔ سلف اسلام ہمیشہ ایسے امور سے متنفر رہتے تھے اور ان کاموں میں دین کا نقصان سمجھتے تھے بلکہ وہ تو قید کیے گئے، ملک سے نکالے گئے، مارے پیٹے گئے اور بعض کو قتل بھی کیا گیا۔ لیکن انھوں نے ان مناصب کے قبول کرنے سے انکار ہی کیا۔ یہ کام انہی لوگوں سے بنتا ہے جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ یہ خطاب والقاب نہ مجھے طلب وتدبیر سے حاصل ہوئے تھے اور نہ ہی سوءِ تدبیر سے گئے بلکہ جس کے سبب سے ملے تھے اسی کی وفاداری میں گئے، ولله الحمد!

علاوہ ازیں اس زمانہ میں خطاب کی وقعت ہی یہ رہ گئی ہے کہ اکثر نااہلوں کو بصرفِ زر، آشنائی، شرکت محفل فجور، آلات واسبابِ فسوق کے استعمال کو رمکی آقایا چالاکی اور فریب ودغا بازی سے مل جاتے ہیں۔ یہ باتیں کسی مسلمان سے بھلا کب ہوسکتی ہیں کہ اسے خطاب ملے یا مل کر باقی رہے۔

شعرانی رحمہ اللہ نے ''منن کبریٰ'' میں لکھا ہے کہ

> مجھے اگر کوئی کنیت، لقب، شیاخت یا سیادت کے بغیر محض میرے نام سے پکارتا ہے تو مجھے تکدر نہیں ہوتا کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ انسان کو اس کے نام سے پکارنا صدقِ محض ہے اور القاب یا کنیتوں وغیرہ میں اکثر کذب داخل ہوجاتا ہے، خواہ تاویل بعید سے ہو، اور کمتر لوگ اسے قبول کرتے ہیں۔

سلف صالح، صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ بھی اسی طریق پر کاربند تھے کہ صرف نام لے کر ہی ایک دوسرے کو بلاتے اور جب کسی کو نام لے کر بلایا جاتا تو وہ لبیک کہتا۔ اور جو شخص ''شمس الدین، نور الدین، اور سراج الدین'' وغیرہ القاب پر خوش ہوتا ہے اسے اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات ثابت ہوچکی ہو کہ وہ جہنم کے کوئلوں میں سے

ایک کو گلہ ہوگا۔ ہم القاب کی حرمت کا فتویٰ نہیں دیتے کیوں کہ ان میں کذب غیر محقق ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ شمس الدین، نور الدین وغیرہ کہنے سے کہنے والے کی مراد یہ ہو کہ وہ اپنی ذات کی حد تک دین کا آفتاب، نور یا قطب ہے۔ اسی طرح دیگر القاب کا معاملہ ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ بات دوست واحباب اور ہم عمر لوگوں کے متعلق ہے ورنہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے اساتذہ اور شیوخ کو سیادت، تفخیم اور تعظیم پر مشتمل القاب سے پکارے جیسا کہ سلف صالح کا معمول تھا۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ''عتیق'' کے لقب سے نوازا۔ حافظ ابن حجر نے بھی ذکر فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ''صدیق'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ''فاروق'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ''ذوالنورین'' حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو ''سیف اللہ'' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ''اسد اللہ'' اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو ''ذوالجناحین'' کے القاب سے سرفراز فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین!

میرے لیے تو اب صرف اتنی کسر باقی رہ گئی ہے کہ میرا رب مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لقب کی برکت سے صدیقیت کا مصداق بنا کر نارِ جہنم سے آزاد کردے تا کہ اس مناسبت سے صدیق کے بعد عتیق بھی ہو جاؤں اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت ایمان کی حالت میں جاؤں۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز!

گہہ ناز کند فرشتہ بر پاکیٔ ما — گہہ عار کند دیو ز ناپاکیٔ ما

ایمان چو سلامت بلبِ گور بریم — احسنت بریں چستی و چالاکیٔ ما!

خطاب والقاب کا انتزاع

میرے دشمن اور حاسد سالہا سال سے میری خرابی کے درپے تھے۔ مجھ پر حکام وقت کی مخالفت کی تہمت لگائی اور ''ہدایۃ السائل'' اور رسالہ ''اقتراب الساعۃ'' کے مسائل ہشت گانہ کو اپنے افتراء کے لیے دلیل وشاہد بنایا اور دوسری تہمت مجھ پر بدنظمی ملک کی لگائی حالاں کہ میں فی نفسہ ان دونوں امر سے بری تھا۔

امر اول سے اس طرح کہ مسائل مذکورہ سابقہ کتب فقہ کا محض ترجمہ تھا میری طرف سے کوئی تحریر نہ تھی۔ اور وہ مسائل فقہ وحدیث کی کتب متداولہ مطبوعہ ہند ومصر میں اب تک موجود ومروّج ہیں۔ اور

امر ثانی سے اس لیے کہ میں نے مختارِ ریاست تھا نہ اہل کارِ ریاست کہ میری طرف ظلم کی نسبت درست ہو، بلکہ فی نفسہ کوئی ظلم موجود ہی نہ تھا۔ اس تہمت سے حاسدوں کا مقصود صرف یہ تھا کہ مجھے امورِ حل وعقد میں مدد دہی اور نگرانی سے جدا کر دیا جائے۔ چناں چہ ان کا یہ مقصود حاصل ہو گیا۔ وللہ الحمد!

۱۴/ ذی قعدہ ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۶/ اگست ۱۸۸۵ء کو مجھ سے خطاب والقاب کا انتزاع ہو گیا اور میں اس کام سے علیحدہ ہو گیا۔ بلکہ کام تو میں نے پہلے ہی چھوڑ دیا تھا اگر چہ کمینے لوگوں نے مجھے اپنے افتراء سے نہ چھوڑا۔ بہر کیف ۱۳۰۲ھ سے عجب طرح کا ہنگامہ رستخیز میرے اور رئیسہ عالیہ کے متعلق روز افزوں ہے اور اخبارِ موحش وآثارِ خوف میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے اور ابھی تک ان اراجیف، ہموم، غموم اور کروب سے امن حاصل نہیں ہے۔

ایک افتراء مجھ پر یہ بھی باندھا گیا کہ میں اپنے بعض بچوں کا رئیسہ عالیہ کی اولاد سے رشتہ کرنا چاہتا ہوں حالاں کہ میری اولاد فارغ نہیں، بلکہ شاغل ہے اور پھر میں نسب سیادت کی حفاظت کو سب امور پر مقدم رکھتا ہوں دولت کے لیے قرابت کرنے سے مجھے سخت عار ہے۔ اس حیلہ سے اکتسابِ دولت وحکومت کا اندیشہ وہ کرے جو دنیا کو اپنی سعادت سمجھے ؏

آنچہ فخر تست آن ننگ من ست

ماہِ شعبان ۱۳۰۳ھ میں پریشانی وحیرانی کا سخت غلبہ تھا، اور بظاہر نجات وامن کی کوئی شکل دیکھنے سننے میں نہ آتی تھی۔ اسی اثناء میں ایک رات صبح جو نماز کے لیے بیدار ہوا تو میری زبان پر خود بخود یہ کلمہ جاری تھا۔

﴿ لَا تَخَفْ قف اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴾ ❶

”نہ ڈر یقیناً تو امن والوں سے ہے۔“

پھر دوسری رات بھی ایسے ہی ہوا، صبحدم بیدار ہوتے وقت یہ آیت میری زبان پر جاری تھی۔

﴿ وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴾ ❷

”اور انھوں نے اس کے ساتھ مکر کا ارادہ کیا پس ہم نے ان کو خسارہ اٹھانے والے کر دیا۔“

میں نے یقین کر لیا کہ میرے خیال وگمان کے بغیر اس قراءت وتلاوت کا دل وزبان پر جاری

---

❶ [القصص: ۳۱] ❷ [الانبیاء: ۷۰]

ہونا۔ رحمان ورحیم کی طرف سے امن وامان کی بشارت ہے۔ اس دن سے میرے دل میں استقلال اور طمانیت ہے۔ ہر چند کہ اس دوران میں لوگوں نے خوفناک خبریں سنا کر مجھے متزلزل کرنا چاہا۔ لیکن میں یقین غیبی پر مستقیم رہا اور ہجومِ افکار سے پریشاں خاطر نہ ہوا۔

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے
بہ پیشِ ہمت ماہر چہ آمد بود مہمانے

اور سمجھ لیا کہ مجھ سے کچھ نہیں ہوسکتا، وہ بھی خدا کی طرف سے ایک تنبیہ تھی اور یہ بھی اسی کی طرف سے ایک تسلی ہے۔ خوش حالی اور تنگی سب اُسی ایک ذات پاک کی طرف سے ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّیَ اللّٰهُ حَسْبِیَ اللّٰهُ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اِعْتَصَمْتُ بِاللّٰهِ فَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَى اللّٰهِ مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ .

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہو گا
ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہو گا
جو کچھ کہ ہوا ، ہوا کرم سے تیرے!
جو کچھ ہو گا ، ترے کرم سے ہو گا

دردمنت کش دوانہ ہوا

میں نے مکمل آٹھ ماہ تاج محل سے علیحدہ ہوکر نور محل میں گزارے اور اس مدتِ دراز میں کسی خویش وبیگانہ نے ایک دن بھی قدم رنجہ نہ فرمایا۔

رنگِ گل ، نغمۂ بلبل ، اثرِ بادِ بہار
جب سے ہم قید ہوئے کوئی گلستاں میں نہیں

غرہ جمادی الآخر ۱۳۰۲ھ کو میرے اہل بیت نے تنگ آ کر کلکتہ کا سفر اختیار کیا۔ اور میرے تاج محل میں رہنے کی اجازت حاصل کی۔

اے صبا سوختگاں بر سرِ رہ منتظر اند!
کردۂ عزم سفر لطف خدا یار تو باد!
ہیچ زاں یارِ سفر کردہ پیامے داری
ہمت اہل نظر قافلہ سالارِ تو باد

الحمد للہ میں نے اس طول تعب میں اللہ کے سوا کسی سے کوئی شکوہ نہیں کیا، نہ کسی طرح کی اعانت چاہی۔ انسان جب اپنی مصیبت کو اللہ کی طرف پھیرتا ہے اور غیر اللہ کو اس سے مطلع نہیں کرتا تو وہ مصیبت بہت جلد دور ہو جاتی ہے۔ حالت عبودیت بھی اسی کی مقتضی ہے کہ عبد غیر کے روبرو نہیں بلکہ صرف آقا کے سامنے تضرع کرے۔

قَــالُــوْا اَتَشْــكُــوْا اِلَيْـــهِ　　　مَــالَيْــسَ يَــخْــفِــي عَــلَــيْــهِ
فَــقُــلْــتُ رَبِّــيْ يَــرْضَــى　　　ذُلَّ الْــعَــبْــدِ اِلَيْـــهِ

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ سے میری سرشت میں یہ رکھا ہے کہ ہر شخص خصوصاً کمینے آدمیوں کے منت کش ہونے سے گریز کرتا ہوں۔

برائے نعمتِ دنیا کہ خاک برسرِ آں
منہ زمنت ہر سفلہ بار برگردن
بیک دو روز رود نعمتش زدست ولے
بماندت ابد الدہر عار بر گردن

کھانے میں زہر

ابتدائے عقد نکاح کے زمانہ میں مجھے اور رئیسہ کو طعامِ چاشت میں زہر دیا گیا تھا۔ عین تناولِ غذا کی حالت میں مجھے اور انھیں قے اور دست شروع ہو گئے۔ ایک دو دن تک بالکل بے خبری رہی، تیسرے دن جب تقدیر الٰہی سے سب مادۂ سمیت خارج ہو گیا، تب ہوش آیا، یہ علاج بھی خزانہ غیب سے ہوا۔

در قتل مانکرد کمی انتظارِ تو
کوتاہی کہ بود ز عمر دراز بود

لوگوں نے اس توہم کے دفع کرنے کے لیے باتیں بنائیں اور قاتل کی طرف سے خیال کو پھیر دیا۔ لیکن حقیقت حال مخفی نہ رہی۔

تَــمَــنّــٰـى رِجَــالٌ اَنْ اَمُــوْتَ وَاِنْ اَمُــتْ
فَتِــلْــكَ سَبِــيْــلٌ لَسْــتُ فِيْهَــا بِــاَوْحَــدِ

مجھے معلوم ہے کہ کس نے زہر دیا اور کس لیے دلوایا۔ لیکن اس کا اظہار مصلحت کے خلاف

ہے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے قاتل سے درگزر کی تھی۔ اسی طرح مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنا خون بہا معاف کر دیا تھا۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ظرف اور طبیعت کے مطابق کام کرتا ہے۔ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ جب قابو پاتے ہیں تو دشمن سے بھی درگزر کر جاتے ہیں۔ جس طرح بحمدہٖ تعالیٰ میں نے کیا اور کچھ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ ذراسی بھی قدرت ملے تو محسن کشی کو ثوابِ عظیم سمجھتے ہیں۔

مَلَكْنَا فَكَانَ الْعَفْوُ مِنَّا سَجِيَّةً
فَلَمَّا مَلَكْتُمْ سَالَ بِالدَّمِ اَبْطَحُ!

اور فارسی شاعر نے کہا۔

بقدرِ وسعت مشرب بہرکس جُرعۂ دادند
تو در پیمانہ مے داری ومن خون در جگر دارم

اللہ تعالیٰ نے جو دنیا کو مبغوض وملعون قرار دیا ہے تو بجا ہے، بیشک دنیا ایسی ہی جگہ ہے۔ دنیا دار ہمیشہ اہل دین کے دشمن ہوتے ہیں۔ نکاح ثانی کی عداوت اور امور سلطنت میں میری مدد ہی اس زہر کا باعث تھا۔ جب یہ تدبیر بھی کارآمد نہ ہوئی تو پھر اہل نفاق کا افتراء پردازیوں پر اتفاق ہو گیا اور حکام کو ہمارے خلاف برہم کر کے جو کچھ کیا کیا۔

ابنائے زماں در پئے ہر شور و شراند
اپنا شتہ نفاق و عین ضرر اند
مانند قطار شتر ایں فرقہ دوں!
با یکدگر اند و در پئے یکدگر اند

حالاں کہ جب سے میں اس گھر میں آیا ہوں، کبھی اپنے رسوخ، نفاذِ حکم اور ترقی منصب کا اندیشہ نہیں کیا۔ میرے اوقات ہی یہ تھے کہ کام کے وقت کچہری میں بیٹھتا تھا۔ لیل ونہار کی باقی گھڑیوں کو علم وتالیف کے شغل میں صرف کرتا، ہر شخص سے تواضع سے پیش آیا، ہر کسی کی مداراتِ عرفی بجالایا۔ ہمیشہ اپنے آپ کو ''احد من الناس'' ہی جانا۔ کیوں کہ اہل تجربہ نے کہا ہے۔

اِنْ تَلْقَكَ الْغُرْبَةُ فِيْ مَعْشَرٍ قَدْ اَجْمَعُوْا فِيْكَ عَلٰى بُغْضِهِمْ
فَدَارِهِمْ مَا دُمْتَ فِيْ دَارِهِمْ وَاَرْضِهِمْ مَا دُمْتَ فِيْ اَرْضِهِمْ

لیکن بات دراصل یہ ہے کہ اس مرزبوم کے لوگ شروع سے اس امر کے عادی ہیں کہ ان پر

رئیس کی طرف سے ہمیشہ قہر، زجر، جرمانہ اور معزولی کی بارش برستی رہے، تب کہیں راہِ راست پر رہتے ہیں۔

اسی سے تو دلِ بیتاب ٹھیک رہتا ہے
جو تجھ کو باندھ کے زلف سیاہ میں رکھے

رئیسہ حال کے عہد سعادت مہد میں ان کے رحم وکرم اور عفو کے سبب عقوبت معاصی سے تجاوز ہونے لگا۔ کور نمک لوگوں نے اس نعمت خداداد کی کچھ قدر نہ جانی، ہر کسی کو شر وفساد کا حوصلہ بڑھ گیا۔ احسانِ کریم، شیطانِ رجیم کے طغیان کا موجب ہوگیا۔

خبیث را چو تعہد کنی و بنوازی
بدولت تو گنہ میکند بانبازی

حکمت سعدی میں لکھا ہے کہ

"رحم آوردن بر بداں، ستم ست بر نیکاں وعفو کردن از ظالماں جورست بر درویشاں۔"

نکوئی بابداں کردن چنا نست
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

اور عربی شاعر نے کہا ہے۔

وَمَنْ يَّصْنَعُ الْمَعْرُوْفَ فِيْ غَيْرِ اَهْلِهٖ يُلَاقِيْ كَمَا لَاقٰى مُجِيْرٌ اُمَّ عَامِرٍ
فَقُلْ لِذَوِي الْمَعْرُوْفِ هٰذَا جَزَاءُ مَنْ يَجُوْدُ بِمَعْرُوْفٍ عَلٰى غَيْرِ شَاكِرٍ

ان میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہوگئے، جو اپنے آپ کو اہل علم و دین خیال کرتے ہیں۔ حالاں کہ وہ دین سے کوسوں دور ہیں اور محض شکم وشرمگاہ کے بندے، خواہشات کے پجاری، دینار و درہم کے غلام، فسق وفجور کے پرستار اور زور وشرور کے منبع ہیں۔

چو تاک از سبز پوشیہائے خود فکرِ دغل دارم!
لباسِ صالحاں وشیشۂ مے در بغل دارم

حاصل یہ کہ ان نمک حلال اور حلال خوروں نے رئیسہ کے ساتھ وہ کیا جو خارجیوں نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔ اور مجھ سے اس طرح پیش آئے جس طرح یزید کا لشکر جناب حسین رضی اللہ عنہ کے

ساتھ پیش آیا تھا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَفِىْ كُلِّ حَالٍ وَلِكُلِّ حَالٍ وَمَعَ كُلِّ حَالٍ

آشنایانِ جہاں طرفہ سلوکے کردند
آبِ خنجر عوضِ آبِ فراتم دادند

حکام کی طرف سے مجھ پر جو الزامات واعتراضات قائم ہوئے بعض لوگوں نے ان کا جواب لکھ کر کشف غمہ کیا ہے۔ "ماجرائے بھوپال" اس کا شاہد حال ہے۔ غرض کہ وہ سب اعتراضات نفس الامر میں ذنوب وآثام نہیں بلکہ محض اضغاثِ احلام ہیں۔ اگرچہ میں نے کتاب "ذم الدنیا" پڑھی تھی۔ اور تقلباتِ جہاں سے بھی آگاہی حاصل تھی۔ لیکن اس معاملہ کے وقوع نے کامل تجربہ بخش دیا ہے اور وحدت کی کثرت پر اور خلوت کی جلوت پر ترجیح کو ثابت کر دیا ہے۔ لہٰذا اب عزم صمیم ہے کہ دوبارہ اس بلا میں اختیاری یا اضطراری طور پر گرفتار نہ ہونے پاؤں۔ اور حیاتِ مستعار کے جو چند سانس باقی رہ گئے ہیں تمنا ہے کہ کشاکش زمانہ سے محفوظ رہ کر آشیانہ تنہائی میں بسر ہو جائیں۔

ہلاکِ شیشہ در خون نشستہ خویشم
کہ آخریں نفسش عذر خواہی سنگ ست

امام شوکانی کی تقلید کی تہمت

اہل تقلید نے مجھ پر امام محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ کی تقلید کی تہمت لگائی کہ میں اپنے دین میں ان کا مقلد ہوں۔ اس تہمت میں طرفہ تماشا یہ ہے کہ جس طرح ائمہ اربعہ، مجتہدین اور دیگر سلف صالحین نے تقلید سے منع کیا ہے، اسی طرح یا اس سے بھی زیادہ ردّ تقلید میں شوکانی رحمہ اللہ نے میدانِ مباحثہ میں جولانی دکھائی ہے اور وہ خود ایک مستقل مجتہد تھے۔ اس کے باوجود ان کی فقہ مذاہب اربعہ اہل سنت کے دائرہ سے خارج نہیں ہے۔ سوائے ایک دو خاص مسائل کے جن کی بنیاد محض رائے مجرد اور اجتہاد ناسدید پر نہیں بلکہ نص صحیح اور دلیل صریح پر ہے۔ پھر ان مسائل میں بھی وہ منفرد نہیں بلکہ سلف میں سے کئی حضرات ان کے قائل ہیں۔ پھر اس نہی کے باوجود میرا یا کسی اور کا ان کی تقلید کرنا چہ معنی؟

میں نے اپنی تالیفات میں کئی مسائل میں ان کی مخالفت بھی کی ہے۔ کیوں کہ مجھے ان کی [illegible]

نہیں۔ وہ تو ایک محدث خالص، مفسر بحت، تابع دلیل، تارکِ قال وقیل، قاضی القضاۃ صنعاء ویمن، نقشبندی طریقہ کے حامل اور مذہب زیدیہ کی تردید کرنے والے تھے۔ اُنھوں نے اصول وفروع اسلام کو نصوص وبراہین صحیحہ پر منطبق کیا ہے۔ راجح ومرجوح کا پتہ دیا ہے اور اپنی رائے کو مدوّن نہیں کیا۔ مقلد تو رائے کی تقلید کرنے والے کو کہتے ہیں، نہ کہ اسے جو روایت قبول کرنے والا ہو۔ میں نے اپنی کتب میں ان سے دلائل اور روایاتِ صحیحہ کو اسی طرح لیا ہے جس طرح اکثر مقامات پر سابق ولاحق علماء حنفیہ سے اخذ کیا ہے، جو مقامِ تحقیق وتقویٰ پر فائز تھے۔ یہ ان کی تقلید نہیں بلکہ عین اتباعِ حدیث وآیت ہے۔ ربِ کعبہ کی قسم! میں ان کا مقلد مصطلح نہیں ہوں، جس طرح کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن القیم، اور سید محمد بن اسمٰعیل رحمہ اللہ وغیرہ کا بھی نہیں ہوں۔ اگرچہ ان کے کلمات وتحقیقات کا ناقل، قابل اور قائل ضرور ہوں کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ امت مسلمہ میں سے کسی شخص کا اتباع کسی پر بجز اللہ ورسول اللہ کے واجب نہیں ہے۔ اسی وجہ سے سارے سلف تقلید رجال سے منع کرتے چلے آتے ہیں۔ پھر بھلا جو شخص ائمہ سلف کی تقلید نہیں کرتا۔ وہ ائمہ خلف کی تقلید کیوں کرنے لگا؟ لوگ تقلید اور اقتداء میں فرق نہیں کرتے۔ یہی عدم فرق اس جہالت اور اعتراض کا منشا ہے، ورنہ اس طعن کا کوئی جواز نہیں تھا۔

ائمہ کی بے ادبی کا الزام

رجماً بالغیب مجھ پر یہ طوفان بھی باندھا گیا کہ میں خدانخواستہ ائمہ اربعہ کے حق میں عموماً اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حق میں خصوصاً بے ادب اور نامہذب ہوں۔ حالاں کہ یہ محض افتراء ہے، اس کی تکذیب کے لیے میرا رسالہ ''جلب المنفعۃ'' ہی کافی ہے۔ اگر میں ایسا ہوتا تو اپنی کتب میں ہرگز کسی حنفی مسئلہ کو ترجیح نہ دیتا، حالاں کہ ''مسک الختام'' اور ''شروح تجریدات صحیحین'' وغیرہ میں بہت جگہ میں نے مذہب امام عالی مقام کو راجح لکھا ہے اور دوسرے مذہب کو مذہب مرجوح یا ضعیف یا مردود قرار دیا ہے۔ میں نے تو کسی کتاب میں بھی مقلدین مذاہب کے حق میں زبان قلم سے طعن وتشنیع کا کوئی لفظ نہیں نکالا چہ جائے کہ حضرات ائمہ اربعہ کے حق میں کوئی نازیبا کلمہ استعمال کروں۔

﴿سُبْحٰنَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ﴾ [1]

---

[1] [النور:١٦]

میرا چاروں ائمہ فقہ، جمیع محدثین، جملہ علماء پاک دین کے حق میں اسی طرح کا اعتقاد ہے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور تمام سلف صالحین رحمہم اللہ کے حق میں ہے۔ اگرچہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ خدا کے نزدیک ان کے تفاضل درجات کیا ہیں؟ میں ان سب کے حق میں بے ادبی کو سم قاتل اور زہر ہلاہل جانتا ہوں۔ میں بحمدہٖ تعالیٰ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں کہ دنیا کے کتوں سے ڈر کر تقیہ کروں، اگر ایسا ہوتا تو آج مجھے ان آفتوں کا کیوں سامنا کرنا پڑتا، اور نہ میں ریا کار ہی ہوں، اس لیے کہ ریا کاری تو مال و جاہ اور عزت کے حصول کے لیے ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے حوصلہ و ہمت سے بڑھ کر دے رکھا ہے، مجھے تحصیل حاصل سے کیا فائدہ؟ بے شک میں اس وقت تک کسی کی مجرد رائے اور اجتہاد کو نہیں مانتا جب تک کہ اسے دلیل سنت کے موافق نہ پاؤں، خواہ اس کا تعلق علم ظاہر سے ہو یا علم باطن سے۔ یہ طریقہ حلت وحرمت کے مسائل میں مطرد ہے۔ اور اصولِ عقائد میں متحد۔ رہے وہ امور جن کا تعلق ان دونوں اقسام میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں۔ وہاں میں معانی آیات واحادیث میں جملہ علماء اکابر، صلحاء اور ائمہ سلف کے اقوال واحوال پر اعتماد کرتا ہوں۔ خواہ علماء حنفیہ ہوں یا شافعیہ، حنابلہ ہوں یا مالکیہ، علماء صوفیہ ہوں یا مشائخ طریقت۔ عوام بلکہ خواص جہلا کا میرے متعلق یہ گمان کہ میں کسی عالم یا ولی اللہ کے حق میں بے ادب ہوں، بالکل گناہ محض ہے۔

﴿ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ﴾ ❶

﴿ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴾ ❷

رہی یہ بات کہ ردّ تقلید یا ذمّ مقلدین سے سوء ادب لازم آتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لازمِ مذہب کسی کے نزدیک بھی عین مذہب نہیں ہے اور اگر ہے تو پھر کوئی فرد بشر بھی اس بلا سے محفوظ نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ردّ تقلید سے تو خود قرآن وحدیث بھرا پڑا ہے۔ اور علماء پر اس کی تبیین واجب ہے علم چھپانے والے کے لیے آگ کی لگام کی وعید آئی ہے، اس کے باوجود میں نے فعل تقلید کی تردید کی ہے، متعین مقلدین کی نہیں۔ غیبت جب ہوتی ہے کہ خاص کسی شخص کا نام لے کر برا کہے۔ یہ کہنے اور لکھنے سے کہ فلاں فعل یا قول حرام، بدعت، کفر یا شرک ہے، کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ اسی طرح

❶ [الحجرات:۱۲] ❷ [النجم:۲۸]

تیج میں بھی کوئی برائی نہیں کہ تقلید شرعاً ثابت نہیں ہے اور اس کے قائل وفاعل دلیل اور مقصودِ تنزیل کے مخالف ہیں۔ جب تک کسی مخصوص شخص کا نام نہ لیا جائے اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ وحدت الوجود کا مسئلہ کتاب وسنت کے واضح اور صریح نصوص کی بنیاد پر بے شک وشبہ کفر بواح ہے۔ لیکن ہم متعین طور پر اس کے قائل اولیائے کرام کو خواہ وہ مغلوب تھے یا ماؤل، کافر نہیں کہہ سکتے وقس علی ہذا۔ بلکہ اگر نظر غور سے دیکھا جائے کہ جو لوگ اتباع اور متبعین پر طعن یا سب وشتم کرتے ہیں وہ بڑی خطرناک حالت میں ہیں، اس لیے کہ یہ طعن درحقیقت شارع پر پہنچتا ہے۔ گو بعض افراد ان متبعین کے ریا کار یا خطاوار ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ ورسول کے حق میں بے ادبی کفر صریح ہے، اللہ اور رسول ﷺ کو گالی دینے والا مرتد اور واجب القتل ہو جاتا ہے۔ بخالف طعن تقلید کے کہ وہ طعن ائمہ دین پر نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ تو تقلید کی دعوت نہیں دیتے تھے بلکہ اس سے منع کرتے تھے، اور اتباع کا حکم تو کتاب وسنت اور آثارِ سلف میں بکثرت موجود ہے، اب جو کوئی اس پر طعن کرے گا۔ وہ روافض کے زمرہ میں داخل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ یہ شیوہ نامرضیہ اسی فرقہ شنیعہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل سنت والجماعت کو اس آفت سے سلامت رکھا ہے۔ واللہ الہادی!

تہمت وہابیت

عام رواج کے مطابق مجھ پر مذہب وہابیت کی تہمت بھی لگائی گئی، اور اسی تہمت کو جرمِ عظیم قرار دے کر حکام کے پاس شکایت کی گئی، حالاں کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ سے، جن کی طرف وہابیت منسوب ہے۔ کابر أعن کابر، اباً عن جد مجھے تلمذ یا ارادت کا تعلق نہیں ہے۔ سنا گیا ہے کہ وہ ایک حنبلی المذہب عالم تھے۔ ان کی تالیفات اس ملک میں مروّج نہیں ہیں۔ ہاں میں نے ان کی صرف ''کتاب التوحید'' دیکھی ہے۔ اس میں آیات اور صحاح ستہ کی احادیث کے سوا اور کچھ نہیں، نہ جہاد وقتال کا ذکر ہے، نہ کسی قیل وقال کا۔ توحید کے موضوع پر ان آیات واحادیث سے زیادہ آیات واحادیث تو مجھے خود معلوم ہیں۔ پھر ان کی تقلید کے کیا معنی؟

مسئلہ جہاد ایک علیحدہ مسئلہ ہے، اسے کسی کی تقلید وعدم تقلید سے کچھ تعلق نہیں پھر مجھ جیسا شخص جو آنحضرت ﷺ کے بعد کسی عالم اور امام امت کی تقلید کیوں کرنے لگا؟ ۱۲۴۳ھ میں صاحب نجد کا

ہنگامہ رزم و بزم ختم ہو گیا تھا۔ ❶

﴿ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ ❷

خدا جانے اس آخر زمانہ میں لوگوں کی عقلیں کدھر چلی گئی ہیں، بے لگام ہو کر دیوانہ وار منہ سے جو چاہتے ہیں بک ڈالتے ہیں، نہ لفظ سمجھیں نہ معنی۔ میرے اعتقاد میں علمائے یمن مثلاً سید محمد امیر رحمۃ اللہ علیہ وقاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ علم دین میں محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ سے صدہا درجہ فائق تر تھے۔ لہٰذا جو استفادہ ان کی کتب سے ہوا، وہ آپ کی کتاب سے نہ ہو سکا۔ ❸

اور یہی لوگ ہماری نسبت ملک نجد کے زیادہ قریب تھے اور شیخ کے معاصر بھی تھے، لیکن انھوں نے آپ کی تقلید اختیار نہیں کی۔ ہم اتنے دور دراز ملک میں رہتے ہوئے، جب کہ ان کے حقائق

---

❶ حضرت نواب صاحب کا اشارہ ان واقعات کی طرف ہے جب ۱۲۳۳ھ میں محمد علی پاشا والی مصر کے بیٹے ابراہیم پاشا کے ہاتھوں عبداللہ بن سعود بن عبدالعزیز بن محمد سعود کو شکست ہوئی، اور اس طرح اس پہلی سعودی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، جس کی تعمیر میں ...... شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب ؒ اور ان کے ساتھیوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ مصری فوج نے پہلے سعودی پایہ تخت ''درعیہ'' کی اینٹ سے اینٹ بجادی، سارا شہر کھود کر پھینک دیا، تمام باغ نخلستان جڑ سے کاٹ ڈالے، بوڑھے بچے اور کمزور اور بیمار سب یکساں عتاب کے شکار ہوئے، گھروں میں آگ لگا دی گئی اور چند روز میں لہلہاتا ہوا باغ جل کر خاک بھسم ہو گیا۔'' عنوان المجد ص:۲۱۳، تاریخ نجد (آلوسی) ص:۲۶۔۲۴ بحوالہ ''محمد بن عبدالوھاب'' ص:۱۰۷، از مولانا مسعود عالم ندوی، م، خ، س۔

❷ [البقرۃ:۱۳۴]

❸ حضرت نواب صاحب ؒ نے شیخ کی کتب میں سے صرف ''کتاب التوحید'' کو ملاحظہ فرمایا تھا جیسا کہ قبل ازیں خود صراحت فرما چکے ہیں، اگر آپ شیخ کی دیگر کتب مثلاً (۱) کشف الشبھات من التوحید، (۲) الاصول الثلاثۃ وادلتھا، (۳) شروط الصلوٰۃ وارکانھا، (٤) اربع قواعد، (٥) اصول الایمان، (٦) کتاب فضل الاسلام، (۷) کتاب الکبائر، (۸) نصیحۃ المسلمین، (۹) ستتہ مواضع من السیرۃ، (۱۰) تفسیر الفاتحہ، ۱۱۰) مسائل الجاھلیۃ، (۱۲) تفسیر الشھادۃ، (۱۳) تفسیر علی بعض سور القرآن، (٤) کتاب السیرۃ اور (۱٥) الھدی النبوی وغیرہ کو بھی ملاحظہ فرمالیتے تو شاید یہ رائے قائم نہ فرماتے۔ م، خ، س

احوال سے واقفیت بھی نہیں، ان کے مذہب اور رائے کے کیوں کر مقلد ہو گئے؟ ہاں یمن کے ائمہ حدیث کی روایت ہم قبول کرتے ہیں، ان کی فقہ سنت کو فقہ غیر پر ترجیح دیتے ہیں، اور ان کے مدارج ایمان کو قوی، راسخ اور صحیح جانتے ہیں۔ صحیح مسلم میں مرفوع روایت ہے کہ

اَلْاِیْمَانُ یَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ یَمَانِیَةٌ وَالْفِقْهُ یَمَانٍ . ❶

''ایمان یمنی ہے، حکمت یمنی ہے، اور فقہ بھی یمنی ہے۔''

جس کے ایمان، فقہ اور حکمت کی شہادت وخبر رسولِ مصدوق ومخبر صادق دیں، ہم اسے کس طرح نہ مانیں، ایمان سے مراد منطوق قرآن ہے، حکمت سے مراد علم سنت ہے اور فقہ سے مراد فہم حدیث ہے۔ وللہ الحمد!

واللہ باللہ اگر میں اصطلاحی معنوں میں وہابی ہوتا تو کبھی بھی اسے نہ چھپاتا خواہ مجھ پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا۔ لیکن جب میں خالص محمدی اور صرف سنی ہوں تو مجھے جھوٹ بولنا کب روا ہے!

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اِجْتِنَابَهُ!

ہفوات عوام سے کلیجہ پک گیا ہے، اگر میرا بس ہوتا تو میں انھیں ہرگز آزاد نہ ہونے دیتا۔ وَاللّٰهُ الْهَادِیُ وَعَلَیْهِ اِعْتِمَادِی. ❷

غریب خانہ ہے موجود ہر بلا کے لیے

جب میرے دشمن ہر طرف سے ناکام رہے اور میری کام سے علیحدگی اور خطاب کے انتزاع کے بعد بھی ان کی مراد پوری نہ ہوئی، اس قدر تبدیلی کو انھوں نے کافی نہ سمجھا، اور میری طرف اقتحامِ حوادث کا کوئی راستہ نہ پایا تو ایک افترائے صریح باندھ کر ہر بار اسے شائع کرنے لگے یعنی محل یا شہر کے اندر جو حرکت وسکون ہو، وہ میری طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اگرچہ میرے فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہ ہو۔

❶ [مسلم: ۸۲/ ۵۲]

❷ امام محمد بن عبدالوہابؒ کی سیرت پر غالباً سب سے بہتر کتاب مولانا مسعود عالم ندویؒ کی ''محمد بن عبدالوہابؒ۔ ایک مظلوم اور بدنام مصلح'' ہے۔ م، خ، س

غرض جہان سے کیا اے فلک مرے ہوتے
غریب خانہ ہے موجود ہر بلا کے لیے
زباں جلائی ، کیے ہاتھ قطع ، ہونٹ سیئے
یہ بندوبست ہوئے ہیں مری دعا کے لیے

پھر اس بارہ میں دو فریق ہیں:

ایک فریق وہ ہے کہ فرضاً اگر میں اس کے روبرو حلف اٹھاؤں یا شاہد عدل لاؤں تو بھی میری عدمِ مخالفت کو تسلیم نہیں کرے گا۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے:

" اِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ ." ❶

"ظن سب سے جھوٹی بات ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴾ ❷

"گمان یقین کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتا۔"

اس ظن کی بنیاد محض اس بات پر ہے کہ میں اور رئیسہ ایک جگہ رہتے ہیں حالاں میں پانچ برس سے ایک ہی مکان میں سکونت رکھنے کے باوجود اپنے ہم مسکن سے جدا رہتا ہوں۔ میری اور ان کی ہم نشینی آٹھ پہر میں ایک دو ساعت سے زیادہ نہیں ہوتی، اور وہ بھی کھانے پینے وغیرہ کی ضرورت کے موقعہ پر اور میں داخلی وخارجی کسی امر کے متعلق ان سے استفسار نہیں کیا کرتا اور نہ اپنی قدیم عادت کے مطابق انھیں کسی باب میں مشورہ یا رائے ہی دیتا ہوں، نہ وہ مجھ سے کچھ کہتی ہیں، اور نہ ہی انھیں کبھی میری رائے یا صوابدید پسند آئی ہے۔ وہ خود عقل تام اور تجربہ کی مالک ہیں۔ لیکن اس کے باوجود لوگوں کو آرام نہیں ہے، جب تک کہ میں ان کی مراد کے مطابق بالکل علیحدہ نہ ہو جاؤں۔ مگر معلوم نہیں کہ علیحدگی کے بعد پھر یہ تہمت کس کے سر پر جائے گی۔ دوسرا فریق اس امر کو بخوبی جانتا ہے کہ فی الواقع وہ میری مطیع اور پابند رائے نہیں ہیں۔ بلکہ میں ان کے ساتھ ہر امر میں مماشاۃ کرنے پر مجبور ہوں اور مجھے ان کی مخالفت کی بھی قدرت نہیں ہے۔ اور ان کا وہی حال ہے کہ

---

❶ [متفق عليه، بخاری: ٥١٣٤، مسلم: ٢٨/ ٢٥٦٣]

❷ [النجم: ٢٨]

بسلامے برنجند وبدشنامے خلعت دہند

اس جگہ بالک ہٹ، تریاہٹ اور راج ہٹ سب جمع ہیں، اور میں بھی اپنے غنائے طبعی کا مقہور ہوں۔

در کارِ ما مضائقہ داشت نا خدا کشتی بموج رخت بطوفان گزاشتیم
می آمد از کشودنِ در بوئے منتے در بستہ باغِ خلد برضوان گزاشتیم

میں بکرات ومرات علیحدگی کا خواستگار ہو چکا ہوں اور تہ دل سے یہ چاہتا ہوں کہ

بشہرِ خود روم و شہر یارِ خود باشم

لیکن فکر بلیغ کے باوجود اب تک ہجرت کے اسباب میسر نہیں آئے، آنحضرت ﷺ نے کفارِ مکہ کے ہاتھوں کلفت اور ایذا یابی کے باوجود تیرہ برس تک ہجرت نہیں کی تھی۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام اٹھارہ برس تک قید خانہ میں رہے۔ مکہ سے نکلنا اور جیل سے رہائی اسی وقت ہوئی جب اللہ نے چاہا۔

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ!

اس کے باوجود بھی یہ لوگ کثرتِ حسد، اور اوہام وظنون کاذبہ کی وجہ سے کسی وقت اپنے تجربہ، فہم اور علم سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ اور مجھے امورِ سلطنت میں دخیل سمجھتے ہوئے معذور نہیں سمجھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی یہ بدگمانی اور دروغ بیانی خالق ارض وسما کی طرف سے ابتلا ہے۔ کاش ان کے یہ خیالات میرے حق میں میرے سیئات کا کفارہ بن جائیں۔ طرفہ تماشا تو یہ ہے کہ جو امر وہ میرے اندر موجود سمجھتے ہیں وہ صحیح طور پر فریق دشمن کے اندر موجود ومشاہد ہے لیکن انھیں اس وحدت وجود اور وحدت شہود کے باوصف کوئی اس فعل وحرکت کے ساتھ متہم نہیں کرتا، بلکہ دوسروں کا عیب مجھ پر لگایا جاتا ہے۔

رَمَتْنِیْ بِدَائِهَا وَانْسَلَّتْ ۔

جرم از طرفِ غیر و ملامت ہمہ برمن
گوئی سرِ انگشت ملامت زد گانم

میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اگرچہ ہر طرف سے سخت دلدل میں گرفتار ہو گیا ہوں اور ﴿فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ﴾ [1] کہتا ہوں لیکن اس نے ابھی تک مجھے دشمنوں کی دست برد سے محفوظ

[1] [المومن:۱۱]

رکھا ہے۔

﴿ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيٓ إِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ❶

''پس بے شک وہ رب العالمین کے سوا سب کے سب میرے دشمن ہیں۔''

سواس کی حفاظت مجھے دنیا و دین میں کافی ہے۔

اور یہ فتنہ پرداز لوگ

اس فتنہ کا دھواں صرف اخوان الشیاطین ہی کی طرف سے نہیں بلکہ ارکانِ ضلالت اور عمائد فسق سب ہی نے اتفاق کر کے یہ باد گرد تارک چرخ مقرنس تک بلند کیا۔

بے خبرے چند ز خود بے خبر
عیب پسندند برغم ہنر
دود شوند ار بدماغی رسند
باد شوند ار بچراغی رسند

اس زلازل وقلاقل میں مجھے اللہ پاک کی صفاتِ جلال و جمال کا بخوبی شہود ہوگیا اور جو ایمان بالقدر پہلے علم الیقین کے مرتبہ میں تھا وہ اب عین الیقین بن گیا۔ بصیرت بصر پر غالب آ گئی، نمک حلالی و کور نمکی، دیانت وخیانت، صدق و کذب اور نفاق و اخلاص کا امتحان اور تجربہ کامل بخوبی حاصل ہوگیا۔ عقائد و اعمال کا حال و مآل مہر نیمروز اور ماہ نیم ماہ کی طرح واضح ہوگیا، تقیہ و تمذہب کا فرق بھی سمجھ میں آ گیا۔ بندگانِ شکم اور محرمانِ حرم کا تفاوت بھی ثابت ہوگیا۔ الف ب ج ح س س ع ع ق ق ل م م م ب ک ی وغیرہ کی خیر خواہیاں آنکھ سے دیکھ لیں، ان میں غالباً وہ لوگ ہیں، جن کی تمام عمر اسی گھر کی نمک خواری میں گزر چکی تھی، پھر نئے خیر سگالوں کا ذکر کیا؟ ایک شخص نے ۱۶ نمبر دوسرے نے دوگنی، تیسرے نے پانچ گنی، چوتھے نے دس گنی، پانچویں نے ۲۵ نمبر، چھٹے نے ۳۰ نمبر، ساتویں نے ۴۵ نمبر نصیحت ادا کی۔ الف ل م اس جنود مجندہ کے سرگروہ ہیں۔ مارِ آستیں سنا کرتے تھے، اب جو دیکھا تو اژدھا کو کمین میں پایا۔ جو دشمنی ابلیس لعین نے آدم علیہ السلام سے کی تھی، اسی طرح کی عداوت اولادِ ابوالجان نے مجھ ناتواں سے برتی۔ ہمارے سارے ہنر اس جگہ عیب ٹھہر گئے، تمام منکرات، معروفات

❶ [الشعراء:۷۷]

کی طرح سامنے آئے، انجام پر کسی نے غور نہ کیا، اور نہ اب تک ہوش ہے کہ کیا ہو رہا ہے، بلکہ کمال دور اندیشی و دانش مندی کے دعویٰ کے باوجود کسی نے اپنا کچھ نفع ونقصان نہ پہچانا۔ یہ حروف مقطعات واعدادِ مختصرات اسرارِ مخفی ہیں، جن کا اظہار کرنا ممکن نہیں ہے۔

باہر بدو نیک راز نتوانم گفت
کوتاہ سخنم دراز نتوانم گفت
حالے دارم کہ شرح نتوانم داد
رازے دارم کہ باز نتوانم گفت!

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ سے منافقین کے متعلق علم حاصل ہوتا تھا۔ مگر انہیں اس کے اظہار کی اجازت نہ تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بنو امیہ کے مفسدین کے حالات کا علم تھا۔ لیکن قتل کے خوف سے خاموش تھے۔ مجھے بھی وہ اسرار معلوم ہیں۔ جن کو سوائے میرے اور ایک نفس امارہ بالسوء کے کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ لیکن میں اس کے افشاء میں مصلحت نہیں دیکھتا کہ اس قدر کہتا ہوں:

"کہ کرد کہ نیافت"

بھلا یہ بھی کہیں ممکن ہے کہ بدی کا انجام یہاں یا وہاں بد نہ ہو:

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ [1]

"اور جو شخص ایک ذرے کے برابر برائی کرتا ہے اس کو دیکھ لے گا۔"

بغاوت و مکر ایسی چیز ہے کہ کرنے والے پر ہی پلٹ کر آتی ہے۔

" ولا يحيق المكر السيء الا باهله ."

کم ظرف آدمیوں کا یہ حال دیکھا کہ ذرا سی نمائش پر جامہ سے باہر ہو جاتے ہیں۔ ہر طرف اظہارِ شادمانی کر کے بالاخوانی پر اتر آتے ہیں۔ ہر کومہ کے سامنے اترانے لگتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس طرف تو ان امور پر بھی کچھ مسرت حاصل نہ ہوئی جو مابہ المسرت تھے۔ خدا کرے کہ ہمیں دنیا کے کسی کام پر مسرت نہ ہو۔ بڑی مسرت یہ ہے کہ ہم اللہ کے سچے بندے، پکے ایمان دار، اور وفادار غلام بنے رہیں۔ وہ ہم پر اپنا فضل کرے، طریق عدل پر ہمارے ساتھ معاملہ نہ فرمائے۔

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾

---

[1] [الزلزال:٨]

خوشی ان لقوں لچوں کو زیادہ ہوتی ہے جو فقط اسی دنیائے دوں کے جینے کو حیات اور اسی جگہ دل کی خواہشیں پوری کرنے کو سعادت جانتے ہیں۔ اور سوا سونے، کھانے، پینے اور لہو لعب کے کوئی فکر عقبیٰ نہیں رکھتے۔

گر آدمئی ترا ہنر بالیستے
قولِ تو بلیغ و معتبر بالیستے!
جز خوردن و خواب چوں نداری کارے
گوشِ تو ازیں دراز تر بالیستے!

مجھے ان اظہارات کی بابت بہت کچھ لحاظ تھا۔ لیکن جب کوئی مفر نہ دیکھا تو بحکم

"مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَفْعَلُوْنَ کَذَا وَ کَذَا ."

"ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو ایسے ایسے کام کرتے ہیں؟"

غیبت حرام سے اجتناب کے پیش نظر بطور معما قدرے قلیل لکھا گیا۔

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصہ عجیب وحدیث غریب ہست

اور عربی شاعر نے کہا۔

شَكَوْتُ وَمَا شَكْوَى لِمِثْلِي عَادَةٌ
وَلٰكِنْ تَفِيْضُ الْكَأْسُ عِنْدَ امْتِلَائِهَا

اس کے باوجود ابھی تک بہت سے مخفی امور پردہ راز میں ہیں، جن کے بیان کرنے میں قباحت ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ .

انکارِ ولایت کا الزام

بعض لوگوں کو یہ گمان ہے کہ میں اولیاء اللہ تعالیٰ کا معتقد نہیں ہوں، حالاں کہ یہ بات بالکل غلط ہے، کیوں کہ ولایت خدا کا وجود کتاب وسنت دونوں سے ثابت ہے۔ اور وقوعِ کرامات پر بھی قرآن وحدیث دلیل ہیں۔ پھر انکار کے کیا معنیٰ؟ بلکہ میرے کتاب خانہ میں کتب تفسیر وحدیث کے بعد سب سے زیادہ کتب علم تصوف اور طبقاتِ اولیاء کی ہیں۔ مثلاً: رسالہ قشیری مع شرح، احیاء العلوم،

عربی واردو مع ملخص احیاء، عوارف، تعرف، طبقاتِ کبریٰ، للشعرانی رحمہ اللہ اخبار الاخیار، مدارج السالکین اور قطر الولی وغیرہ۔

میں نے ان کتابوں سے بہت کچھ فائدہ حاصل کیا ہے، بلکہ اس باب میں میری اپنی تالیفات بھی موجود ہیں۔ مثلاً ''ریاض المرتاض''، مکارمِ اخلاق ترجمہ ریاض الصالحین''، خیرۃ الخیرۃ'' وغیرہ۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ میں اس علم میں بھی کتاب وسنت کا پابند ہوں اور اس حال وقال کا معتقد اور قائل نہیں ہوں، جو نص کتاب یا دلیل سنت کے خلاف ہو، اور نہ ان رسومِ مشائخ کو جائز جانتا ہوں جو کسی برہان پر مبنی نہیں ہیں کیوں کہ جس طرح تقلید فروع احکام میں بے اصل ہے، اسی طرح مکشوفات ورسوم میں بھی بے سند ہے۔ صوفیہ صافیہ میں سے کوئی شخص کسی خاص مذہب کا مقلد نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے:

'' اَلصُّوفِیُّ لَا مَذْهَبَ لَهُ .''

''صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔''

''احیاء العلوم'' اور ''فتوحاتِ مکیہ'' کو دیکھو کہ ان میں تقلید اختیار کرنے سے کس قدر تحذیر اور اتباع اختیار کرنے پر کس قدر تحریض ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے تو کوئی مبالغہ نہیں کیا۔

'' طريقتنا هذه مقيدة بالكتب والسنة .''

''ہمارا یہ طریقہ کتاب وسنت کے ساتھ مقید ہے۔''

سارے خلف وسلف مشائخ اسی قول وحال پر گزرے ہیں۔ بلکہ اکثر صوفیا علم ظاہری میں ظاہری المشرب تھے۔ جیسے ابن عربی وغیرہ اور بعض جو کسی مذہب کی طرف منسوب تھے تو وہ بھی بطریق تستر تھے، بطور تحقیق نہیں جیسے جیلی رحمہ اللہ حنبلی کہلاتے تھے، تا کہ عامۃ الناس کے اعتراض سے محفوظ رہیں جو کہ جامد علی التقلید ہوتے ہیں۔ جنید رحمہ اللہ پر جب حقائق توحید کے بیان کی بابت اعتراض اور مواخذہ ہونے لگا تو وہ متستر بفقہ ہو گئے، اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کے مقلد ہو کر فقیہ مشہور ہو گئے۔

تصوف وسلوک سے مراد مرتبہ احسان میں استقامت ہے نہ کہ کرامات اور کشوفات ورسوم کا اظہار کہ یہ نہ اصل مقصود ہیں، اور نہ وسائل مقصود، بلکہ مجاہدات اور ریاضات کے ثمرات ہیں۔ کسی کو یہ ثمرہ اس جگہ حاصل ہوتا ہے، اور راسخین فی العلم والعمل کو اُس جگہ ظاہر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ سے کرامات کا صدور بہت کم ہوتا تھا۔ اور اولیائے خلف سے بہت زیادہ ظاہر ہوا حالاں

کہ کوئی ولی، صحابی کے ادنیٰ مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس مسئلہ پر ساری امت کا اجماع ہے۔ اگر ''اولیاء الرحمٰن'' اور ''اولیاء الشاطین'' کے فرق کو سمجھنا ہو تو ''کتاب الفرقان'' کا مطالعہ کرو، اگر تصوفِ صافی ملاحظہ کرنا ہو تو ''مدارج السالکین'' دیکھو، اگر سلوک سنی منظور ہو تو ''ریاض المرتاض'' کفایت کرتی ہے۔ علاوہ ازیں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی گئی، لیکن اولیائے کرام کا انجام ہمیں معلوم نہیں وہ صرف خدا کو معلوم ہے کہ کس کا خاتمہ اچھا ہوا اور کس کا اچھا نہ ہوا۔ اپنا کشف اپنے حق میں یا کسی دوسرے کا کشف اپنے حق میں محل خطا و صواب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کسی کے حق میں ہم جزم کے ساتھ حسن خاتمہ اور وجوبِ جنت کے متعلق نہیں کہہ سکتے۔ اگرچہ ہر مسلمان صادق کے حق میں مغفرت کی امید رکھتے ہیں۔ پھر اولیاء کا کیا ذکر کہ وہ تو صفوۃ الصفوۃ، خیرۃ الخیرۃ اور نخبۃ النخبہ ہیں:

جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ وَحَشَرْنَا فِيْ زُمْرَتِهِمْ تَحْتَ لِوَآءِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ!

تالیفات پر اعتراضات

میری تالیفات پر بعض قاصرین نے براہِ حسد کچھ فاسد قسم کے اعتراضات بھی کیے ہیں۔ لیکن یہ مصیبت بھی درحقیقت احسان ہے۔ حاسد نے مجھ پر احسان کیا کہ اپنی نیکیوں کو میری برائیوں کی میزان میں ڈال دیا۔ اگر ان کے اعتراضات اخلاص اور نیت صادقہ پر مبنی ہوتے اور مقصود حق اور دین کی حفاظت ہوتی تو انھیں بہت کچھ اجر حاصل ہوتا۔ لیکن افسوس تو یہ کہ ان کی بنیاد ''علی شفا جرف هار'' ہے، اور ان کا تعلق مجرد حمیت جاہلیت اور عصبیت و نفسانیت سے ہے، اس لیے ان اعتراضات کا نفس مسائل سے بہت کم تعلق ہے، اکثر مواخذات لاطائل ہیں۔ اس کے باوجود میں جانتا ہوں

ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود

اگر یہ بات نہ ہو تو پھر خالق مخلوق کے کلام میں کیا فرق رہ جائے۔

مجھے یہ ڈر ہے کہ ایمان لے نہ آئیں لوگ
خدا کرے غلطی کچھ میرے سخن میں رہے

مثل مشہور ہے کہ

اَلْفَاضِلُ مَنْ عُدَّتْ سَقَطَاتُهُ
وَاُحْرِزَتْ مُلْتَقَطَاتُهُ

سعدی رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ
”متکلم را تا کسے عیب نہ گیرد سخنش صلاح نہ پذیرد۔“

مشو غرہ بر حسن گفتارِ خویش
بتحسین نادان و پندارِ خویش

الغرض اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں کسی کلام میں خطا نہ کروں، تو اسے بشر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اہل تجربہ نے کہا ہے:

”اَیُّ جَوَّادٍ وَاِنْ عَنَّقَ مَا یَکْبُوْ وَاَیُّ عَضْبٍ مُهَنَّدٍ لَا یَکِلُّ وَلَا یَنْبُوْ .“

”کون سا تیز رفتار گھوڑا ہے جو گردن اٹھا کر رکھنے کے باوجود کبھی منہ کے بل نہ گرتا ہو، اور کون سی تیز ہندی تلوار ہے جو کبھی کند نہ ہوتی ہو اور کبھی کاٹنے میں ناکام نہ ہوتی ہو۔“

مقریزی رحمۃ اللہ نے کتاب ”المواعظ والاعتبار“ میں عذر مذکور لکھ کر اپنی پریشانی کا حال یوں بیان کیا ہے:

”لَا سِیَّمَا وَالْخَاطِرُ بِالْاَفْکَارِ مَشْغُوْلٌ وَالْعَزْمُ لِالْتِوَآءِ الْاُمُوْرِ وَتَعَسُّرِهَا فَاتِرٌ مَحْلُوْلٌ وَالذِّهْنُ مِنْ خُطُوْبِ هٰذَا الزَّمَنِ الْقُطُوْبِ کَلِیْلٌ وَالْقَلْبُ لِتَوَالِی الْمِحَنِ وَتَوَاتُرِ الْاِحَنِ عَلِیْلٌ .“

”خصوصاً جب کہ دل افکار میں مشغول ہے، عزم امور کے التواء اور مشکل ہونے کی وجہ سے پریشان ہے، ذہن اس پرفتن زمانے کے حوادث کی وجہ سے مضمحل ہے اور دل آلام و مصائب کے پے در پے نزول کی وجہ سے بیمار ہے۔“

یُعَانِدُنِیْ دَهْرِیْ کَاَنِّیْ عَدُوُّهٗ وَفِیْ کُلِّ یَوْمٍ بِالْکَرِیْهَةِ یَلْقَانِیْ
فَاِنْ رُمْتُ شَیْئًا جَآءَنِیْ مِنْهُ ضِدُّهٗ وَاِنْ رَاقَ لِیْ یَوْمًا تَکَدَّرَ فِی الثَّانِیْ

پھر لکھا:

”اَللّٰهُمَّ غَفْرًا مَا هٰذَا مِنَ التَّبَرُّمِ بِالْقَضَآءِ وَلَا التَّفَجُّرِ بِالْمَقْدُوْرِ بَلْ اَنَّهٗ سَقِیْمٌ وَنَفْثَةُ مَصْدُوْرٍ یَسْتَرُوْحُ اِنْ اَبْدَی التَّوَجُّعَ وَالْاَنِیْنَ وَیَجِدُ خِفًّا مِنْ ثِقْلِهٖ اِذَا بَاحَ بِالشَّکْوٰی وَالْحَنِیْنِ .“

”اے اللہ! مغفرت فرما! یہ قضا پر تنگ دلی اور مقدور پر بے چینی نہیں ہے بلکہ یہ تو بیمار کا کراہنا

اور سینہ کے مریض کا تھوکنا ہے۔ وہ (مریض) درد اور کراہنے کے اظہار سے آرام پاتا ہے،
اور جب وہ کھل کر شکوہ وشکایت اور گریہ وزاری کا اظہار کرتا ہے تو اسے اپنے بوجھ میں
قدرے تخفیف محسوس ہوتی ہے۔"

وَلَوْ نَظَرُوْا بَيْنَ الْجَوَانِحِ وَالْحَشَا رَاوْا مِنْ كِتَابِ الْحُبِّ فِيْ كَبِدِيْ سَطْرًا
وَلَوْ جَرَّبُوْا مَا قَدْ لَقِيْتُ مِنَ الْهَوٰى إِذًا عَذَرُوْنِيْ اَوْ جَعَلْتُ لَهُمْ عُذْرًا

۱۳۰۱ھ سے مسلسل بعینہ یہی حال میرا ابھی ہو رہا ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ!

اَضَاعُوْنِيْ وَاَيَّ فَتًى اَضَاعُوْا
لِيَوْمِ كَرِيْهَةٍ وَسِدَادِ ثَغْرٍ

آمدم برسر مطلب اب میں اہل انصاف کی خدمت میں یہی بات کہتا ہوں کہ میری تالیف ہو یا کسی اور عالم کی، خواہ قدیم ہو یا جدید، ہر مسلمان ایمان دار تقویٰ شعار کو اس کی بابت کلمہ مشہورہ "خذ ما صفا ودع ما کدر" پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ غلطی، خطا، اختلاف، تناقض اور تعارض اور ان جیسے دوسرے عیوب سے صرف اللہ ورسول ﷺ کا کلام ہی محفوظ ہے اور کسی کو یہ بات میسر نہیں۔

﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾ [1]

"اور اگر وہ (قرآن) اللہ کے غیر کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔"

یہ بات کہ میری تالیف ہر خطا ونقصان یا سہو ونسیان سے محفوظ ہے، ایک خیال مختل اور تعلیل معتل ہے۔ ہاں جاہل بے شعور یہ کرتا ہے، کہ جب کوئی شخص کسی کی تالیف پر اعتراض اور اس کی تردید کرتا ہے، گو وہ درجہ علم وفضل میں اس معترض علیہ سے کم ہو مگر وہ جاہل یوں گماں کر لیتا ہے کہ وہ تالیف ناقص ونا قابل قبول ہے۔ حالاں کہ بات بالکل خلافِ عقل ہے۔ کیوں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ دو چار مقامات میں خطا وسہو سے، اس تالیف کے سارے فضائل بے اعتبار ٹھہر جائیں، بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ کم علم لوگ زیادہ علم والوں پر معترض ہوتے ہیں۔ اور اعتراض محض عدم فہم، قلت عبور یا تحصیل شہرت کے لیے ہوتا ہے۔ عقل مند وہ ہے جو ہر تصنیف کو میزان میں رکھ کر پرکھے، عمدہ تحقیقات علوم کو قبول کرے اور اقوالِ ضعیفہ کو ترک کر دے، یا ان کی اصلاح فرمائے، اور نسخۂ غلط کو صحیح کرے، مؤلف زندہ ہو

---

[1] [النساء: ۸۲]

تو اسے مطلع کرے، اور جلد بازی سے بغیر سمجھے بوجھے اعتراض نہ کر دے۔ ہم نے دیکھا کہ بعض لوگوں نے بعض تالیفات پر اعتراض کیے لیکن وہ سب انہی پر منقلب ہوتے تھے، اور بعض ایسے دعوے پیش کیے، جن میں وہ خود مدعا علیہ بن گئے۔

ایک شخص نے کہا کہ مباہلہ صرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا۔ لیکن تنقیح کے وقت عدمِ خصوصیت واضح ہوگئی یا جیسے دعویٰ کہ سیوطی، ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے شاگرد نہیں تھے، حالاں کہ خود سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''تدریب الراوی'' میں اپنے آپ کو ان کا شاگرد لکھا ہے اور اسی طرح شعرانی نے بھی ''منن کبریٰ'' میں انھیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا شاگرد لکھا ہے۔ وقس علی ہذا!

میری تالیفات پر بھی اسی قسم کے اعتراضات ہوئے، جو کہ میزان میں صحیح ثابت نہ ہوئے، البتہ بعض وہ اعتراض ضرور قرین قیاس تھے، جن کی بنیاد سہوالقلم، کاتب، ناقل، طابع یا مطابقت ماخذ پر تھی، ان میں سے بھی بعض غیر قرین قیاس تھے، بہرحال جو اعتراض براہِ اخلاص ہو، وہ بلا شک لائق قبول ہوتا ہے، اور جس کی بنیاد آب وسراب پر ہو یا خیال وخواب پر مجرد منافست وتحاسد پر، اللہ اس میں برکت نہیں دیتا۔ اور اس کتاب ومؤلف کتاب کو نظر اعتبار سے ساقط نہیں کرتا۔ کسی مؤلف کی یہ تمنا کہ لوگ ہماری تالیف کو قبولیت بخشیں، ہم کو بڑا عالم سمجھ کر تواضع سے پیش آئیں اور ہمارے سامنے کسی دوسرے اہل علم کی رفعت ووقعت باقی نہ رہے، عین ریا، عجب، کبر، حسد اور حقد ہے۔ اللھم احفظنا!

میں تمام جہان کے علماء سے یہ چاہتا ہوں کہ وہ میری کسی کتاب کی کوئی بات اس صورت میں ہرگز قبول نہ کریں۔ جب کہ وہ کتاب وسنت اور علمائے سلف اور ائمہ ملت کی تحقیقات کے خلاف ہو بلکہ

''کالائے بد بریش خاوند''

سمجھ کر پھینک دیں۔ مجھے اس امر کا کچھ ملال دامن گیر نہ ہوگا۔ اس لیے کہ میں نہ تو معصوم ہوں اور نہ مجھے اپنی غلطی سے محفوظ ہونے کا دعویٰ ہے۔ بلکہ کثیر التالیف شخص سہو ونسیان کا لازماً شکار ہوجایا کرتا ہے۔

اہل بیت کا ظاہری برتاؤ

میرے اہل بیت کا مجھ سے ظاہری برتاؤ ایسا تھا جس سے سب نے یہ جانا کہ گویا میں ہی اس جگہ صاحب حل وعقد ہوں، اور باطن میں مجھے کسی بات کا اختیار نہ دیا۔ اور اسی وجہ سے میں آلام ومصائب کا تختہ مشق بنا۔

ہمارے دوست کی ہم پر یہ مہربانی ہے
ہمارے واسطے جو کچھ ہر اک عدو نے کیا

اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو شاید خدا کے حکم سے ان آفتوں کی نوبت نہ آتی۔ میری یہ تمنا نہیں تھی کہ میں رسائی حاصل کر کے کوئی ناجائز نفع حاصل کروں۔ اگر اوروں کی طرح عیاذاً باللہ کذب، خیانت اور مکر سے کام لیتا تو آج وہ بھی مجھ سے اس موجودہ حالت کی بہ نسبت زیادہ خوش ہوتیں۔ کیوں کہ مستورات کا مزاج دروغ پسند اور فریب دوست ہوتا ہے، چناں چہ لوگوں نے خیانت کی، خیر خواہی کے پردے میں بدخواہی کا کام کیا، اور ہم راز بن کر زرِ خطیر خرد برد کرلیا۔ وہ لوگ اب تک زیادہ ملتفت الیہ اور معتمد علیہ ہیں اور جس نے حق بات ناصحانہ کہی اور سچی دلسوزی سے پیش آیا وہی دشمن ٹھہرا۔

﴿ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴾ [1]

قدر ہم چاہنے والوں کی ترے دیکھ چکے
خوار پھرتا ہے پرانا تو پشیمان نیا

لوگوں کی ناراضگی کا اصل سبب

لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میں فقط اپنا ہی بھلا چاہتا ہوں۔ کسی اور کا خیر طلب نہیں ہوں، حالاں کہ اپنی بھلائی کے لیے میں نے کبھی کوئی فکر اور درخواست نہیں کی۔ جس دن سے مجھے اس ریاست سے کچھ تعلق یا توسل ہوا ہے، جسے پینتیس برس ہو رہے ہیں، اس مدت دراز میں میں نے کبھی بھی تنخواہ میں اضافہ کا سوال نہیں کیا نہ ترقی کی درخواست کی، نہ سفارش لایا، نہ اپنے لیے، نہ اولاد کے لیے اور نہ کسی قریبی عزیز کے لیے۔ مجھے جو کچھ ملا وہ میری کوشش اور کشش کے بغیر ہی ملا۔ میں نے اپنے تمام وقت کو آقا کی رضا جوئی میں صرف کیا اور وہی میرا بڑا جادو تھا۔ امتثالِ امر میں کبھی کسی خویش و بیگانہ کی رعایت نہیں کی، اسی وجہ سے میں لوگوں کی خاطر عاطر پر گراں گزرا۔

چوں کوہ کنش محنت سخت آمدہ در پیش
ایں بود سزائے دلِ راحت طلب ما

---

[1] [بنی اسرائیل: ۵۸]

مکروہات میں شرکت

شرک وکبائر تو نہیں البتہ بہت سے دنیاوی مکروہات اور صغیرہ گناہوں میں اس قرابت کی وجہ سے کراہت طبیعت کے ساتھ شریک ہونا پڑا۔ کیوں کہ مستورات کے لیے اپنی رسوم کی پابندی جملہ امور سے مقدم ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص ان کے کھیل تماشے میں شریک نہ ہو تو ان پر بہت گراں گزرتا ہے۔ اور ان کے نزدیک بڑا مخلص وہی ہے جو ان کے ہر مکروہ فعل کو ممدوح قرار دے۔ میں اگر محض ملازم یا ہم رتبہ زوج ہوتا تو ان اثقال کو کبھی بھی نہ اٹھاتا۔ لیکن ناگہاں ایسے جال میں پھنس گیا کہ اس سے رہائی میرے اختیار میں نہ رہی۔

﴿ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴾ ❶

کیوں کر اس کی نگہ ناز سے جینا ہو گا
زہر دے اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہو گا!
چین دیتے نہیں وہ داغ کسی طرح مجھے!
میں جو مرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ جینا ہو گا!

لیکن میں اب پانچ برس سے بحمدہٖ تعالیٰ کل امور داخلہ وخارجہ سے علیحدہ ہوں۔ ولـــــه الحمد والمنة!

دنیا میں معیار

میں نے امانت، دیانت، عفت اور صدق کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنالیا جیسا کہ ہر مومن، دین دار اور مسلم پرہیز گار پر واجب ہے۔ جس طرح میرا یہ فعل اہل بیت کو ناگوار محسوس ہوا اسی طرح جملہ رعایا پر بھی نہایت گراں گزرا۔ اگر میں حرام کار، مکار، دغا باز، چالاک، سفاک، خائن، خود غرض اور بندۂ دنیا ہوتا تو سب کے نزدیک مقبول اور ہر دلعزیز ہوتا۔ کیوں کہ میں یہ دیکھتا ہوں کہ جو اخوان وارکان ان مذکورہ اوصاف کے ساتھ متصف ہیں وہ مجھ سے زیادہ عزیز اور کامیاب ہیں اور ان کے جو پاسِ خاطر ہے وہ میرا نہیں، اور جو قدر ان کی ہے وہ میری نہیں۔ لیکن میں اس مشکل کو بھی خدا کا ایک احسان سمجھ کر اس کا شکر ادا کرتا ہوں، اور جانتا ہوں کہ وقفہ زندگی بہت کم ہے۔ آنکھ بند ہوتے ہی ہر کسی کو اپنے کام

❶ [یٰس: ۳۸]

کے آغاز کا انجام معلوم ہو جاتا ہے۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

تجاہل عارفانہ

میرے دشمن اور حاسد جو میرے حال وقال کی حقیقت سے واقف ہیں یا تجاہل عارفانہ کرتے ہیں۔ انھوں نے سب کو چھوڑ کر صرف مجھے اپنے عداوت اور حسد کے تیروں کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ شہر و دیار میں جو حوادثِ روزگار اور تقلباتِ لیل ونہار ہوتے ہیں، وہ سب رجماً بالغیب میری ہی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ حالاں کہ میں طبعاً تمام دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوں اور میری اس عادت کو وہ لوگ بھی غالباً جانتے ہیں، اور میری آزادگی سریت اور بے پروائی خاطر کو بھی بخوبی پہچانتے ہیں۔

ہمت نگر کہ ہر ورقِ دفتر اُمید
صد پارہ کردہ ایم و بخو نناب شستہ ایم

اللہ تعالیٰ نے اس جگہ سب کے دلوں سے صدق وراستی کے نور کو چھین لیا ہے۔ الا ماشاء اللہ تعالیٰ! اور جس قدر حسد اور کینہ کا یہاں چرچا ہے شاید ہی کسی دوسرے شہر میں ہو اور یہاں کے لوگوں کو علم اور دین سے جو نفرت ہے کسی اور جگہ معلوم نہیں ہوتی۔ اگرچہ اس آخری زمانہ میں کوئی قصبہ یا شہر قیامت کی ان علامات وغیرہ سے محفوظ نہیں رہا۔

علیحدگی کے باوجود مصائب کا ہجوم

میں بلا قصد ونیت، شادی اور اولاد کی وجہ سے یہاں کا متوطن ہو گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ جرم کے بغیر کوئی شخص مجرم نہیں ٹھہرتا۔ اگر ریاست سے میرا تعلق ختم ہو جائے گا تو میں مجرد رعیت بن کر یہاں رہ سکتا ہوں۔ لہٰذا اپنے گھر میں گوشہ گزیں رہوں گا۔ جس طرح کہ عام لوگ رہتے ہیں۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ علیحدگی کے باوجود مصیبتوں اور آزمائشوں کے تیروں کا ہدف بنایا جاؤں گا۔ اور بغیر جرم کے عام لوگوں کی بہ نسبت زیادہ مجرم اور عاصی قرار دیا جاؤں گا۔ اب جو اس بلا میں پھنس گیا ہوں اور نقل مکانی کرنا چاہتا ہوں تو کوئی درست تدبیر سمجھ میں نہیں آتی ہے چار ونا چار تقدیر پر صبر کر رہا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے جملہ شرور سے محفوظ رکھے گا۔ حتی کہ میری دلی تمنا بر آئے اور مجھے ہجرت کی توفیق مل جائے۔

ما گزشتیم ز بھوپال تو دلشاد نشیں
قفل بر در مزن و خار بدیوار منہ

یہ نہیں ہوسکتا

میں نے یہاں کے لوگوں سے بڑی سخت ظاہری و باطنی تکلیف اٹھائی ہے اور مجھ لاغر کی طرف سے انہیں کوئی آزار نہیں پہنچا، جس کسی امر کو انھوں نے میری طرف سے سمجھا ہے میں نفس الامر میں اس سے بری ہوں اور اس بات پر مباہلہ کرنے کو بھی تیار ہوں۔

دشمنی فکر کسان دوستی اندیشہ ما
عیب شغل دگران ست و ہنر پیشہ ما

کینہ کی یہ کارروائی میرے ساتھ محض حسد کی وجہ سے کی گئی ہے، وہ مجھ سے خود اس بات کے طالب تھے کہ میں ان کے سب کام ہمیشہ ان کے منشا کے مطابق کرتا رہوں۔ لیکن میں اس معاملہ میں قاصر تھا۔ کیوں کہ میں نہ رئیس تھا اور نہ رئیس کی طرف سے مختار۔ علاوہ ازیں اگر مجبور بے اعتبار نہ بھی ہوتا تب بھی مجھ سے یہ امر ممکن نہ تھا کہ کسی شخص کی خاطر، خواہ وہ میرا لختِ جگر یا عزیز کرم گستر ہی کیوں نہ ہو، کوئی ایسا امر بجا لاؤں جو آقایا عقل و دین کی مرضی کے خلاف ہو، بفرضِ محال اگر میری سابقہ حالت پھر لوٹ آئے تو بھی میں اپنی روشِ قدیم سے منحرف نہیں ہوسکتا۔

احسان فراموش

قدیم متوسلین کے علاوہ اس فتنہ کو برپا کرنے میں ان لوگوں نے بھی حصہ لیا۔ جنھیں میں نے ذلت کے گڑھے سے نکال کر اوجِ عزت پر پہنچایا تھا اور معمر، کارگزار، شریف القوم، اور صاحب علم و ہنر سمجھ کر اس جگہ خدمات پر مامور کیا تھا، جن کو اب کسی جگہ کوئی جگہ نہیں ملتی ہے، ان سے ان ہمدردیوں کے مقابلہ میں یہ دشمنیاں ظاہر ہوئیں۔

وَهٰذَا مَبْلَغُهُمْ وَنَصِيْبُهُمْ وَاللّٰهُ حَسِيْبُهُمْ!

انجامِ کار یہ لوگ بھی کامیاب نہ ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اکثر سے انتقام لیا۔

دریں چمن کہ بہار و خزاں ہم آغوش ست
زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش ست

ذکر و فکر دنیا سے نفرت

مجھے قدیماً وحدیثاً اہل روزگار کے استخبار واخبار سے کلی نفرت ہے اور احوال اہل دنیا کے شغل، اور تذکار سے مکمل بعد ہے۔اس کے باوجود جسے پاتا ہوں وہ مجھے اسی ذکر و فکر دنیا میں مشغول کرنا چاہتا ہے۔اور اپنی روش وراہ کی طرف کھینچتا ہے، جس سے میں تہ دل سے بھاگتا ہوں، نہ کوئی علم کا چرچا ہے نہ دین کی گفتگو ہے، نہ آخرت کی یاد ہے، نہ موت و برزخ کا ذکر۔ ہر صاحب ومصاحب کی ساری ہمت یہ ہے کہ مجھے نقصان پہنچائے اور اپنا دنیاوی نفع حاصل کرے۔ میں ان لوگوں سے طبعی طور پر گریز کرتا ہوں۔لیکن یہ میرے تعاقب سے باز نہیں آتے۔ایک دو یا تین چار ہوں تب بھی صبر آئے، مشکل تو یہ ہے کہ ان بہائم ودواب کا ایک طویلہ ہوگیا ہے۔

سلیم از دستِ بیدادِ کہ نالم!
بکشتِ ما گزارِ لشکر افتاد ست

یہاں اختلاط زیادہ بر آشنائی کی رسم ہے اور میرا یہ حال ہے کہ مار گزیدہ از ریسماں می ترسد ؏

منت نا آمدن از آمدن افزوں بود

عَافَانَا اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ عِنَايَاتِهِمْ وَصَانَنَا بِمَنِّهِ عَنْ تَفَضُّلَاتِهِمْ .

ریاست کی خدمت

جب میں صرف ملازم تھا، مجھے ریاست کے اندرونی یا بیرونی کاروبار سے کچھ سروکار نہ تھا۔اپنی خدمت مفوضہ کا بجالانا اور آقا کی باز پرس سے بچے رہنا ہی نصب العین تھا۔الحمدللہ کہ میں نے اس نوکری چاکری میں فرائض منصبی کی ادائیگی میں کبھی چشم پوشی نہیں کی، نہ اوروں کی طرح کام سے جان چرائی اور نہ غیر حاضری اختیار کی بلکہ سخت محنت ومشقت کے ساتھ پندرہ سال تک کام کرتا رہا۔

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو
کہ شب غم کوئی کس طور بسر کرتا ہے

پھر جب اُس حالت سے اِس حالت کو پہنچا اور اسے انجام کے اعتبار سے پہلی حالت سے بہتر سمجھتا ہوں، اگرچہ پرستارانِ دنیا کی نظر میں یہ بھی ایک بڑا اوج ہے تو منعم حقیقی ومجازی کے شکریہ کی ادائیگی میں محنت، خیر سگالی، خیر اندیشی اور خیر طلبی کا کوئی دقیقہ اپنی قدرت کی حد تک فروگزاشت نہ کیا۔ میں شب وروز آسیا (چکی) کی طرح گردشِ محن وفتن میں رہا۔خصوصاً اس جہت سے کہ آقا نے امارت

کے کاروبار کا تمام بوجھ ظاہری طور پر میرے سر اور کندھے پر ڈال دیا تھا۔ مگر باطنی اعتبار سے سب امور اپنے ہی قبضہ اختیار میں رکھے تھے۔ یہ وہ بار تھا جس کا کوئی شمار نہیں، میری یہ کیفیت ہوئی۔

بارِ جہاں بردلِ آں نازنیں!
سینہ چنیں نازک و بارِ چنیں

میں نے کمال جدوجہد کے ساتھ ریاست کے کندھے کو قرض کے بارِگراں سے سبکبار کیا، خزانہ کو خزانہ عامرہ بنادیا۔ یہ کس کے لیے؟ انہی اولاد و احفادِ آقا کے لیے۔ اسی طرح سڑکوں کی درستی، مساجد و مدارس کی تعمیر، مکانوں کا انتظام، محکموں کا نظم و نسق، ٹیکسوں سے آزادی، سالانہ محاصل کے بقایا کی معافی، فقراء کی مراعات، اہل خدمت کی ماہانہ تنخواہوں میں اضافہ، رفاہِ عامہ کے امور کی تجدید، فرائض صلوٰۃ وصوم کے مدارج کی تکمیل، انفارِ رعایا و برایا کی افزائش، مستحق و غیر مستحق لوگوں میں مال کی تقسیم اور بہت سے دیگر امور میں سعی وافر ظاہر کی، اور آقا کی اولاد و احفاد کے ساتھ مواسات میں خصوصاً اور پاسداری اخوان میں عموماً اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ ارکان و اہل کارانِ ریاست کو ان کی لغزشوں اور غلطیوں کے باوجود تازیانہ زجر و توبیخ اور سزائے جرمانہ وغیرہ کی تعزیرات سے مسلسل محفوظ رکھا۔ مقدور بھر وقت کو سعی میں بسر کیا، کسی کی سعایت میں نہیں۔ اور دل کو ہر خیال باطل اور فکر لاطائل سے بچایا۔ اپنی نسبت کبھی یہ تصور نہیں کیا کہ "من کیستم" بلکہ "من آنم کہ من دانم" کو ہمیشہ ملحوظِ نظر رکھا۔ ہمیشہ اخلاق اور مروّت سے کام لیا۔ دشمن سے بھی انتقام کا قصد نہ کیا۔ ہاں ایک امر میں مجھے بلاشبہ ناکامی رہی کہ جس کسی سے آقا کا دل آشفتہ یا افسردہ تھا اور اس کے موجبات کا علم بھی آقا ہی کو ہے، میں نے ماوشما کے پاس خاطر کی غرض سے محسن سے معارضہ نہیں کیا اور یہی ایک امر میری طرف سے اکثر اشخاص کے خاطر پر گراں گزرا، اور انھوں نے دیدہ و دانستہ آقا سے تو قطع نظر کیا، اور مجھ بے بال و پر کو شکار سمجھ کر میرے لیے دامِ کید بچھایا اور یہ نہ سمجھا کہ۔

چرخ کوکب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں!
کوئی محبوب ہے اس پردۂ زنگاری میں

اور میں اس شعر کا مصداق ہو گیا۔

کارِ زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

میرے خیال میں آقا نے بھی کسی گروہ پر ستم گری نہیں کی، بلکہ جس قدر غیظ و غضب ان کے دل میں ہو گا یا اب ہے یا جتنا قصور خطاواروں کا تھا یا فی الحال ہے، ان کو حداً، تعزیراً، سیاسۃً یا ریاسۃً ان کے قصور اور گناہوں کی مقدار کے مطابق کیفر کردار تک نہ پہنچایا۔ یہ بات آقا کی خوشامد کے لیے نہیں ہے۔ کیوں کہ میں طبعی طور پر آشنائی سے خالی ہوں اور حق گوئی سے مالی، مجھے اظہار حق میں کسی کی خوشی و ناخوشی سے غرض نہیں ہوتی۔ اگر میں دیگر دنیا دار لوگوں کی طرح ہوتا تو اس کتاب میں آقا کے شکوہ و شکایت کے متعلق کوئی حرف و حکایت نہ لکھتا۔ لیکن میں نے جو کلام جس جگہ مناسب سمجھا بلا تکلف خامہ صدق نگار کے حوالہ کر دیا۔ الغرض جس جاں فشانی و جان کاہی اور بے آرامی سے آقا کی نیک نامی اور اپنے حسن خاتمہ کی امید سے پندرہ برس بسر کیے تھے۔ وہ ساری محنت یارانِ زمانہ کی دراندازی اور واقعہ طلبی کی بنا پر دست بردِ فنا ہو گئی۔ یکا یک جہاں کے حالات دگرگوں نظر آئے، دین پرستی و دنیا داری کا سارا کارخانہ تہ و بالا ہو گیا، ناتواں بینوں کی نظر لگ گئی، بہت زیادہ لوگ بگڑ گئے اور بہت تھوڑے بن گئے۔ یا اس کے برعکس۔

دل بے خوں بکف آورد ولی دیدہ بریخت
اللہ اللہ کہ تلف کرد کہ اندوختہ بود!

مالی پوزیشن کا غلط اندازہ

یہاں کے حاسدوں اور دشمنوں نے میری مالی پوزیشن کو رجماً بالغیب مقدار موجود سے زیادہ خیال کیا۔ اور خال کو جبال کے برابر مشہور کر دیا۔ حالاں کہ میں نے اس جگہ جتنا کمایا اس کا اکثر حصہ اسی جگہ عمارات اور دیگر ضروریات میں وقتاً فوقتاً صرف کر دیا۔ سوائے جاگیر کے اور کوئی آمدنی بھی نہیں ہے، اور نہ مجھ پر آقا کی طرف سے بارانِ عطا برستا ہے، اور نہ میں اپنے لیے مال جمع کرنے کا عادی ہوں۔

دولت دنیا کہ تمنا کند
باکہ وفا کرد کہ باما کند!

ہاں امن کا خواہاں ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے لطف فرما کر مجھے اس جگہ امن بخشا تو میں اسی حالت راہنہ پر عزلت پذیر رہوں گا۔ اور اگر تقدیر الٰہی میں کچھ اور ہے تو میں بہر حال راضی بالقضاء ہوں۔

رَضِینَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِینَا لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالٌ
فَإِنَّ الْمَالَ یَفْنَی عَنْ قَرِیبٍ وَإِنَّ الْعِلْمَ یَبْقَی لَا یَزَالُ

اس شہر پر آشوب وہنگامہ جاں کوب میں میرے مال کی ایک کثیر مقدار حالت ضیاع میں ہے، جس کا اندازہ چار لاکھ کے قریب ہے۔ یک نیم بابت دہات اور دو نیم بابت مکانات، یہ تو اندیشہ مال کا ہے، رہا خوفِ جان سو وہ علیحدہ سوہانِ روح ہو رہا ہے۔

دماغش نشگفد تا خونِ عاشق رانمی ریزد
انارِ خندۂ او از جلال آباد می آید!

عرض (عزت) تو مدت سے دست بردِ اہل غرض ہو چکی ہے، فقط ایک ایمان باقی رہ گیا ہے، وہ ان شاء اللہ فنا پذیر نہ ہوگا۔ ہاں اگر وہ بھی جان و مال اور آبرو کی طرح زید و عمرو کے ہاتھ میں ہوتا تو یہ حاسد ہرگز اسے بھی نہ چھوڑتے بلکہ تاراج کرتے، مگر وہ تو کسی بشر کے قبضہ قدرت میں نہیں ہے، اس لیے ان کے شر سے محفوظ ہے۔ حفظه الله وسلمه

اس شہر کے لوگ

میرے زمانہ آفت نشانہ میں علمائے آخرت روئے زمین سے بالکل مفقود ہو گئے ہیں۔

﴿ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ﴾ [1]

اب جو لوگ اپنے آپ کو اہل علم کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں، یہ سب عشاقِ دنیا ہیں ان کا شغل تحصیل کتاب کے بجائے، استحصالِ مال وخطاب ہے۔ یہ خود لوگوں کو برانگیختہ کرتے ہیں کہ وہ

" اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ . "

کے مصداق ہو جائیں۔ رات دن فنونِ جہالت میں مشغول رہتے ہیں، خواص نے عوام کا شیوہ اختیار کر لیا ہے۔ اور عوام تو پہلے ہی کالانعام ہیں۔ منجیات و معروفات نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئے ہیں، مہلکات و منکرات، حسنات قرار پا گئے ہیں۔ قیامت کی چھوٹی علامتوں کا ایک مدت دراز سے ظہور ہو چکا ہے۔ اب چودھویں صدی کے آغاز میں ہر طرف سے قیامت کی بڑی علامتوں کا ظہور ہو رہا ہے۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں مرفوعاً آیا ہے۔

" اِنَّمَا النَّاسُ كَالْاِبِلِ الْمِائَةِ لَا تَكَادُ تَجِدُ فِيْهَا رَاحِلَةً . " [2]

''لوگ سو اونٹوں کی طرح ہیں، جن میں سے تو ایک بھی سواری کے قابل نہ پا سکے۔''

---

[1] [رعد:٤١] [2] [متفق عليه، بخاری: ٦٤٩٨ـ مسلم: ٢٣٢/ ٢٥٤٧]

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگ تو بہت ہیں لیکن اچھے کم۔

آنچہ بہ جستیم و کم دیدیم و بسیار ست و نیست
نیست جز انسان دریں عالم کہ بسیار ست و نیست!

حدیث مرداس اسلمی میں فرمایا ہے:

يَذْهَبُ الصَّالِحُونَ الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ وَيَبْقَى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيرِ اَوِ التَّمْرِ لَا يُبَالِيهِمُ اللّٰهُ بَالَةً . " ❶

"نیک لوگ ایک ایک کر کے چلے جائیں گے اور جو کی بھوسی یا کھجور کے چھلکے کی طرح کے لوگ (نکمے اور ناکارہ) رہ جائیں گے۔ جن کی اللہ کو کوئی پرواہ نہ ہوگی۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ يَرِثُ دُنْيَاكُمْ شِرَارُكُمْ . ❷

"شریر لوگ تمہاری دنیا کے وارث نہ ہو جائیں۔"

انہی سے مروی دوسری مرفوع حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُوْنَ اَسْعَدُ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكَعُ بْنُ لُكَعٍ . ❸

"اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ لئیم بن لئیم دنیوی طور پر سب سے زیادہ سعادت مند نہ ہو جائے۔"

لکع بن لکع سے لئیم بن لئیم مراد ہے۔ یا وہ ذلیل النفس، جس کی اصل معلوم نہ ہو، اور اس کا خلق اچھا نہ ہو، سو اس زمانہ میں اس قسم کے لوگ رہ گئے ہیں، یہ زمانہ اہل اسلام کے صبر کرنے کا ہے اگرچہ یہ صبر سخت تلخ ہے۔ حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ اَلصَّابِرُ فِيهِمْ عَلٰى دِيْنِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ . ❹

"لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ دین پر صبر کرنے والا ان میں ایسے ہوگا جیسے آگ کے

---

❶ [رواہ البخاری: ٦٤٣٤] ❷ [رواہ الترمذی: ٢١٧٠]

❸ [رواہ الترمذی: ٢٢٠٩ والبیھقی فی دلائل النبوۃ] ❹ [رواہ الترمذی: ٢٢٦٠]

شرارے کو پکڑنے والا۔"

اور فرمایا:

اِذَا کَانَ اُمُوْرُکُمْ اِلٰی نِسَآءِ کُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ ظَهْرِهَا. ❶

"جب تمہارے کام تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو پھر شکم زمین تمہارے لیے پشت زمین سے بہتر ہے۔"

یعنی ایسے جینے سے مرنا بہتر ہے۔ ہمیں اس حدیث کا شہود اس وقت بخوبی ہو رہا ہے۔ نسأل الله العافية!

درس کی بندش

میں مغرب اور عشاء کے درمیان اپنے بڑے لڑکے کو سنت، فقہ سنت اور تفسیر کی کتابیں پڑھایا کرتا تھا۔ اس درس میں دو چار اہل علم بھی شریک مذاکرہ رہتے تھے۔ دراندازلوگوں نے اسے امر غیر واقع پر محمول کر کے نوبت یہاں تک پہنچائی کہ چار وناچار اس درس و مذاکرہ سے دست بردار ہونا پڑا۔ اور میں اس حدیث کے مصداق ہو گیا کہ

عَلَیْکَ بِخَاصَّةِ نَفْسِکَ وَدَعْ اَمْرَ الْعَوَّامِ. ❷

"عوام کے معاملہ کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خیر مناؤ۔"

اب پانچ سال کی مدت سے درس بند ہے۔ انا للہ! ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے امن پیدا فرما دے تو کچھ عجب نہیں کہ مجھے اس کارِ خیر کی پھر سے توفیق نصیب ہو جائے۔

﴿لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا﴾ ❸

اب ضعف و پیری کے سبب تصنیف و تالیف کتب کی بھی قوت باقی نہیں رہی اگرچہ اس مدت میں شغل تصنیف بدستور باقی رہا اور میں اپنی عادت و جبلت سے قاصر نہ ہوا۔ اس سے پیشتر میرا زمانہ مظہر جمال تھا، اب وقت میرے حق میں مظہر جلال ہے۔ الحمد لله على كل حال

❶ [رواه الترمذي: ٢٢٦٦]

❷ [رواه الترمذي: ٣٠٥٨ وابن ماجه، مسند احمد: ٢/ ١٦٢-٢١٢-٢٢٠، ٢٢١]

❸ [الطلاق: ١]

زمانہ دشمن ہنرمنداں ست واہل زمانہ صد چنداں الغرض۔

بہر کجا کہ غمے ہست میہمانِ من ست
خلیل عشقم و لختِ جگر بخوان من ست
مکن بایں خنکی اے رقیب دعوی عشق!
کہ ایں تپے ست کہ مخصوصِ استخوان من ست
کہ گفتہ ست کہ تنہا و بیکسم مظہر
کہ غم رفیقِ من و درد مہربانِ من ست

تعویذ گنڈا کرنے والوں کی یلغار

انقلاب کا ہنگامہ سن کر اہل عزائم نے آ گھیرا۔ عام لوگوں کے ذہن میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ امراء ورؤساء عملیات کے معتقد ہوتے ہیں۔ حالاں کہ پہلی بات یہ ہے کہ میں امیر نہیں ہوں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ علم سے فقیر بھی نہیں ہوں کہ اہل شرک وبدعت کے دامِ تزویر میں گرفتار ہو جاؤں۔ میں تو اپنے اعتقاد کے مطابق کسی شخص کا معتقد نہیں ہوں۔ خصوصاً ان فقراء ومشائخ کا تو بالکل نہیں جو جہالت کے اس دور میں دکان داری کرتے ہیں۔ مجھے ان کی حرکات بے برکات پر تعجب ہے کہ یہ اپنی جہالت، خباثت اور شرک وبدعت میں کس موحد کو پھانسنا چاہتے ہیں۔ ان احمقوں نے اتنا بھی خیال نہ کیا کہ میں تو مشہور اہل حدیث ہوں، اور ''تقویۃ الایمان'' اور رسائل توحید کا پابند ہوں۔ میرے سامنے کسی رمال، جفار، منجم اور عزیمت خواں کی اتنی قدر بھی نہیں، جتنی انسان کی نظر میں جانوروں کی ہوتی ہے۔ کیوں کہ موحد تو ہر بلا ورخا اور مصیبت وعافیت میں اللہ ہی کو پکارتا ہے۔ جان جائے، مال جائے، آبرو جائے مگر ایمان نہ جائے۔ کچھ ہو مگر اللہ ورسول ﷺ کے طریقہ سے انحراف نہ ہو

من نخواہم کرد ترکِ لعل یار و جامِ مے!
زاہداں معذور داریدم کہ ایں ہم مذہب ست

اور عربی شاعر نے کہا۔

مَذَاهِبُ شَتّٰی لِلْمُحِبِّیْنَ فِی الْهَوٰی
وَلِیَ مَذْهَبٌ وَحْدَهٗ اَعِیْشُ بِهٖ وَحْدِیْ

ہاں وہ لوگ جو عقل ودین کے اعتبار سے ناقص ہیں، وہ جلد ان کے پھندے میں حصولِ مدعا اور

دفع بلا کی امید سے پھنس جاتے ہیں، یا عوام کالانعام جنھیں دین وایمان سے کچھ حصہ نہیں ملا۔ وہ اپنا مال ان حرام خوروں اور دغابازوں کو کھلاتے اور دیتے ہیں۔ اور جو شخص پاک دین والا، صاحب توحید ہے، وہ اپنے نشہ توحید، اور مستی حسن عقائد میں ان اکالین بطالین کی کچھ پروانہیں کرتا۔

سرم بدنیا و عقبیٰ فرو نمی آید
تبارک اللہ ازیں فتنہ ہا کہ در سرِ ماست
در اندرونِ من خستہ دل ندانم کیست
کہ من خموشم واد در فغان و در غوغا ست!
ازاں بدیر مغانم عزیز میدارند
کہ آتشے کہ نمیرد ہمیشہ دردلِ ما ست

اللہ تعالیٰ مجھے اسی توحید وسنت پر زندہ رکھے اور مارے اور انواعِ شرک وبدعت سے بچائے کیوں کہ میں توحید کے طفیل سارے جہاں کے علوم معارف سے بے نیاز ہوں۔

زبادشاہ و گدا فارغم بحمد اللہ
گدائے خاک درِ دوست پادشاہِ من ست!
مگر بہ تیغِ اجل خیمہ بر کنم شاید
رمیدن از درِ دولت نہ رسم و راہِ من ست

اور اگر بالفرض حصولِ مدعا اور دفع کرب وبلا کے لیے عزائم وادعیہ کا بجالانا ضروری ہے تو آیاتِ کتاب اللہ اور اذکار وادعیہ ماثورہ ہی کافی ہیں۔ وہ کون سی دینی ودنیاوی آفت ومصیبت ہے، جس کا علمی علاج شرع شریف میں نہیں ہے، اور وہ کون سی حاجت، مطلب اور مدعا ہے، جس کے لیے ہمیں آنحضرت ﷺ نے کوئی ذکر یا دعا تعلیم نہیں فرمائی۔

باغِ مراچہ حاجت سرد و صنوبر ست
شمشادِ خانہ پرورِ ما ازکہ کمتر ست

ختم قرآنِ مجید، ختم حصن حصین، ختم بخاری شریف، اذکارِ دفع کرب اور ادعیہ دافعہ اسقام ومرض مجرب ہیں۔ اوران کے استعمال کا طریقہ اہل علم وولایت نے بیان کردیا ہے۔ میں نے بھی اس باب میں ایک مختصر سارسالہ ”کتاب الداء والدواء“ نامی لکھا ہے، جو سارے جہان کے عزائم ورقی واعمال کا

بدل ہو سکتا ہے۔ نصوصِ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ سے منصوص اور مشائخ وعلماء کے مجربات پر مشتمل ہے۔ وللہ الحمد!

دنیا دار اللہ تعالیٰ کو تو بھول جاتے ہیں۔ اور اس کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ استمداد واستعانت نہیں کرتے اور نہ اس آیت کو یاد رکھتے ہیں:

﴿ اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ﴾

"مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ساتھ۔"

مگر زید وعمرو کے ساختہ وپرداختہ عزائم اور غیر معتبر مشائخ کی ترتیبات پر جھک پڑتے ہیں۔ ان کو ہرگز فراموش نہیں کرتے۔ اس لیے نہ ان کی وہ مصیبت دور ہوتی ہے اور نہ ایمان سلامت رہتا ہے۔

لِكُلِّ شَيْءٍ اِذَا فَارَقْتَهُ عِوَضٌ
وَلَيْسَ لِلّٰهِ اِنْ فَارَقْتَ مِنْ عِوَضٍ

اور یہ خواب سنانے والے

ایک جماعت نے وقتاً فوقتاً میرے پاس آکر اپنے خواب بیان کرنا شروع کر دیئے۔ یعنی ان کا مقصود یہ تھا کہ مجھے خوش کریں اور اپنی خیر خواہی واخلاص ثابت کریں۔ کسی نے کہا آج ہم نے یہ دیکھا ہے۔ دوسرے نے کہا ہم نے وہ دیکھا ہے تیسرے نے کہا مجھے یہ نظر آیا اور چوتھے نے کہا تم پھر اسی اوج موج پر ہو جاؤ گے۔

ہر کسے در ظنِ خود شد یارِ من
واز دردنِ من نجست اسرارِ من

ان لوگوں نے یہ نہ سمجھا کہ اگرچہ خواب ممکن الحصول ہے۔ لیکن خواب مومن صالح کا سچا ہوتا ہے، اس شخص کا نہیں جو تحصیل دنیا کے لیے خواب بناتا ہے۔ یہ لوگ غالباً شیطان کے مسخرہ پن کے شکار ہیں کہ اس ذریعہ سے رسائی پیدا کر کے دوسرے کو دھوکا میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ مستورات ایسی باتوں میں آکر خوش ہو جاتی ہیں ؎

آدمی فربہ شود از راہِ گوش

اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم وفہم عطا کیا ہے، وہ ایسے خوابوں کو "اضغاثِ احلام" سمجھتے ہیں، نہ خوش ہوتے ہیں اور نہ فال بد لیتے ہیں۔

چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

منافقوں کا ایک گروہ

جس طرح جاہل اہل عزیمت نے ہجوم کیا۔ اور اکل مال بالباطل کے ارادہ سے خطوطِ رمل اور دیگر اعمال وغیرہ میری طلب کے بغیر بلکہ ممانعت کے باوجود لکھ لکھ کر بھیجے، اسی طرح ایک جماعت نے درستی معاملہ کے لیے کارگزاری اور خیر سگالی کا منافقانہ طور پر اظہار شروع کر دیا تاکہ مال خرد برد کرلیں۔ اور انہوں نے مجھے صدہا طرح کے مغالطے دیئے۔ کیوں کہ جب ایک آسودہ حال شخص کا حال خراب ہوتا ہے تو بہت سے خانہ خراب لوگ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور واقعہ طلب لوگ رات دن اسی تانک جھانک میں رہتے ہیں کہ وسائط بن کر عداوت کی بنیاد کو مضبوط کریں۔ فریقین کو مصالحت سے دور رکھیں اور اس طریق سے جتنا رزقِ حرام ملے اسے نوشِ جان کریں۔ اور سادہ لوح لوگ صحبت بد، کورنمک مصاحبین حرام خور، خدام اور نابکار اعزہ کی وجہ سے ان کے انواع واقسام کے فساد کو عین صلاح سمجھ کر، ان کے اخبار واظہار کے پابند ہو جاتے ہیں:

﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ﴾ ❶

لیکن دانش منداور عاقبت اندیش ان کے دامِ مکروفریب میں نہیں آتے:

﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ❷

اللہ تعالیٰ کو جب کسی گھر کا ویران کرنا منظور ہوتا ہے، تو وہ گھر والوں کی عقل سلب کر لیتا ہے، ان پر حکمت کے دروازوں کو مسدود کر دیتا ہے، پھر ان سے وہی افعال وحرکات صادر ہوتے ہیں، جو بربادی وتباہ کاری کا موجب ہوتے ہیں:

﴿ زُيِّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ❸

ہوں کیوں نہ منحرف رہ و رسم صواب سے
ٹیڑھا لگا ہے قط قلم سر نوشت کو

---

❶ [البقرة:٢٢٠] ❷ [البقرة:٢١٦]
❸ [الانعام:٤٣]

اولاد کا معاملہ

میری اولاد اگرچہ ابنائے زماں کی بہ نسبت غربت وعدمِ فساد کے ساتھ متصف ہے۔ لیکن انھیں علم وعمل اور تدبیر معاش کے ان مراتب سے بھی کچھ حصہ نہیں ملا جو انسان کو دنیا میں شرعاً، عرفاً اور عقلاً درکار ہوتے ہیں۔ اور نہ کسی طرح کی قدرت رکھتے ہیں کہ میرے ساتھ موافقت ورفاقت اور اعانت کرسکیں۔ میں اس حالت راہنہ میں بالکل تنہا ہوں اور جب تک زندہ ہوں، ان کی ضروریات کا بندوبست رکھتا ہوں۔ معلوم نہیں کہ میرے بعد کیسے گزر بسر کریں گے۔ اس لیے کہ اس زمانہ میں دستور یہ ہے کہ لوگ جس کو معمولی سا بھی مرفہ الحال پاتے ہیں۔ ہزار حیلہ، نفاق اور تدبیر سے اس کے دوست بن کر بہت جلد اسے مفلس اور تہی دست بنا دیتے ہیں۔ اور وہ شخص اسراف وتبذیر کا انجام نہیں سوچتا۔ اور جب خدانخواستہ زمانہ کے حوادث اور آفات سر پر آتے ہیں۔ اس وقت نادم ہو کر آباؤ اجداد کی نصیحت کو یاد کرتا ہے۔ لیکن جب مال تباہ ہو جائے اور وقت ہاتھ سے نکل جائے تو ندامت کا کیا فائدہ۔

صد حیف کہ ما پیرِ نود سالہ نبو دیم
روزے کہ رسیدیم بایامِ جوانی

یہ وہ وقت ہے کہ دین وآبرو کی حفاظت کے لیے اولاد کا نہ ہونا، اولاد کے ہونے سے بہتر ہے۔ لیکن مجبوری یہ ہے کہ انسان کے لیے تقدیر کے ساتھ جنگ کرنا اور کامیاب ہونا ممکن نہیں اور جو اولاد ناز ونعمت میں پرورش پاتی ہے، اسے عواقب امور کا کچھ تجربہ نہیں ہوتا۔ اور وہ معاملہ فہمی، کارگزاری اور مردم شناسی سے بہت دور ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَوَ مَنۡ یُّنَشَّؤُا فِی الۡحِلۡیَۃِ وَ ہُوَ فِی الۡخِصَامِ غَیۡرُ مُبِیۡنٍ﴾ [1]

''کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے میں بات واضح نہ کر سکے۔ (اس کو خدا کی بیٹی کہتے ہو۔)''

پھر خدانخواستہ ایسے ناعمین اور متنعمین کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچے تو اسے پہاڑ برابر جانتے ہیں اور استقلال چھوڑ کر مضطرب الحال ہو جاتے ہیں اور ہر شخص کو ظالم کہنے لگتے ہیں۔

ناز پروردہ چوتاب ستم عشق نداشت
یار را نام جفا پیشہ وبد کیش نہاد

---

[1] [illegible]

مجھے اپنی اولاد میں سے دختر اور فرزند صغیر سے زیادہ محبت ہے کہ یہ کس قدر میری رضا جوئی میں رہتے ہیں۔ یہ بات ان کے لیے دونوں جہانوں میں مفید ہے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی و ناراضگی والد کی رضامندی و ناراضگی میں ہے۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے:

﴿ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴾ ❶

''میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی۔ میری طرف ہی پلٹنا ہے۔''

پسر یعقوب نے کہا تھا:

﴿ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ ﴾ ❷

''پس میں اس سرزمین سے ہرگز نہیں جاؤں گا جب تک کہ میرا باپ مجھے اجازت نہ دے دے۔''

اویس قرنی رحمہ اللہ جو حدیث صحیح مسلم کی نص کی روشنی میں تمام تابعین سے افضل ہیں، اپنی والدہ کی خدمت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ سنت صحیحہ کی نص کے مطابق ماں باپ مسلمان اولاد کے لیے جنت ہیں یا جہنم۔ ❸

لیکن اس زمانہ میں لوگوں نے اس کے بالکل عکس کو عین سعادت سمجھ لیا ہے:

﴿ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾

ہجرت کا خیال

طلب رزق نے مجھے میرے وطن قدیم سے جدا کیا۔

﴿ فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ﴾ ❹

''پس چلو پھرو تم اس (زمین) کی راہوں میں، اور اس خدا کے رزق میں سے کھاؤ۔''

بحمدہٖ تعالیٰ میرے وطن میں میری عزت و جاہ، رؤساء اہل علم و دولت کی طرح اب تک باقی

---

❶ [لقمان:١٤] ❷ [يوسف:٨٠]

❸ (یعنی اولاد ماں باپ کی خدمت کے باعث یا تو جنت حاصل کرتی ہے یا ان کی نافرمانی کے باعث جہنم رسید ہوتی ہے۔) ❹ [الملك:١٥]

ہے۔ میں اپنے نانا کے گھر شہر بانس بریلی میں پیدا ہوا تھا، پھر والد کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ والدہ کے ہمراہ وہاں گیا، تب سے اب تک پھر جانا نہ ہوا۔ والد مرحوم کی قبر خاص قنوج کے محلہ شیخو پورہ میں ہے، برادر کلاں کی قبر گجرات کے شہر بڑودہ میں ہے۔ والدہ، ہمشیرہ کلاں اور خواہر وسط کی قبریں بھوپال کے مدار المہام مرحوم کے باغ کے متصل ہیں۔ نہیں معلوم کہ میری گور کہاں ہوگی۔

﴿ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ﴾ ❶

اب میرا موطن وہ شہر ہے، جو اس آیت کا مصداق ہے:

﴿ سَاُورِیْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ ﴾ ❷

''عنقریب میں تم کو فاسقین کا گھر دکھاؤں گا۔''

یہ وہ جگہ ہے جہاں علم مر جاتا ہے۔ عالم مردار سے زیادہ خوار رہتا ہے، اہل معرفت وصلاح تو شاید یہاں پہلے ہی سے کبھی پیدا نہیں ہوئے، اہل حسد کا اس جگہ بازار ہے۔ اہل نفاق کا ہر جگہ دربار ہے۔

وَ مَنْزِلَةُ الْفَقِیْهِ مِنَ السَّفِیْهِ
کَمَنْزِلَةِ السَّفِیْهِ مِنَ الْفَقِیْهِ

اگرچہ ساری دنیا میں شر کا خیر پر غلبہ رہتا ہے اور حکمت الٰہی کا یہی تقاضا ہے۔ لیکن اس شہر خاص میں کئی مرتبہ تجربہ ہوا کہ جس انسان میں جتنی ہنر مندی ہوگی وہ یہاں اتنا ہی عیب دار ہوگا کہ عیب دار کو یہاں ہنر مند سمجھا جاتا ہے۔ سعدی رحمہ اللہ نے خوب کہا ہے:

''دہ آدمی بر سفرہ بخورند و دو سگ بر مرداری بسر نبرند عقل در دست نفس چناں گرفتار ست کہ مرد عاجز در دست زن گریز۔''

لیکن مجبوری یہ ہے کہ انسان کو اپنی بود و باش میں کچھ اختیار نہیں ہے، آب و دانہ کی قید (زنجیر) لوہے کی قید (زنجیر) سے بھی زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ اس شہر میں میری پاشکستگی کی یہی وجہ ہے۔ اس چودھویں صدی میں جملہ اہل دین کے لیے ایک یہ بھی آزمائش ہے کہ ان کے لیے عرب وعجم میں کوئی پرامن جائے ہجرت نہیں۔ ہجرت تو اسی لیے ہوتی ہے کہ اگر انسان اپنے ملک اور گھر میں اپنے دین کے شعائر علی الاعلان بجا نہ لا سکے تو کسی ایسے اسلامی ملک میں جا رہے جہاں بلا روک ٹوک اپنے دین

---

❶ لقمان:٣٤ ❷ الاعراف:١٤٥

پر قائم دائم رہ سکے اور اس کا برملا اظہار کر سکے۔ اگر ہجرت میں یہ صفت نہ ہو بلکہ دوسری جگہ یہاں کی نسبت بھی زیادہ فتنہ وفساد پیش آئیں تو اپنی جان یا اسلام پر رونے کے سوا اور کیا چارہ ہے۔

سیرہا در ہوس آباد تمنا کردیم
منزلِ یاس زہر راہگزر نزدیک ست

نہایت مجبوری ومعذوری سے یہ قصد کیا تھا کہ اپنے قدیم شہر قنوج ہی میں طرحِ توطن ڈال لی جائے۔ لیکن جب غرہ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۵ھ کو عزیزی میر علی حسن خان نے اسے ملاحظہ کر کے ناپسند کیا تو چارونا چار وہاں کے خیال کو دل سے دور کیا۔

﴿ وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [1]

حاسدوں کی طرف سے کچھ اور تہمتیں

حاسدوں اور دشمنوں نے کبھی وضاعت نسب کی تہمت لگائی، کبھی اختیارِ حرفہ کی اور کبھی سابقہ فقر ومسکنت کی۔ لیکن میں بحمدہٖ تعالیٰ ان سب عیوب سے پاک ہوں۔ اس لیے کہ میرے نسب میں بارہ ائمہ اہل بیت میں سے آٹھ تو متصل آتے ہیں۔ اور وہ سب ساری امت کے پیشوا تھے۔ پھر مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے لے کر آٹھ دس پشت تک ولایت وعلم کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر بعض آباؤ اجداد کے پاس بے پناہ ثروت ودولت تھی۔ میرے باپ کے زمانہ سے پھر علم کا شغل غالب آیا۔ چناں چہ اس امامت، ولایت، امارت اور علم کے سوا میرے خاندان میں کسی نے کوئی حرفہ اختیار نہیں کیا۔ اگر چہ میرا اعتقاد ہے کہ حرفہ سب سے افضل کمائی اور رزق حلال وطیب ہے۔ اکثر انبیاء، صلحاء اور علماء امت صاحب حرفہ گزرے ہیں۔ اور وہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے اور کتب عقائد میں لکھا ہے کہ

"ہاتھ کی کمائی مستحب ہے اور اس کا منکر بدعتی ہے۔"

لیکن اس جگہ اعدائے نامحمود کے عار کو دفع کرنا مقصود نہیں بلکہ امر واقع کا اظہار مقصود ہے۔ فقر مجھ پر یتیمی کی وجہ سے طاری ہوا تھا۔

﴿ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴾ [2]

---

[1] [التکویر:۲۹]
[2] [الضحیٰ: ٦ تا ٨]

میں اس حالت میں بحمدہٖ تعالیٰ رسولِ ملت اور صلحائے امت کا ہم صفیر رہا۔ یہ کوئی عار و نار کی بات نہیں۔ ہماری ہستی آدم علیہ السلام سے لے کر اس دم تک ایک مشت خاک ہے۔ آدم علیہ السلام عصیان کے سبب کمالِ فقر و مسکنت کے ساتھ جنت سے نکلے تھے۔ یہاں تک کہ بدن کے کپڑے بھی نہ رہے، وہ بھی اتر گئے۔ ستر کو پتوں سے چھپایا تھا۔ یہی حال ہماری ماں حوا کا تھا۔ اسی طرح سارے انبیاء و رسل نے بھی فقر کو اختیار کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعونِ لعین سے بھاگ کر چاہِ مدین پر آئے تو بالکل بھوکے، پیاسے اور محتاج تھے، انھوں نے فرمایا تھا:

﴿ رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴾ ❶

''یارب! میری طرف تو جو بھی بھلائی نازل کرے میں اس کی طرف محتاج ہوں۔''

اور ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلَ مُحَمَّدٍ قُوْتًا. ❷

''اے اللہ! آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رزق کو قوت بنا دے۔''

قوت مقدارِ کفاف کو کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی درست نہیں کہ ہر فقیر خدا کا ممقوت اور ہر غنی اس کا محبوب ہوتا ہے بلکہ جسے اللہ دوست رکھتا ہے اسے دنیا سے اس طرح بچاتا ہے، جیسے ہم بیمار کو کھانے پینے سے بچاتے ہیں۔ [رواہ ابو سعید مرفوعاً]

بلکہ دنیا تو اہلِ اسلام و صلاح کی نسبت اہلِ کفر و فسق کو زیادہ ملتی ہے یہ حالت لائق حقارت نہیں بلکہ قابلِ فخر ہے۔ اور حدیث حارثہ بن وہب میں مرفوعاً آیا ہے:

" اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ الْجَنَّةِ کُلُّ ضَعِیْفٍ مُتَضَاعِفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَ بَرَّهٗ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ النَّارِ کُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَکْبِرٍ." ❸

''کیا میں تمھیں خبر نہ دوں کہ اہل جنت کون ہیں! ہر کمزور جو لوگوں میں کمزور سمجھا جاتا ہو۔ اگر اللہ پر قسم اٹھائے تو وہ اسے پورا کرے۔ کیا میں تمھیں آگ والوں کی خبر نہ دوں کہ وہ کون ہیں! ہر سخت خو، اکھڑ اور متکبر!''

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے:

---

❶ [القصص: ٢٤] ❷ [متفق علیه، بخاری: ٦٤٦٠۔ مسلم: ١٠٥٥/١٢٦]

❸ [رواہ البخاری: ٦٠٧١ ومسلم: ٤٦/ ٢٨٥٣]

اِنَّهٗ لَیَاْتِی الرَّجُلُ الْعَظِیْمُ السَّمِیْنُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ لَا یَزِنُ عِنْدَ اللّٰہِ جُنَاحَ بَعُوْضَۃٍ . ❶

"قیامت کے دن ایک بہت بڑا اور موٹا آدمی آئے گا۔ جس کا اللہ کے ہاں مچھر کے پر جتنا بھی وزن نہیں ہوگا۔"

اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

اِنَّمَا الْغِنٰی غِنَی الْقَلْبِ وَالْفَقْرُ فَقْرُ الْقَلْبِ . ❷

"تونگری دل کی تونگری اور غریبی دل کی غریبی کا نام ہے۔"

یعنی تونگری بدل ست نہ بمال۔ سعد رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَآئِکُمْ ؟ ❸

"کیا تم صرف اپنے کمزوروں کی وجہ سے مدد نہیں کیے جاتے اور رزق نہیں دیے جاتے ہو؟"

دنیا کے اکثر سلاطین و بادشاہ تملک و تسلط سے قبل محتاج تھے۔ اس طرح کی عار وہ لوگ دلاتے ہیں جن کے پاس ایمان کا کچھ حصہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ﴾ ❹

"(اللہ ہی) جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور (جس کے لیے چاہے) تنگ کرتا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ﴾ ❺

"دنیوی زندگی میں ان کے درمیان ان کی معیشت ہم نے تقسیم کی ہے۔"

میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میرا سابقہ فقر، اضطراری نہ تھا بلکہ اختیاری تھا اس لیے کہ میرے باپ نے پانچ لاکھ کی جاگیر کو چھوڑ کر علم و فقر اختیار کیا تھا۔ اس بات سے سارے اہل وطن و اہل دکن واقف ہیں۔ اور اب جو مجھ پر بسط رزق ہوا ہے تو یہ میری سعی و کوشش سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے

---

❶ [رواہ الشیخان، بخاری: ٤٧٦٩۔ مسلم: ١٨/ ٢٧٨٥]

❷ [رواہ النسائی، مستدرك حاکم: ٤/ ٣٢٧۔ فتح الباری: ١١/ ٢٧٢]

❸ [رواہ البخاری: ٢٨٩٦ والنسائی]

❹ [الرعد: ٢٦]

❺ [الزخرف: ٣٢]

فضل سے ہوا ہے۔ نہ میں نے حلال وحرام کی تمیز کے بغیر اکٹھا کیا ہے اور نہ میں اس فکر میں کبھی رہا کہ مال کو ہر طرح جمع کروں خواہ طاعت سے ملے یا معصیت سے۔ میرے حاسدوں نے اپنی تمام فکر طلب مال میں ضائع کی اور حصولِ دولت وحکومت کے لیے کوئی گناہ نہ چھوڑا۔

لکن قدر الله وما شآء فعل .

❀❀............❀❀............❀❀

خاتمہ

اس عجالہ نافعہ میں جس قدر منن ومحن کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے معلوم کرنے سے یہ بات بخوبی ثابت ہوجاتی ہے کہ منن کثیر ہیں اور محن قلیل۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنت اسی طرح جاری ہے کہ اس کی رحمت کو اس کے غضب پر سبقت وغلبہ حاصل ہے۔ منن پر شکر بجالانا واجب ہے۔ لیکن کسے طاقت ہے کہ وہ کما حقہ شکر ادا کر سکے۔

﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ ❶

محن بھی فی نفسہٖ اجر وثواب سے خالی نہیں۔ گو ہم اپنے قصورِ فہم سے ان معانی کا ادراک نہ کر سکیں جو محن کے تطورات میں مخفی ہوتے ہیں۔ ہمیں محن پر بھی صبر وشکر کرنا لازم ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔

اگر اللہ تعالیٰ اپنے ناچیز بندے سے خوش ہوجائے تو پھر سارے محن عین منن ہیں۔ اور اگر خدانخواستہ ناراض ہوجائے تو اس دارِ فانی کے سارے منن ونعم آخرت کے لیے فتن ونقم ہیں۔ اعتبار حسن خاتمہ وسوء خاتمہ کا ہے، ابتداءِ امر کا نہیں۔ لیکن خاتمہ، فاتحہ کے موافق ہوا کرتا ہے۔ اس لیے بعض اہل حق نے کہا ہے کہ سب لوگ انجامِ کار سے ڈرتے ہیں لیکن میں آغازِ امر سے، اس لیے کہ یہ معلوم نہیں ہے کہ ازل میں قلم تقدیر نے کیا لکھا ہے، اگر خاتمۂ حسنیٰ لکھا ہے تو زہے سعادت، ورنہ یہاں کی ساری طاعت ضائع ہے۔ آدمی اہل جنت کا سا کام کیا کرتا ہے لیکن قضا وقدر غالب آتی ہے تو مرتے وقت اہل نار کا سا کام کر کے مر جاتا ہے اور کوئی آدمی اہل نار کا سا کام کرتا ہے۔ لیکن نوشتہ ازل سبقت کرتا ہے تو مرتے وقت بہشت والوں کا سا کام کر جاتا ہے۔ اور بخش دیا جاتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس فریق ثانی میں سے کر لے۔

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ النَّارِ وَاِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ الْجَنَّةِ

---

❶ [ابراهيم: ٣٤]

وَاِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ . ❶

''آدمی جہنمیوں کے سے کام کرتا ہے، حالاں کہ وہ جنتی ہوتا ہے اور بعض دفعہ جنتیوں کے سے کام کرتا ہے، حالاں کہ وہ جہنمی ہوتا ہے۔ اعمال کا انحصار خاتموں پر ہے۔''

اس حدیث میں توجہ دلائی گئی ہے کہ ہمیشہ طاعت الٰہی کے کام کرنے چاہئیں اور معاصی سے بچتے رہنا چاہیے۔ نیز عجب وفرح سے روکا گیا ہے۔ کیوں کہ کوئی نہیں جانتا کہ انجام کیا ہونے والا ہے۔

حکم مستوری و مستی ہمہ بر خاتمت ست
کس ندانست کہ آخر بچہ حالت گزرد

سید نے حاشیہ مشکوۃ میں کہا ہے:

وَفِيْهِ اَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ الشَّهَادَةُ لِاَحَدٍ بِالْجَنَّةِ وَلَا بِالنَّارِ .

''اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے لیے جنتی یا جہنمی ہونے کا حتمی فیصلہ کر دینا جائز نہیں۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فَوَاللّٰهِ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيُدْخِلُهَا وَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُدْخِلُهَا . ❷

''اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے ایک شخص جنتیوں جیسے کام کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے اور کتابِ (تقدیر) سبقت کر جاتی ہے اور وہ کوئی جہنمیوں کا سا کام کر کے داخل نار ہو جاتا ہے۔ اور تم میں سے ایک جہنمیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حتی کہ ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے اور کتاب سبقت کر جاتی ہے۔ اور وہ جنتیوں کا سا کام کر کے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔''

یہ حدیث اس بات پر حجت ہے کہ جس بات کے ساتھ ''کتابِ محفوظ'' سابق ہو چکی ہے، اس میں کچھ فرق نہیں پڑتا، اور جب تک موت عمل خیر اور ایمانِ صادق پر نہ آئے، ظاہر اعمال کا کچھ اعتبار

---

❶ [متفق علیہ، بخاری: ٦٦٠٧۔ مسلم: ١٧٩/ ١١٢]

❷ [متفق علیہ، بخاری: ٦٥٩٤۔ مسلم: ١/ ٢٦٤٣]

نہیں۔اس حدیث میں جس طرح صلحاء کے لیے زجر ہے۔اسی طرح نافرمانوں کے لیے اس میں بشارت ہے۔اس میں رجا وخوف اور مسئلہ قضا وقدر سب کچھ کا بیان ہے۔اس حدیث سے زیادہ خوفناک حدیث ابن عمرو رضی اللہ عنہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔فرمایا:

''تم جانتے ہو کہ یہ دونوں کتابیں کیا ہیں؟''

ہم نے کہا:

''ہم تو نہیں جانتے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کتاب دائیں ہاتھ میں تھی اس کے متعلق فرمایا:

هٰذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اَسْمَآءُ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَسْمَآءُ اٰبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا.

''یہ اللہ کی طرف سے ایک کتاب ہے جس میں اہل جنت کے نام،ان کے آباء اور قبائل کے نام ہیں اور پھر آخر میں بالاجمال ان کا بیان ہے۔پس اب کبھی بھی ان میں کمی بیشی نہ ہوگی۔''

پھر جو کتاب بائیں ہاتھ میں تھی،اس کے متعلق فرمایا:

هٰذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اَسْمَآءُ اَهْلِ النَّارِ وَاَسْمَآءُ اٰبَآئِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا.

''یہ اللہ کی طرف سے ایک کتاب ہے جس میں اہل دوزخ کے نام،ان کے آباء اور قبائل کے نام ہیں۔پھر آخر میں ان کا بالاجمال بیان ہے پس کبھی بھی ان میں کمی بیشی نہ ہوگی۔''

آخر میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر عرض کی کہ جب جنتی وجہنمی مقرر ہو چکے اور ان میں کمی بیشی بھی نہ ہوگی تو پھر عمل کرنا کس لیے ہے۔اس سے گویا فراغت مل گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا فَاِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ عَمِلَ اَیَّ عَمَلٍ وَاِنَّ صَاحِبَ النَّارِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ وَاِنْ عَمِلَ اَیَّ عَمَلٍ.

''سیدھے راہِ حق پر چلتے رہو،جنتی کا خاتمہ عمل جنت پر اور دوزخی کا خاتمہ عمل دوزخ پر ہوتا ہے۔خواہ وہ کوئی کام کریں۔''

پھر ہاتھ سے اشارہ کر کے ان دونوں کتابوں کو پھینک دیا اور فرمایا:

فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ. ❶

”تمہارا رب بندوں سے فارغ ہو چکا ہے ایک فریق جنت میں اور ایک فریق جہنم میں جائے گا۔“

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَاءَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى. ❷

”تم میں سے ہر ایک کی جہنم یا جنت کی جگہ کو لکھ دیا گیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اے اللہ کے رسول! کیا ہم اپنے نوشتہ پر اعتماد کر کے عمل کو چھوڑ نہ دیں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمل کرو کیوں کہ ہر آدمی کو اسی عمل کے لیے توفیق ملے گی جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے، اہل سعادت میں سے ہے تو عمل سعادت کی توفیق اور اگر اہل شقاوت میں سے ہے تو عمل شقاوت کی توفیق دی جائے گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کی تلاوت فرمائی۔ پس جس نے (راہِ خدا میں مال) دیا اور پرہیزگاری کی اور نیک بات کی تصدیق کی پس ہم اس کو آسانی (کی راہ) کی توفیق دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی کی اور نیک بات کو جھٹلایا پس ہم اس کو تنگی کی (راہ کی) توفیق دیں گے۔“

معلوم ہوا کہ نفس اعمال کو نجات و ہلاکت میں کچھ دخل نہیں ہے۔ لیکن اعمال انجام کی علامت ضرور ہیں۔

” اِنَّ خَيْرًا فَخَيْرًا وَاِنْ شَرًّا فَشَرًّا “.

یہ حدیث جس طرح ڈرانے والی ہے اسی طرح خوشخبری دینے والی بھی ہے ہمیں چاہیے کہ اپنی

❶ [جامع الترمذي: ٢١٤١] ❷ [متفق عليه، بخاري: ١٣٦٢، مسلم: ٦/ ٢٦٤٧]

حالت حسنیٰ پر بے خوف نہ ہوں اور کثرتِ معاصی سے مایوس نہ ہوں۔ ہمیں حکم ہے کہ طاعات پر مواظبت کریں اور گناہوں سے بچیں۔ لہٰذا ہم پر ہر دم اس امر کی بجا آوری میں لگے رہنا اور ہر دم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتے رہنا اور جہنم سے پناہ مانگتے رہنا واجب ہے۔ مقدر میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ ضرور ہوگا۔ ہماری طلب سے نہ جنت ملے اور نہ جہنم سے بچ سکیں۔ اے اللہ! اگر تو نے میرا نام اشقیاء کے زمرہ میں لکھا ہے تو میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرا نام ہلاک ہونے والوں کے دیوان سے خارج فرما کر دیوانِ سعداء میں لکھ دے۔ یا رب! تیرا یہ بندہ اب حالت اسلام میں بوڑھا ہو گیا ہے، قابل رحم وکرم ہے، تجھ سے مغفرت مانگتا ہے، اس بڑھاپے کی شرم تیرے ہاتھ میں ہے ۔

رسمیست کہ مالکانِ تحریر
آزاد کنند بندۂ پیر

اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا شَبَّتْ عَبِیْدُھُمْ فِیْ رِقِّھِمْ اَعْتَقُوْھُمْ عِتْقَ اَبْرَارِ
وَاَنْتَ یَا سَیِّدِی اَوْلٰی بِذَا کَرَمًا قَدْ شِبْتُ فِی الرِّقِّ فَاَعْتِقْنِیْ مِنَ النَّارِ

مجھے اس بات کا بڑا ڈر ہے کہ اپنی کتابِ سابق (نوشتہ تقدیر) کا علم نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ نامی تھے۔ لوگ ان کے پاس عیادت کو آئے تو وہ رو رہے تھے۔ پوچھا گیا کہ "تم روتے کیوں ہو؟ کیا آنحضرت ﷺ نے تم سے یہ بات نہیں کی تھی کہ

خُذْ مِنْ شَارِبِکَ ثُمَّ اَقِرَّهُ حَتّٰی تَلْقَانِیْ ۔ ❶

"اپنی مونچھوں کو کٹواؤ اور پھر اس پر میری ملاقات تک قائم رہنا۔"

انھوں نے کہا ہاں حضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔ لیکن میں نے آپ ﷺ کو یہ بھی ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ بِیَمِیْنِهٖ قَبْضَةً وَّاُخْرٰی بِالْیَدِ الْاُخْرٰی وَقَالَ هٰذِهٖ لِهٰذِهٖ وَهٰذِهٖ لِهٰذِهٖ وَلَا اُبَالِیْ ۔ ❷

"اللہ تعالیٰ نے دائیں ہاتھ میں (انسانوں کی) ایک مٹھی بھری اور بائیں ہاتھ میں بھی ایک مٹھی بھری پھر فرمایا یہ اس (جنت) کے لیے ہیں اور یہ اس (جہنم) کے لیے ہیں۔ اور مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں اور میں نہیں جانتا کہ میں کس مٹھی میں ہوں۔ یعنی جنت والوں کی مٹھی

---

❶ [مسند احمد: ٤/ ١٨٦۔ ٥/ ٦٨] ❷ [رواہ احمد: ٥/ ٦٨]

میں ہوں یا کہ جہنم والوں کی مٹھی میں۔"

جب صحابہ کو یہ خوف تھا اور وہ بشارتِ نبوی کے باوجود اس قدر لرزاں وترساں تھے۔ تو مجھے تو خواب یا بیداری میں کسی طرف سے بشارت بھی نہیں ملی اور اگر ملتی بھی تو کب لائق اطمینان تھی جب تک کہ دنیا میں کامل ایمان پر خاتمہ نہ ہو۔ مالک بن دینار رحمہ اللہ سے [1] ایک شخص نے کہا:

"میں نے تمھیں جنت میں خراماں دیکھا۔"

فرمانے لگے کہ

"کیا شیطان کو میرے اور تیرے سوا کوئی اور نہ ملا جس سے وہ مسخرا پن کرتا۔"

یہی مثال میری ہے بلکہ میں نے غلط کہا۔ اس لیے کہ مالک نے انکار از راہِ تواضع کیا تھا اور کیا عجب کہ صاحب خواب سچا ہو بلکہ یہی بات یقینی ہے کیوں کہ از خود خواب بنانا گناہِ کبیرہ ہے اور اس وقت کے لوگ اہل تقویٰ ہوتے تھے۔ لیکن میرا حال وقال وفعال اس کے خلاف ہے کہ یہ سب اہل نار اور منکرین یوم الحساب کے سے اعمال ہیں۔ اور میرے بارے میں تو کسی نے بھی کوئی خوابِ صادق نہیں دیکھا۔ اور اگر دیکھا بھی ہوتا تو میں اسے دیکھنے والے کے حال پر محمول کرتا۔ واللہ! باللہ! اگر اللہ نے یاس کو کفر نہ فرمایا ہوتا تو میں بالکل مایوس ہو چکا تھا۔ کیوں کہ عمل کچھ نہیں اور مغفرت کی امید بلکہ یقین ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا غرور (دھوکا) ہوگا کہ گناہ تو اتنے ہیں کہ زمین سے آسمان تک اور شرق سے غرب تک میرے معاصی سے بھر جائے، طاعت کو دیکھو تو بجز زبان سے کلمہ کہنے کے کسی فعل کی قول سے تصدیق نہیں ہوتی۔ یہ اگر نفاق جلی نہیں تو پھر کیا ہے؟ اللہ ہی رحم فرمائے، مرنے سے پہلے عمل خیر کی توفیق بخشے اور کتابِ سابق میں اگر نجات لکھی گئی ہے تو کچھ ٹھکانا ہے۔ ورنہ اپنے حال نے تو بالکل ناامید کر رکھا ہے۔ اب جو عمر فانی پنجاہ (۵۰) سال سے متجاوز ہو رہی ہے تو ہر دم ایمان کا خوف لگا ہوا ہے، ہمارے سلف چالیس سال کے بعد اشغالِ دنیا سے کنارہ کش ہو جاتے تھے، اور ہماری شامت اعمال کو دیکھو کہ ابھی تک ترک وتجرید کی توفیق نہیں پائی۔

دمِ اخیر ہے اے داغ! توبہ کر توبہ
کہ رو سیاہ ابھی اختیار باقی ہے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ مِنْ ذُنُوْبِیْ کُلِّھَا عَلِمْتُھَا اَوْ لَمْ اَعْلَمْھَا

---

[1] سابق میں یہی واقعہ بشر حافی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

اِنَّکَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الۡغَفُوۡرُ .

مجھے اس رسالہ کے لکھنے کی ضرورت تو نہ تھی۔لیکن جب میں نے علامہ شعرانی رحمہ اللہ کی کتاب ''منن کبریٰ'' کو دیکھا کہ اس میں انھوں نے اپنے منن اور قدرے محن لکھے ہیں تو مجھے خیال آیا کہ میں بھی اپنے کچھ منن ومحن لکھوں اور اس بہانہ سے اللہ تعالیٰ کے شکر وسپاس کا کچھ اظہار کروں، اگر چہ نہیں کرسکتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات وانعامات مجھ پر بے حساب ہیں۔اگر ساری عمر ایک سجدہ میں گزر جائے تو ایک نعمت کا شکر بھی ادا نہیں ہوسکتا۔پھر منن واحسانات بے پایاں کس طرح ضبط وبیان میں آسکتے ہیں۔

﴿ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰىهُ وَاَدۡخِلۡنِیۡ بِرَحۡمَتِکَ فِیۡ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴾ [1]

خصوصاً میرے جیسا انسان جس کے گناہ بہت ہوں وہ اگر اللہ تعالیٰ کا کچھ ڈر رکھتا ہو تو نہایت شرم کی وجہ سے اس کی زبان رب تعالیٰ کے سامنے جاری نہیں ہوسکتی۔

اُحِبُّ مُنَاجَاةَ الۡحَبِیۡبِ بِاَوۡجُهٍ
وَلٰکِنۡ لِسَانُ الۡمُذۡنِبِیۡنَ کَلِیۡلُ

میں چاہتا تھا کہ اس رسالہ میں کلام کو ذرا طول دوں اور دل کھول کر اللہ سے دعائیں مانگوں۔لیکن اپنے قلب وقالب کے معاصی پر نظر کی وجہ سے دعا مانگتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔اور ترکِ دعا میں اس بات کا خوف ہے کہ اللہ کی تدبیر سے بے خوف رہنے والوں میں میرا شمار نہ ہوجائے۔اس لیے چار ونا چار سوال اور دعا کرنا ہی راجح نظر آیا۔

من سر گشتہ کجا ومی دمے خانہ کجا
خواہشِ مغفرتِ دوست گنہگارم کرد

اللہ نے اپنی رحمت سے اہل کفر وشرک کی ایک بہت بڑی تعداد کو توبہ نصیب کرکے ان کی مغفرت فرمائی۔میں اگر عاصی ہوں اور میرا اعصیان حد شرک وکفر تک بھی پہنچا ہو (نَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ غَضَبِ اللّٰهِ) تو بھی میں اپنے الٰہ العالمین، رب السموات والارضین سے ناامید نہیں ہوں۔بلکہ یہی دعا کرتا ہوں کہ مجھے موت سے پہلے صدقِ دل سے توبہ وانابت کی توفیق مرحمت فرمائے اور میرا خاتمہ

---

[1] [النمل:۱۹]

اسلام، ایمان اور احسان پر فرمائے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَیْهِ بِعَزِیْزٍ!

ہاں وہ اور لوگ تھے یا ہیں جن کو اس نے مرتبہ فوز بخشا ہے۔ میں اسی کو غنیمت کبریٰ جانتا ہوں کہ

﴿فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ❶

کے مصداق ہو جاؤں۔ رفع درجات کجا، حصولِ معارف ومقامات کجا

عَلٰی اَنَّنِیْ رَاضٍ بِاَنْ اَحْمِلَ الْهَوٰی

وَاَخْلُصَ مِنْهُ لَا عَلَیَّ وَلَا لِیَا

ساعت کبریٰ کی شرطوں کے طلوع نے یہ حال کر رکھا ہے کہ اگر صبح کو ایمان ہوتا ہے تو شام کو کفر، شام کو ایمان ہوتا ہے تو صبح کفر۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا کَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ یُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَیُمْسِیْ کَافِرًا اَوْ یُمْسِیْ مُؤْمِنًا وَیُصْبِحُ کَافِرًا یَبِیْعُ دِیْنَهُ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْیَا. ❷

"ان فتنوں سے پہلے پہلے (نیک) اعمال کر لو جو شب سیاہ کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے کہ آدمی صبح مومن ہے تو شام کو کافر، شام کو مومن ہے تو صبح کافر، اپنے دین کو دنیا کے حقیر سے سامان کے عوض بیچ دے گا۔"

فتنوں کے ایسے طوفان میں کہ ہر طرف شیطانی لشکروں کا غلبہ ہے، اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔ یہ تو وہ وقت ہے کہ اگر کسی مسلمان کا ایمانداری اور تقویٰ شعاری کا ارادہ ہو تو اس کا کوئی مددگار نہیں بلکہ سب اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اعوان وانصار کا یہ خذلان وفقدان، ایمان واسلام کی مزید تباہی کا باعث ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!

میں اپنا یا اپنی اولاد کا کچھ بھی بھلا نہیں کر سکتا۔ جس طرح اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوا کہتا ہوں:

﴿اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ﴾ ❸

اسی طرح اس پیرانہ سالی میں کہ پیغامِ مرگ دم بدم چلا آ رہا ہے، اپنی اولاد واحفاد کو بھی خالق ورزاق کے سپرد کرتا ہوں۔ اگر رحمٰن کے مطیع رہیں گے تو دونوں جہان میں بہتری وبھلائی پائیں گے۔

---

❶ [البقرة: ١٣٢] ❷ [رواہ مسلم: ١٨٦/ ١١٨]

❸ [المومن: ٤٤]

﴿ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴾ ❶

اگر خدانخواستہ نافرمان وناشکرے ہوں گے تو وہی حال ہوگا جو سارے ہالکین کا ہوتا ہے:

﴿ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴾ ❷

''ہر انسان کا رزق زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر ہے۔''

﴿ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴾ ❸

جب اس پر انھیں یقین کامل ہوگا تو وہ اللہ کے سوا کسی سے کچھ سوال نہ کریں گے۔ اور دنیا کے لیے ذلت کے متحمل نہیں ہوں گے۔ بلکہ غنا کی بجائے عزت ووقار کے ساتھ فقر کو اختیار کریں گے اور اہل دول وریاست کے قرب وقرابت سے ایسے بھاگیں گے جیسے کوئی غضب ناک شیر سے بھاگتا ہے۔ صاحب اولاد، امیر یا غریب بیوہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے بھی اجتناب کریں گے۔ کیوں کہ اس زمانِ فاسد وعصر کاسد میں اس کے مفاسد حساب سے باہر ہیں۔ اور ناکح کو عذابِ الیم اورعقاب دائم میں جینا مرنا پڑتا ہے۔

داد یم ترا ز گنج مقصود نشان

گر ما نہ سیدیم تو باری برسی

اگر ایسا نہ کریں گے تو وہ جانیں اور ان کا کام جانے، مجھ سے جو بنا اور اللہ نے بنایا، راحت دنیا اور فضیلت عقبیٰ کے اسباب ان کے لیے جمع کر دیے ہیں۔ بشرطیکہ اسراف نہ کریں اور قلیل پر قناعت کریں، دنیا واہل دنیا کو ہیچ اور پوچ سمجھیں، اور آخرت پر اسے ترجیح نہ دیں۔

'' اَلْمَالُ غَادٍ وَرَائِحٌ . ''

دنیا فضائل سے نہیں بلکہ وسائل سے ملتی ہے، اور محتاج آدمی سب کی نظر میں حقیر وذلیل ہوتا ہے گو کتنا ہی فضل وکمال کیوں نہ رکھتا ہو

فَصَاحَةُ سُحْبَانٍ وَّخَطُّ ابْنُ مُقْلَةٍ ... وَحِكْمَةُ لُقْمَانٍ وَّزُهْدُ بْنِ اُدْهَمِ

اِذَا اجْتَمَعَتْ فِي الْمَرْءِ وَالْمَرْءُ مُفْلِسٌ ... فَلَيْسَ لَهُ قَدْرٌ عَلٰى وَزْنِ دِرْهَمِ

عَرَضْتُ عَلَى الْخَبَّازِ نَحْوَ الْمُبَرَّدِ ... وَكُتُبًا حِسَانًا لِلْخَلِيْلِ بْنِ اَحْمَدِ

وَرُؤْيَا ابْنِ سِيْرِيْنَ وَخَطُّ ابْنِ مُقْلَةٍ ... وَتَوْحِيْدُ جُهْمَانَ وَفِقْهُ مُحَمَّدِ

---

❶ [الاعراف:۱۹۶] ❷ [ابراھیم:۷] ❸ [الذریت:۲۲]

وَنَاشَدْتُهُ شِعْرًا لِّكُمَيْتِ وَجَرْوَلِ بِغُنْيَةِ لِهُنِ لِلْقَرِيْضِ بْنِ مَعْبَدِ
فَلَمْ يُغْنِ عَنِّىْ كُلَّمَا قَدْ ذَكَرْتُهُ سِوٰى دِرْهَمٍ نَاوَلْتُهُ كَانَ فِيْ يَدِ

اہل اللہ کبھی غنا کو اختیار کرتے بھی ہیں تو اس لیے کہ اللہ کے دشمنوں کی نظروں میں معزز ومکرم رہیں اور کسی کے محتاج نہ ہوں، حب مال وجاہ کے لیے اختیار نہیں کرتے۔ اس زمانہ میں صاحب عیال سے تو ہرگز فقر پر صبر نہیں ہوسکتا بلکہ بحکم:

"كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا."

ایمان وایقان کے زوال کی نوبت آجاتی ہے۔ اس لیے ہر عاقل کے لیے لازمی ہے کہ وہ افراط وتفریط سے بچ کر میانہ روی اختیار کرلے۔

والذين اذا انفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواما!

طلب معاش میں اجمال واجب ہے، جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ دنیا میں باآبرو رہتا ہے اور آخرت میں بھی ان شاء اللہ مناقشہ حساب سے بری ہوجائے گا۔ میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا، اب طول تقریر کا نہیں بلکہ ختم تحریر کا وقت ہے۔ میری دعا اس جگہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ

"اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِى الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ."

اور دوسری دعا یہ ہے:

"رَبِّ اَنْتَ وَلِيِّ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ."

یہ دعائیں اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ حسن عاقبت، نعمت عافیت، اور وفات علی الاسلام سے بڑھ کر دنیا ودین کی کوئی نعمت نہیں۔

﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ﴾

یہ رسالہ ذوالحجہ ۱۳۰۴ھ کے آخر میں نیم روز کے قریب تشتت بال وتفرق خیال میں ایک عشرہ میں ختم ہوا۔ تاریخ ختم بمادہ سالم یہ آیت شریف ہے:

﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ [1]

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِيْ اٰخِرَهٗ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّآخِرًا.

---

[1] [ابراهيم: ٣٤]

حصہ دوم

اضافات وملحقات

مرتبہ

حافظ صلاح الدین یوسف

خودنوشت: (۲)

ذوقِ مطالعہ

ترجمہ اقتباس از سلسلۃ العسجد فی ذکر مشائخ السند

تالیف والا جاہ نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ

(صفحات ۶۲ تا ۶۶)

فصل ششم:

یہ فصل ان کتب کی فہرست کے سلسلے میں ہے جن میں سے کچھ کتابیں ان سطور کے راقم نے اپنے لیے منتخب کر لی تھیں اور باقی تمام مدرسہ ریاست بھوپال میں داخل کر دی تھیں۔

امام الزرکشی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الاصطلاح علی ابن الصلاح'' میں لکھا ہے کہ ''الفھرستۃ'' س پر زبر اس کے ساتھ تائے تانیث لگا کر ہا پر وقف صحیح ہے۔ جیسا کہ ابن جنی نے تثقیف اللسان میں کہا ہے۔ فہرست۔ س ساکن اور تا اصل۔ اس کا لغوی معنی ہے جملہ اعداد (یعنی پورا شمار) یہ لفظ فارسی ہے اور عوام میں کتابوں کی فہرست کے لیے مستعمل ہے۔ الفہرست شمار (گنتی) کے لیے اسم ہے الفہرستۃ مصدر ہے (یعنی شمار کرنا فہرست لکھنا)

میں نے یہ جو کہا ہے وہ میں نے شیخ الاسلام ومفتی الانام سلیمان بن عبدالرحمٰن مقبول الاہدل رحمہ اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا پایا ہے۔ اور صراح کے ضمیمہ میں ہے کہ الفہرس۔ زیر کے ساتھ۔ ایسی کتاب جس میں (بہت سی) کتابوں کی (تفصیل) جمع کی جائے۔ یہ فہرست کا معرب ہے۔ اور ایسا ہی القاموس میں ہے۔

یہ تمام کتابیں اور رسالے جو اس فصل میں لکھے گئے ہیں۔ ان تمام کتابوں میں سے ہیں جو میری دسترس میں تھے۔ اور وہ عقلیات وحکمت اوائل کی کتابیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کا علم ہے۔ میں نے ایک طویل عرصہ سے الگ کر دی تھیں۔ کیوں کہ

'' الصباح یغنی عن المصباح .''

طلوعِ صبح چراغ سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

جز شرعہ سنت نزود جانب جنت
زائر بکجا رائے برد اہل جہاں را

(زائر الہ آبادی رحمہ اللہ)

ان تینوں زبانوں کی کتابوں میں سے علم تفسیر وحدیث وفقہ سنت مطہرہ اور وہ سب جو آلات ومعدات کی قسم سے ہیں۔ میرے نزدیک سب سے بڑھ کر پسندیدہ ہیں۔ اور ان کی حفاظت ونگرانی کا میں پورا پورا اہتمام کرتا ہوں۔ کیوں کہ ؎

زائر ازاں بگوش کشد کایں حدیث دیں
اے سید رُسل گہرِ کانِ لعلِ تست!

''زائر اس لیے ان کو غور سے سنتا ہے کیوں کہ اے سید المرسلین یہ دین کی باتیں تیرے لعل وجواہر کی کان کے موتی ہیں۔''

نیز عربی، فارسی، ادب کی کتابیں اور بعض عربی، عجمی شاعری کے دیوان اس لیے باقی رکھے گئے ہیں کہ وہ میرے نزدیک چھوٹے لڑکوں کی تعلیم کے لیے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں کیوں کہ ایک طویل عرصہ پہلے میں ان سے اپنا شوق پورا کر چکا ہوں۔ اور اب ان کی حاجت باقی نہیں رہی۔ جو اردو ریختہ کی بہت سی کتابیں ہیں۔ وہ زیادہ تر دینی کتابوں کے تراجم جو عورتوں کی تدریس اور ان کی تہذیب عقائد واعمال کے لیے رکھی گئی ہیں اس کے سوا کوئی بات نہیں۔

'' اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی .'' ❶

ان میں سے بہت ہی کم وہ کتابیں ہوں گی جو بعض احباب واکابر کے تذکار کے لیے محفوظ رکھی گئی ہیں۔ مزید برآں اس میں ایسی کوئی بات نہیں جو ہمارے مقصود کے مخالف ہو بلکہ اس کا وجود میرے نزدیک عدم جیسا ہے اور اس کا عدم وجود کی طرح اور یہ تمام چھوٹی بڑی کتابیں جن کا ذکر زبانِ قلم پر آیا اور ان کا نام بھی لیا گیا ہے اور اس مقالے کی تحریر کے وقت میرے کتاب خانہ میں رونق افروز ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ سب میرے مطالعہ میں آ چکی ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ اور وہ کتابیں جو اس عالم ایجاد کے نظاروں سے متعلق ہیں۔ اور ہر فن اور علم اور زبان اور لغت میں ہیں ان کا ضبط شمار سے باہر ہے۔

ایسی کوئی کتاب نہیں جو تالیف ہوئی یا طبع ہوئی یا عرب وعجم کے شہروں میں دستیاب ہوئی اور

❶ [بخاری:١]

میرے مطالعہ میں نہ آئی ہو۔ اگر چہ میں اسے اپنے پاس نہ رکھ سکا ہوں گا۔ چوں کہ کسی چیز کا علم اس سے لاعلمی سے بہتر ہے۔ اگر چہ علم کا پسندیدہ حصہ صحائف دین کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اس لیے ابھی علم حدیث وتفسیر اور ان سے متعلقہ کتابوں کی آمد آمد ہے۔ اور ائمہ سلف کی تالیفات کی جستجو باقی ہے۔ ان کی خرید میں زر کثیر صرف کرنا پڑتا ہے اور ایسی ایسی (چیزیں) تخلیق ہو رہی ہیں۔ جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔

حدیث است جنس گراں مایہ زائر
تواں شد خریدار بانقد جانش

سفر کلکتہ

اور اس مقالہ کی تالیف کے دوران اتفاق سے سات ذیقعدہ ۱۲۹۲ھ کو کلکتہ کا سفر پیش آ گیا۔ اس ماہ کی سولہ تاریخ کو وہاں پہنچا اور ایک مہینہ وہاں ٹھہرا۔ مدرسہ عالیہ اور ولیم فوٹ سیٹی (سوسائٹی) اور قدیم وجدید چھاپہ خانے اس امید پر ملاحظہ کیے کہ شاید دینی کتب میں سے کچھ کتابیں حاصل ہو سکیں گی۔ اس شہر کے بڑے بڑے لوگوں سے ملاقات بھی کی۔ خصوصاً ان لوگوں سے جن کو اہل علم کہا جاتا ہے۔ مگر ان میں سے کسی سے بھی علم اور دینداری کی بو نہیں آئی۔ دنیا اور اس کا مال حاصل کرنے میں انہماک کے سوا کوئی اور چیز ان مالداروں اور تہی دستوں میں نظر نہ آئی۔

فَاِنَّا لِلّٰهِ عَلٰی ذِهَابِ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ وَحُبِّ الْاٰفِلِ وَطُوْلِ الْاَمَلِ .

بہر حال بڑی تگ ودو کے بعد سنن نسائی کا ایک نسخہ شہر صنعاء کے پرانے خط میں، اور کتاب اعلام الاعلام بفضائل بیت اللہ الحرام اور دو تین دوسری کتابیں ادب ولغت وغیرہ کی بیروت اور جرمنی وغیرہ کی چھپی ہوئی بعض اہل علم وفضیلت کے ہاں سے ملیں۔

ایں ہم غنیمت است کہ عمرت دراز باد

اس شہر اور اہل شہر کا ملاحظہ بہت عبرت آموز رہا۔ نیز ان لوگوں کی وضع قطع حسرت کا باعث بنی۔ اس شہر کے تمام باشندے یعنی دولت مند اہل قلم، عہدیدار، تجارت پیشہ، مسجدوں کے صالحین، مقاماتِ مقدسہ کے حاجی، مدارس کے علماء، دفاتر کے حکام، سرکاری ملازمین، عام خلقت ورعایا، مال کے حصول میں لگے ہوئے ہیں، خواہ وہ حیلے بہانے سے ہو، خواہ اصرار سے، خواہ ترکِ حیا سے ہو، خواہ غیر واقع حاجت نمائی سے ان کو اس کے حلال وحرام کی کوئی فکر نہیں۔ عاقبت کی باز پرس سے غافل

ہیں۔ دولت حاصل کرنے میں پوری طرح ہشیار و چالاک، دین وملت سے بے پروا، برطانیہ کے معززین کی تقریبات میں شوق سے شرکت کرنا، عورتوں مردوں کا اختلاط، محض اسلام کے نام پر قناعت، حکام کی سیرت کی نقالی وغیرہ وغیرہ مما لا یلائم ملة الاسلام ان کا شعار ہو چکا ہے۔ سوائے اس کے جسے اللہ نے محفوظ رکھا۔

ان کا ظاہری حال اس بات کا شاہد ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دین کا نام اور لفظ بھی ان کے لیے ننگ و عار کا باعث ہوگا، اور وہ اسلام کی غلامی کا پٹہ یک دم اپنی گردن سے اتار پھینکیں گے۔ یہ لمبی لمبی چار دیواریاں، یہ مکانات کی آرائش، یہ زمین کی تحسین اور زمانے کی رنگا رنگی اور دیگر نشانیاں قیامت کے آثار وعلامات ہی کہی جاسکتی ہیں، کیوں کہ یہ تمام لوگوں اور بڑے آدمیوں کا مقصد حیات اور ہر چھوٹے بڑے انسان کی ضروریات بن گئی ہیں۔ ہاں

ہمہ اندر زمن بتو این است!
کہ تو طفلی وخانہ رنگین است!

بنارس

جب کلکتہ سے واپسی سفر میں شہر بنارس پر گزر ہوا تو اس بنا پر کہ یہ شہر بت پرستوں کی قدیم عبادت گاہوں کا شہر ہے۔ یہاں بڑے بڑے عجائب دیکھنے میں آئے، ان سب میں سے ایک یہ ہے کہ ہم ایک دن شہر کی جامع مسجد دیکھنے کو سوار ہوئے۔ یہ مسجد اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ایک بت خانے کو توڑ کر تعمیر کی گئی تھی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ صحن مسجد کبوتروں اور دیگر پرندوں کی بیٹوں سے اس طرح بھرا ہوا ہے جیسے انگریزی پولیس کے بم پڑے ہوں۔ محراب مسجد کے قریب جہاں امام کے کھڑا ہونے کی جگہ ہے ایک پتھر پر یہ عبارت لکھ کر آرائش کر رکھی ہے:

”در سلطنت شاہ عالم بادشاہ بامدادِ امیر الملک عماد الدولہ گورنر جنرل مسٹر ہشتن صاحب بہادر جلادت جنگ سنہ یک ہزار و یک صد و نود و ہشت (۱۱۹۸) ہجری نصیر الدولہ علی ابراہیم خاں بہادر حاکم شہر بنارس ترمیم نمود۔“

سبحان اللہ! اس سے پہلے ایسی مقدس جگہوں اور عبادت کے مقامات پر آیاتِ قرآنی واحادیث ربانی لکھی جاتی تھیں۔ اب ان کی جگہ مسٹر ہشتن صاحب بہادر اور اس قسم کی عبارتیں مسجدوں کے طاقوں پر سجائی جارہی ہیں، تاکہ نمازیوں کے قیام وسجود کے قریب قبلہ کی بجائے یہ چیزیں سامنے رہیں۔

" فَلْيَبْكِ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاكِيًا. "

(جس کو رونا ہے وہ اسلام پہ رو لے۔)

کانپور

بنارس کے بعد کانپور میں آئے یہاں بھی مسجد جدید جامع اور مدرسہ فیض عام انجمن اسلام کو دیکھا۔ شہر کے بعض دوستوں سے ملاقات کی۔ یہاں کے لوگ معزز تجارت پیشہ ہیں۔ جو دوسرے مقامات کی نسبت غنیمت ہیں کہ حفظ اسلام کی ہمت رکھتے ہیں، اور تھوڑا بہت دینیات سے اکتساب کرتے ہیں۔ یہاں اپنی پسند کے مطابق کتابیں نہ مل سکیں۔ اگرچہ مطبع نظامی سے عربی، فارسی کی کتابیں مدرسۃ العلوم ریاست بھوپال کے لیے کافی مقدار میں حاصل کیں۔ سنن دارمی کے اوراق بھی ملاحظہ کیے جو رئیسہ معظمہ دام اقبالہا کی اعانت سے طبع ہو رہی ہے۔

سنن نسائی جو صنعاء کے نسخہ کے مطابق ہے اور بہت صحیح ہے اس کی طباعت کی بھی اجازت دی گئی۔ وہاں سے روانہ ہو کر جبل پور پہنچے یہاں کوئی قابل ذکر مدرسہ اور کوئی نامور عالم موجود نہیں ہے۔ دو تین دن شہر کی سیر کی اور پھر گیارہ محرم ۱۲۹۳ھ (مارچ ۱۸۷۶ء۔ مترجم) کو بھوپال کے لیے رخت سفر باندھا۔ اور (یہاں پہنچ کر) سفر کی تکالیف سے نجات پائی۔ یہ تمام مسافرت دو ماہ چار دن کی تھی جو ریل پر تمام ہوئی۔

بھوپال کی ثقافتی حیثیت

الحمدللہ تعالیٰ کہ آج بھوپال ملک ہندوستان میں خطہ اسلام ہے اور اہل ایمان کا مسکن اور اہل توحید کا مامن ہے۔ یہاں دین وملت کے اتنے شعائر، مساجد ومدارس کی اتنی عمارتیں، مذاکرۂ علوم شرعیہ اور اشاعت سنن نبویہ کا ایسا سلسلہ، اہل اسلام کی وضع وہیئت کا ایسا نمونہ ہے جو کسی دوسری جگہ موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شہر کو اور اس کے باشندوں کو تمام آفات سے بچائے رکھے، اور تمام برے انجاموں اور مصائب سے محفوظ فرمائے۔ اس شہر پر صفا میں اتنی دینی کتابیں، شرع مبین کے اتنے صحائف، اسلامی علوم کے اتنے دیوان اور علوم شرعیہ ونبویہ کے اتنے ذخیرے موجود ہیں کہ ہندوستان بھر کے دوسرے شہروں میں سے کسی ایک میں شاید ہی موجود ہوں۔ حالاں کہ وہاں بھی اہل علم اور اہل ثروت لوگ موجود ہوں گے۔ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ۔

اور یہ تمام برکات اس مملکت کی والیہ عالیہ کی ہمت کا نتیجہ ہیں۔

بَارَکَ اللّٰہُ فِیۡھَا وَلَھَا وَعَلَیۡھَا ۔

اور جیسا کہ حاکم اسلام کا وجود باجود رعایا کے درمیان یوں ہے جیسے جسم کے اندر دل ہوتا ہے۔ جب دل صحیح ہو تو تمام جسم صحیح ہوتا ہے اور دل خراب ہو تو تمام جسم بھی خراب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رئیسہ کریمہ کی توفیق خیر میں بلندی عطا فرمائے۔ اور اس کی باقیاتِ صالحات کو عمر طویل مرحمت فرمائے۔ نیز مساجد و مدارس اور علمائے مملکت پر اپنی عنایات نازل فرمائے۔ اللھم آمین

نایاب کتابوں کے بارے میں حفاظت اور احتیاط کی تلقین

وہ تمام کتابیں جن کی فہرست آگے دی جا رہی ہے ہمیں بحمدہ تعالیٰ طلبائے علوم دینیہ اور علمائے متبعین کو عاریۃ دینے میں کوئی بخل نہیں ہے، مگر اس طرح کسی شخص کے کوئی کتاب دوسرے علاقے میں لے جانے سے اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔ جیسا کہ کتاب لے جا کر واپس نہ دینے والے بہت زیادہ ہیں جب کہ واپس کرنے والے بہت کم ہیں۔ ناچار احتیاط کا تقاضا ہے کہ یہ لین دین کا سلسلہ سوائے اپنے اقرباء اور شہر والوں کے بیرونی شہروں کے لوگوں کے ساتھ نہ رکھا جائے تاکہ دور دراز کے سفر رونما نہ ہوں اور خیانت کرنے والوں کی دستبرد واقع نہ ہو۔ اور یہ مخصوص طریقہ ائمہ متقدمین کی تالیفات کے لیے ہے جو کہ اس پر آشوب دور میں نایاب ہیں، ورنہ میری اپنی تالیفات جو اکثر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور رسول اللہ ﷺ کی برکت سے طبع ہو کر عرب و عجم میں پہنچ گئی ہیں۔ اور مفت تقسیم کی گئی ہیں۔ ان تقسیم شدہ کتب و رسائل کی تعداد جو اہل علم اور طالبانِ حق کو دی گئیں۔ تاریخ حال تک پانچ ہزار نسخہ تک پہنچتی ہے۔ وللہ الحمد

تدریس و تالیف کا جو شغل ہے اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ اس سے ہمارا مقصود سوائے احکام سنت کے احیاء، بدعت و فتن کی تردید، احکامِ اسلام جو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہیں۔ اور ان میں لوگوں کی رائے اور قیل و قال کو دخل نہیں۔ ان کی اشاعت کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ جیسے کہ تقلید کی بدعت اور دین میں دوسری نئی باتیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ تمام عالم میں چھائی ہوئی ہیں۔ مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک تمام جہان میں عام ہو چکی ہیں۔ ہزار میں سے کوئی ایک یا بہت زیادہ لوگوں میں سے بہت کم لوگ آپ پائیں گے جو سنت مطہرہ کی دریافت میں توجہ کرے گا اور خطاء و صواب کا حساب لے گا۔

کوئی شاہباز چاہیے جو اس وقت سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ وہ کسی طعنہ سے

نہ ڈرے اور علمائے سوء کے فریب میں نہ آئے۔غرضیکہ اس جمع وتفریق سے مراد اس ذمہ داری اور اُس جواب دہی سے براءت ہے جو قیامت کے دن ہوگی۔نیز اپنے بعد آنے والوں کی تعلیم واصلاح مقصود ہے نہ کہ علم وفضل کا اظہار اور جاہ وثروت کا حصول اور لوگوں کے مذہب کی حمایت اور فن قیل وقال کا تعصب اور اسی قسم کی دیگر خواہشات جو کہ اکثر علمائے وقت کا مقصود ہے۔سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔جیسے دوسرے لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ انہیں جاہ وریاست اور ناموری حاصل ہو مگر باوجود کوشش کے انہیں یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا۔اس بندۂ حقیر خادمِ کتاب وسنت کو اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم اور لطف عمیم سے یہ چیزیں حاصل ہیں۔اور میرے حوصلے سے زیادہ مجھ پر اس کی عطائیں ہیں۔مگر دل میں لوگوں کی طرح ایسی ہوس ہرگز نہیں ہے اور اس کے ساتھ ریاکاری، خوشامد، جھگڑا یا بحث میری فطرت میں شامل نہیں ہے۔

یہ زمانہ جو کہ قیامت عظمٰی اور ساعت کبریٰ کے بالکل قریب ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام ختم ہو چکا ہے۔اور یہ دور عہد فترت اور عصر جاہلیت اولیٰ کے ساتھ جاملا ہے۔کسی ایک شخص کو بھی عرب وعجم بھر میں اس سلسلے میں کچھ کہنے کی ہمت باقی نہیں رہی۔سوائے اس کے کہ ہاتھ سے تو کسی برائی کو دور کرنے کا یارا نہیں فقط زبان ہی سے یہ فرض ادا کیا جائے۔اور تالیف کے پیرائے میں دور ونزدیک کے علاقوں کے لوگوں کو شرع کی تبلیغ کی جائے اور ہاتھ کی اطاعت (خدمت) اس کے سوا کوئی اور نہیں۔لہٰذا شرع وعقل کی مصلحت تالیف ہی میں ہے ممکن ہے کہ کسی وقت کسی صاحب دل خدا پرست کی نظر ان تالیفات پر پڑے، اور وہ مقدور بھر اس سے فائدہ حاصل کرلے۔

حدیث شریف میں ہے جس کسی نے تم میں سے کوئی برائی دیکھی تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے دور کردے، اگر نہ کر سکے تو زبان سے (اس کی ممانعت کرے) اس سے یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل سے (برا جانے) اور یہ ایمان کی کمزور ترین حالت ہے۔

ظاہر ہے کہ ہاتھ سے برائی دور کرنا سوائے حکومت کے ممکن نہیں اور اہل علم کا کام اس برائی کو زبان سے دور کرنا ہے۔اور ہر مسلمان کا کام دل سے اسے برا جاننا ہے۔ان تینوں اقسام امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے ہر ایک مسلمان کا ہٹ جانا اس کے ایمان کے فقدان کی دلیل ہے۔نعوذ باللہ منہ

الحمدللہ کہ اس ناتواں کو ان تینوں اقسام پر قدرت عطا کی گئی ہے یعنی یہ علاقہ کہ میرا مسکن ہے اور یہاں کے امور واحکام ظاہر بینوں کی نظر میں مجھے تفویض کیے گئے ہیں۔اور (وہ سمجھتے ہیں) کہ میں خود

ان کی درستی کے لیے کسی سختی کا خواہاں نہیں ہوں۔ درباری معاملات کے واقف لوگ جانتے ہیں کہ اس ریاست کی رعایا اور عوام کے عمل کی صورت اس سے پہلے کیسی تھی۔ اور اب کیسی ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق پڑ گیا ہے۔ دور دراز کے شہریوں کے لیے کتابوں کی تالیف و اشاعت سے تغییر منکر کا فرض ادا کر رہا ہوں۔ لوگوں کے طور طریق اور حکام وقت کے خلافِ اسلام احکام کے اجرا سے دل میں زبردست غم وغصہ پیدا ہوتا ہے۔ اور میں ہرگز کفر وفسق اور عوام کی بدعات سے راضی نہیں ہوں بلکہ دل سخت اضطراب میں رہتا ہے۔

غم مہجوریٔ سنت کشم تا چند اے زائر
ز آہم آتشے در دفتر اغیار بایستے

الحمدللہ کہ باوجود علم ودولت کے سرمایہ کے ہم کو اپنے معاصرین سے کوئی کد نہیں ہے۔ ان میں سے ہم نے کبھی کسی کا تعاقب نہیں کیا اگرچہ اس کے تمام وسائل بھی موجود ہیں۔ نیز ہمیں ان لوگوں کی تالیفات کو دیکھنے کی بھی فرصت نہیں جو کتاب وسنت کے علوم سے بے علم اور جاہل ہیں۔ مگر اپنے آپ کو فرید دہر اور وحید عصر سمجھے بیٹھے ہیں۔ جن کے قول وفعل میں کوئی مطابقت نہیں۔ ان کی تمام تر مساعی اسی امر پر مرکوز ہیں کہ عوام الناس اور امراء میں جاہ ومنصب حاصل کیا جائے، اپنے ہم عصروں پر برتری حاصل کی جائے اور سنت خیر الانام کی بنیادوں کو ڈھا دیا جائے۔ مگر الحمدللہ ہمیں ایسی کوئی خواہش نہیں

آمد اندیشۂ دنیا بطلب گاریٔ دل
گفتم آں شیفتۂ بے سروپا حاضر نیست

اللہ کا شکر ہے کہ یہ بندۂ عاجز اپنے احوال کے غلبہ سے اس قسم کی تہمت وشرمنا کی سے مبرا ہے۔ اور اس طائفہ میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی مخاطب نہیں ہوتا۔ مگر ایسا شخص جو اپنی کج طبعی کے تقاضوں کے پیش نظر اپنی کتابوں میں سے کسی ایک کے ذریعے اپنا مقصد حاصل نہ کر سکا ہو وہ الجھ پڑتا ہے۔ اور اہل بدعت کے انداز میں اہل سنت سے لڑتا جھگڑتا ہے۔ اس کے باوجود اس کی طرف بھی ہم توجہ نہیں کرتے اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی دشمنوں کی ذرا سی تحریک پر اپنے مقام سے ہٹ جانا اور جاہلوں کی بات سے پریشان ہونا اور انتقام لینے پر آمادہ ہو جانا علماء آخرت کا خاصہ نہیں ہے۔

چیں بر جبیں ز جنبش ہر خس نمی زنند
دریا دلاں جو موجِ گہر آرمیدہ اند

" اَشَدُّ النَّاسِ بَلَآءً الْاَنْبِيَآءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ . ❶

سلف صالحین کو بھی عموماً ایسے لوگوں سے نجات حاصل نہیں رہی۔ پس ان صالحین کے اخلاف کے لیے بھی اس پر طمع کی آنکھ جمانا ایک فضول کام سے زیادہ نہیں۔ اپنی بڑائی کے لیے لڑائی جھگڑے کا طریقہ اور نام نہاد مناظرہ دین کو خراب کرنے والوں کا شیوہ ہے۔ علمائے راسخین کا نہیں۔ کسی بات کے برحق ظاہر ہو جانے کے بعد بھی اپنی بات پر بلا وجہ اڑے رہنا حق گزینی اور آخرت بینی کے خلاف ہے۔ معلوم نہیں کہ ان رنگا رنگ کتابوں سے جو علم توحید وفقہ واصول وتفسیر وحدیث وغیرہ کے سلسلے میں لکھی گئی ہیں اور عرب وعجم کے علاقوں میں اللہ کی توفیق ونصرت سے قبول کی گئی ہیں۔ کسی ایک عالم دین نے بھی اختلاف کیا ہو اور عوام کالانعام جو لوگوں کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر بعض مسائل مثلاً استواء وغیرہ میں مذہب سلف کی بجائے مذہب خلف پر تعصب اور اپنی لمبی چوڑی دلیلوں سے اپنا چہرہ اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کر لیا ہے۔ تو ان جیسوں کا جواب دانش مند لوگوں کے ذمہ نہیں ہے۔ لَوْ ذَاتُ سِوَارٍ لَطَمَتْنِيْ

خدا پرستانِ حق آگاہ کی ایک جماعت نے اس عاجز کی تحریک واشارہ کے بغیر ان خرافات اور لغویات پر توجہ کی ہے۔ یہاں تک کہ جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچایا ہے۔

﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

''مومنین کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔''

ان مدعیانِ علم اور اس زمانے کے مؤلفین ومعاصرین کی اپنی کتابوں میں تدلیس وتحریف اور سرقہ بازی اس قدر موجود ہے کہ ضبط تحریر میں نہیں آسکتی۔ مگر نبض قلم کی پہچان رکھنے والے اور سخن کے مزاج شناس پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی۔

ما اہل حدیثیم دغا را نشناسیم!
صد شکر کہ در مذہبِ ما حیلہ وفن نیست

وَإِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى ثُمَّ إِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى .

اس کے بعد اپنی پسندیدہ کتب کی فہرست تحریر فرمائی ہے۔ (مترجم)

---

❶ [کنز العمال: ۳۲۵۳۔ ۳۲۵۵۔ ۶۷۸۳]

نوٹ

ہمارے کرم فرما مولانا ابویحییٰ امام خاں صاحب زادت الطافہ نے فرمائش کی ہے کہ نواب صدیق حسن صاحب، مولانا شاہ عین الحق صاحب اور مولانا نعمت علی صاحب کے جو کچھ حالات معلوم ہوں، خواہ براہِ راست ان کا علم ہو یا ثقہ رواۃ سے معلوم ہوئے ہوں، ان کو قلم بند کرو، ممدوح نے ایک چھوٹی سی کاپی بھی اپنے منتظم ہاتھوں سے بنا کر عنایت فرمائی ہے۔ مجھے بحیثیت فرقے کے ''اہل حدیث'' سے کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ سچ پوچھئے تو اب میں اس مقام پر کھڑا ہوں جہاں بحیثیت فرقہ کسی فرقے سے بھی دل چسپی نہیں رہتی، اب مجھے صرف اسلام سے دل چسپی ہے یا انسانیت سے۔

مولانا ابویحییٰ خاں صاحب نوشہروی محض اہل حدیث ہیں، کسی غیر اہل حدیث کی خوبی کے منکر بھی نہیں، نہ کسی اہل حدیث کے کسی عیب کو ہنر سمجھتے ہیں۔ اپنے مسلک میں بہت پختہ ہیں۔ اور یہ ایک قدرتی بات ہے کہ انھیں علمائے اہل حدیث سے خاص دلچسپی ہے۔

علمائے اہل حدیث کے نام سے ان کی ایک کتاب طبع ہو چکی ہے جن تین بزرگوں کے حالات قلم بند کرنے کی فرمائش کی ہے، وہ بھی اسی فطری جذبہ کے تحت ہے۔ مجھ سے یہ فرمائش خاص طور پر اس لیے کی کہ ان تینوں بزرگوں سے مجھے کچھ خاص تعلق ہے جو ان کے قلم بند کردہ حالات سے معلوم ہو سکے گا۔

یہ قلم بند کردہ حالات کوئی سوانح عمری نہیں محض چند جستہ جستہ واقعات ہیں، جن کو ایک خاص ترتیب دینے کا کمال مولانا امام خاں صاحب رحمہ اللہ کو ہمیشہ سے حاصل ہے۔ و باللہ التوفیق

محمد جعفر شاہ پھلواری

مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواری

حرفے از داستان

نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم

نواب صاحب دراصل ساداتِ قنوج سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کے والد ماجد (اولادِ حسن) شیعیت سے تائب ہو کر اہل سنت ہو گئے تھے، دادا (اولادِ علی) کی اولاد ہنوز اطراف حیدر آباد میں ہے۔ اور ان میں بکثرت شیعہ ہیں۔ نواب صاحب شیعیت سے بہت متنفر تھے۔ چناں چہ آپ کے وصایا میں ایک وصیت یہ بھی ہے کہ میری اولاد کا کوئی رشتہ شیعوں میں نہ ہو۔

آپ کی اولاد کا نقشہ یوں ہے:

نواب صاحب

نواب نورالحسن خاں صاحب — نواب علی حسن خاں صاحب — نواب صفیہ جہاں بیگم

ثانی الذکر یعنی سید علی حسن خاں صاحب کی اولاد کا نقشہ یہ ہے۔

نواب سید علی حسن خاں صاحب

نواب امیر حسن خاں، نواب شمس الحسن خاں، نواب انور حسن خاں، نواب صفیہ جہاں بیگم

اوّل الذکر یعنی نواب سید امیر حسن خاں میرے ہم زلف بھی ہیں اور سمدھی بھی ہیں، یعنی ان کے فرزند اکبر نواب سید افتخار حسن خاں سلمہ اللہ تعالیٰ کا میری منجھلی لڑکی کلثوم بیگم سے نکاح ہوا ہے، جس سے ایک لڑکی نگار فاطمہ اور ایک لڑکا طارق ہے، سلمہما اللہ تعالیٰ عن جمیع الآفات۔

نواب صفیہ جہاں بیگم (بنت سید نواب صدیق حسن خاں صاحب رحمہ اللہ) کی اولاد کا نقشہ یہ ہے:

صفیہ جہاں بیگم (زوجہ مولوی سید عبدالحی صاحب ممتاز الدولہ)

مجتبیٰ مقتدی

نواب مرتضیٰ خاں مرحوم، نواب مصطفیٰ خاں مرحوم، نواب مہندی خاں مرحوم، نواب اشرف جہاں بیگم

مؤخر الذکر یعنی نواب سیدہ اشرف جہاں بیگم سب سے بڑی اولاد ہیں ان کی شادی سید عبدالرحمٰن صاحب سے ہوئی۔ جو خواہر سید احمد مرحوم شہید بریلوی کے چشم و چراغ (ڈاکٹر سید عبدالعلی کے عم زاد بھائی) ہیں، ان کی انیس اولاد میں سے اب تین ہیں۔

① سلیم، ② شمیم، ③ گوہر جہاں بیگم

مؤخر الذکر یعنی سیدہ گوہر جہاں بیگم میری زوجہ ہیں، گویا وہ نواب سید صدیق حسن خاں صاحب کی پرنواسی اور سید احمد صاحب بریلوی کی خواہر زادی ہیں۔ سید صاحب کی براہِ راست اولاد کوئی نہیں۔

گردشِ ایام اور انقلاباتِ زمانہ کا کوئی زندہ نمونہ دیکھنا ہو تو میری خوشدامن سیدہ اشرف جہاں بیگم کو دیکھ لیجئے۔

نواب سید نور الحسن خاں صاحب (فرزند اکبر نواب صاحب رحمہ اللہ) کی بیگم صاحبہ نے مجھ سے بیان کیا کہ اشرف سلمہا کی تقریب شادی دیکھنے والوں کو کبھی بھول نہیں سکتی۔ میں (صفیہ جہاں بیگم) نے ان کو جو جہیز دیا تھا۔ اس میں تیئس سیر سونا اور چھتیس من چاندی کے برتن اور ظروف تھے۔ اور دس بڑے صندوقوں میں سوتو صرف وہ جوڑے تھے، جو کبھی کبھی تقریب میں یا عید بقرعید میں پہنے جا سکیں، دوسری چیزوں اور سامان کا اندازہ اسی سے کرلو، کئی گاؤں مسلم اور متعدد گاؤں میں حصے تھے۔

مشرقی پنجاب کے انقلاب میں یہ کپور تھلے میں میرے ساتھ تھیں، اور لاہور میں برابر ساتھ رہیں، اب اپنے لڑکوں کے ساتھ کراچی کے ایک تنگ و تاریک مکان میں مقیم ہیں۔

''انقلابات ہیں زمانے کے۔''

یہ ہیں نواب سید صدیق حسن خاں صاحب رحمہ اللہ مرحوم کی حقیقی نواسی جو والا جاہ کی رحلت کے وقت قریباً نو دس سال کی تھیں۔ نواب صاحب ہر دوسرے تیسرے دن اپنی بیٹی اور نواسی، نواسوں کو دیکھنے آیا کرتے تھے، اجازت لے کر داخل ہوتے۔ نواب صاحب اکثر سب بچوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے۔ بیٹی (نواب صفیہ جہاں بیگم) نواب صاحب کی وفات کے بعد پانچویں سال میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ نواب صاحب اپنی اولاد میں کسی کی اتنی دلداری نہ کرتے تھے جتنی ان کی کرتے۔

ہماری خوشدامن نواب صاحب کے متعلق بہت سے واقعات بیان کرتی ہیں۔

نواب صاحب کی اپنی اور اپنی بہوں کی اولاد میں ہر ایک کا وظیفہ یوم پیدائش سے مقرر ہو جایا کرتا تھا۔ ہر ایک کے سن شعور کو پہنچنے تک وہ رقم جمع ہوتی رہتی تھی۔ ہر ایک کا حساب کتاب باقاعدہ کاغذات پر رہتا تھا۔ اور ہر سال ہر ایک کی رقم میں سے پابندی سے زکوٰۃ نکالی جاتی تھی، ہر ایک کی تھیلی اور حساب کتاب کا کاغذ الگ الگ رہتا تھا، اور سب رقم بڑے بڑے مقفل صندوقوں میں بند رہتی تھی، نواب صاحب کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ مال پر زکوٰۃ واجب ہونے کے قائل تھے نہ کہ اشخاص پر ورنہ نابالغوں کے نہ نکالتے، ہر فرد کے لیے ساٹھ روپے ماہانہ یوم پیدائش سے ملتا تھا۔ ہماری

خوشدامن کو ایک سو ساٹھ روپے ماہانہ ملتے تھے، ان کی بڑی بہن کا وظیفہ بھی بعد وفات ان ہی کے نام جاری رہا۔ چناں چہ ہماری خوشدامن کا گاؤں سمگرہ اسی وظیفہ کی جمع شدہ رقم سے خریدا گیا تھا۔

نواب سید مہدی خاں عرف ابن میاں مرحوم نواب صفیہ جہاں بیگم کی سب سے چھوٹی اولاد ہیں۔

نواب صاحب جب کبھی گاؤں کا دورہ کرتے تو مونا پالکی پر کرتے تھے اور پالکی میں قلم دوات اور کاغذ اور کتابیں اپنے ساتھ رکھتے تھے، حتی الامکان وقت ضائع نہ ہونے دیتے تھے، دورانِ سفر بھی مطالعہ کتب کرتے اور ضروری مضامین نوٹ کرتے رہتے، اولاد کی تربیت کے لیے جہاں تعلیم کا انتظام تھا وہاں شہ سواری سکھانے کے لیے بھی معلم رکھتے تھے اس حدیث کے موافق جس میں بچوں کو تیراکی، شہسواری، اور تیر اندازی سکھانے کا حکم دیا گیا ہے۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے جانشین مولانا قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلی نے بیان کیا، کہ نواب صاحب کی علم دوستی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی، سے ساری عمر نواب صاحب رحمہ اللہ کا قلمی مناظرہ ہوتا رہا، لیکن جب مولانا کی رحلت کی خبر ملی تو نواب صاحب کہنے لگے کہ

"آج سے ہمارا علم مردہ ہوگیا۔"

اسی وقت تمام دفاتر کو بند کرنے کا حکم جاری کردیا اور تعزیت کے لیے خود فرنگی محل تشریف لائے۔

نواب صاحب کے پاس ساز وسامان کی کیا کمی ہوسکتی تھی، لیکن بعض اوقات وہ اپنے ہاتھ سے پیوند لگا کر کپڑا پہن لیا کرتے تھے۔ بلکہ جوتے بھی اپنے ہاتھوں سے گانٹھ لیا کرتے تھے۔ بیگم صاحبہ (نواب شاہ جہاں بیگم والی بھوپال) ان کاموں پر ٹوکتیں، تو نواب صاحب بڑی متانت سے فرماتے کہ

"سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ادا کرنے پر خوش ہونا چاہیے نہ کہ ناراض۔"

نواب صاحب رحمہ اللہ کے چینی کے پیالے اور پلیٹیں میری بیوی کو بھی میری خوشدامن نے جہیز میں دی ہیں۔ جن میں سے بہت سے برتن ٹوٹ گئے۔ بہت سے چھوٹ گئے، یہ برتن نہایت خوبصورت ہیں۔ جن پر عمدہ سنہری کام ہے، اور وسط میں نواب صاحب کی سنہری مہر ہے۔ یہ نقش ایسا پختہ ہے کہ دھونے یا مانجھنے سے نہیں چھوٹتا، ایک چھوٹی تشتری مولانا ابویحییٰ امام خاں صاحب کو بھی بطورِ ہدیہ میں نے دی تھی، جسے ان کے ہاں سے ایک شفقت مآب اڑا لے گئے۔ اب میرے پاس بھی شاید ہی چندرہ گئے ہوں۔

نواب صاحب صرف عالم نہ تھے، بلکہ حکمران بھی تھے۔ اس لیے فوجی بینڈ باجے کو جائز سمجھتے تھے۔ آپ کی قبر بھوپال میں ہے اور کمر تک اونچی کر کے محفوظ کر دی گئی ہے۔ کوئی عمارت یا چھت گیری وغیرہ نہیں۔

نواب صاحب اپنی زندگی کے آخری دور میں تمام سامان، روپیہ، جائیداد وغیرہ اپنے ورثاء کے نام کر گئے تھے۔ اس میں ایک حصہ نواب شاہ جہاں بیگم کے نام بھی تھا۔ ایک صندوق سونے کی اینٹوں کا بھی تھا۔ (ایک اینٹ چالیس تولے کی) اس کے متعلق اپنے بڑے بیٹے نواب نور الحسن خاں کو وصیت کر گئے تھے کہ اسے نہ ہاتھ لگانا، یہ تمہاری سرکار اماں کا ہے، چناں چہ یہ صندوق مہینوں پڑا رہا، اور نواب شاہ جہاں بیگم نے اسے لینا پسند نہ کیا۔ آخر کار انھوں نے کہا کہ

"میں یہ لے کر اب تم لوگوں کو دیتی ہوں۔"

اس میں سے اٹھارہ اینٹیں ہماری خوشدامن کے حصہ میں بھی آئی تھیں (اس وقت سونا پچیس روپے تولہ تھا) یہ چھٹا حصہ تھا۔ اس سونے کا جو نواب صفیہ جہاں بیگم کے حصہ میں آیا تھا۔ اور گویا بھائیوں کو اس کا دگنا دگنا ملا تھا۔

نواب صاحب اکثر نور محل کی مسجد میں جمعہ ادا کرتے تھے۔ کبھی کبھی خود بھی پڑھایا کرتے تھے۔ تمام بچے بھی ساتھ ہوتے تھے، ہماری خوشدامن بھی کبھی کبھی ساتھ ہوتی تھیں۔ ہماری خوشدامن کہتی ہیں کہ سب لوگ زور سے آمین کہتے تھے۔

نواب سکندر جہاں بیگم والدہ نواب شاہ جہاں بیگم حج سے واپسی میں قنوج آئی تھیں۔ یہیں نواب صاحب کے نکاح کی بنیاد پڑی۔ اس وقت نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ میر دبیر کے عہدے پر فائز تھے، نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فریضہ حج قبل از نکاح ہی ادا کر چکے تھے۔

نواب سکندر جہاں بیگم نے نواب شاہ جہاں بیگم کی پہلی شادی امراؤ دلہا سے کی تھی۔ یہ فوج کے افسر اعلیٰ تھے۔ شادی سے آٹھ نو سال بعد انتقال کر گئے، پھر نواب سکندر جہاں بیگم کا انتقال ہوا، انھوں نے بیٹی سے کہا کہ اب تم ہی وارثہ تخت وتاج ہو، تم نے ایک شادی میری پسند سے کی تھی، اب دوسری اپنی پسند سے کر لینا۔ نواب صاحب کی بیوی نواب زکیہ بیگم (یعنی ہماری خوشدامن کی نانی) زندہ تھیں۔ اور بھوپال ہی میں رہتی تھیں۔

نواب صاحب جب کاغذات وغیرہ لے کر نواب شاہ جہاں بیگم کی خدمت میں جاتے تو ہمیشہ

اپنی نظریں نیچی رکھتے۔ آپ کے تقویٰ کا اثر یہ ہوا کہ ایک سوت کی موجودگی ہی میں نواب شاہ جہاں بیگم نے پیامِ نکاح دے دیا۔

نواب صاحب کو نواب سکندر جہاں بیگم نے جو جاگیر دی تھی وہ بہت کافی تھی۔ شاہ جہاں بیگم سے عقد ہونے کے بعد اپنی بڑی بیگم (زکیہ جہاں بیگم) سے تعلقات میں سرمو فرق پیدا نہیں کیا، اپنی جاگیر سے پانچ سو روپیہ ماہانہ ان کو دیتے تھے، اور پانچ سو روپیہ ماہانہ ہی شاہ جہاں بیگم کو دیتے تھے، عقد ثانی کے وقت نواب نور الحسن خاں صاحب کی عمر پانچ سال کی تھی، اور نواب زکیہ جہاں بیگم کے انتقال کے وقت میری خوشدامن کی عمر چار سال کی تھی۔

نور میاں اور علی میاں کی شادی ایک ساتھ ہوئی تھی، بڑی بیگم نے چھوٹی بیگم کو دعوتِ شرکت نہیں دی۔ نواب صاحب رحمہ اللہ نے چھوٹی سے پوچھا کہ آپ شادی میں نہیں گئیں؟

انھوں نے کہا مجھے بڑی بیگم نے بلایا ہی نہیں، کہنے لگے واہ! وہ تو آپ ہی کا گھر ہے، آپ کو کون روک سکتا ہے، آپ جایئے!

نواب شاہ جہاں بیگم (چھوٹی بیگم) بڑے دل گردے کی تھیں، انھوں نے اپنی تمام سوتیلی اولاد کو حقیقی اولاد کی طرح رکھا، زکیہ جہاں بیگم کے بعد نور الحسن خاں صاحب کو اپنا فرزند بنا لیا، اور نواب صاحب کے انتقال کے بعد سب کے وظیفے دو گنے کر دیے۔

نواب صاحب جب زیادہ بیمار پڑے تو آپ کی صاحبزادی نواب صفیہ جہاں بیگم نے ایک معتمد کالے خاں کو کچھ تحفے دے کر حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کی خدمت میں دعائے صحت کے لیے بھیجا، حضرت مولانا نے براہِ راست نواب صاحب کو ایک خط بھیجا، جس میں لکھا تھا کہ آپ ہرگز نہ گھبرائیں، آپ کے لیے قطعی جنت ہے۔ یہ خط نواب صاحب کو دکھایا نہیں گیا۔ نواب نور الحسن خاں صاحب نے اس خط کو پڑھا تو بجائے افسردہ ہونے کے ہنسے۔ کیوں کہ اس خط میں گویا نواب صاحب کے انجام بالخیر ہونے کی بشارت تھی۔ نواب نور الحسن خاں صاحب اور نواب علی حسن خاں صاحب دونوں حضرت مولانا کے مرید ہو گئے تھے۔ اوّل الذکر پر فقر بہت غالب تھا......!

(منقول از ہفت روزہ "الاعتصام" ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۵۰ء)

❀❀............❀❀............❀❀

از مولانا ذوالفقار احمد بھوپالی (ف ۱۹۲۱ء)

تنبیہ

اقتباس از کتاب ''قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب''

بالفعل خاکسار عفا اللہ عنہ نے ایک کتاب دیکھی جس کا نام ''اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع'' ہے، ادور دبن کرنیلیوس فندیک (ایڈورڈ کانیلس فندیک۔ ناقل) کی تالیف ہے۔ مطبع تالیف ہلال واقع مصر قاہرہ میں مطبوع ہوئی ہے۔ اُس میں کتب علوم اور ان کے مصنفین کا ذکر ہے۔ بغایت نفیس کتاب ہے۔ گویا ایک جام جہاں نما ہے۔ مصنف نے قابل داد کام کیا ہے۔ اُس میں شیخنا المرحوم (نواب سید صدیق حسن خاں رحمہ اللہ۔ ناقل) کی کتب کا بھی ذکر ہے۔ صفحہ ۴۹۷ میں یوں لکھا ہے: (اس کے بعد طویل اقتباس عربی زبان میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

''ملکہ بھوپال سے تزوج کے باعث مال ودولت میں (نواب صدیق حسنؒ) غنی ہو گئے۔ اس کے بل بوتے پر بڑی بڑی کتابیں جمع کر کے کتب خانہ بنالیا۔ اور علماء سے کتابیں تالیف کروا کے اپنے نام سے طبع کروالیں۔''

وضاحت:

صاحب اکتفاء القنوع نے جو شیخنا المرحوم کا یہ ترجمہ لکھا ہے سو اُس بنا پر ہے جس کی اُن کو خبر پہنچی اور خبر صدق وکذب دونوں کی محتمل ہوتی ہے۔ چوں کہ یہ ایک تاریخی بحث ہے اس لیے ضرور ہوا کہ جو بات واقعی ہے اُس کو واضح وراست گزارش کروں۔ ان کی تحریر میں کئی امور ہیں۔

اوّل امر:

یہ ہے کہ اصل اُن کی عوام الناس سے ہے۔ حالاں کہ یہ امر واقعی نہیں ہے بلکہ اصل اُن کی اخص الخواص میں سے ہے اس لیے کہ شیخنا المرحوم کا نسب طاہر بواسطہ حضرت قطب العالم مخدوم جہانیاں رحمہ اللہ کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اور آپ کا خاندان ساداتِ بخارا ہندوستان وغیرہ ممالک میں ایک معزز خاندان ہے۔ یہ تو نسب ہوا، اور باعتبار جاہِ دنیوی آپ کے جد امجد سید اولاد علی خاں المخاطب بہ انور جنگ ریاست حیدر آباد دکن میں بجا گیر بیش قرار ومنصب معتبر ممتاز تھے۔ آپ کے

والد مولانا سید اولاد حسن صاحب قنوجی رحمہ اللہ نے باوجود طلب والی حیدر آباد کے اپنے والد کا منصب ومال ومتاع کثیر ترک کیا۔ اور اپنے وطن میں جادۂ زہد وتقویٰ پر مستقیم رہے۔ اپنے شہر میں بکمال زہد وقناعت عمر بسر کی۔ سارا شہر آپ کا معتقد تھا۔ باعتبار تقویٰ وتدین کے سب کے سردار تھے۔ اس کی پوری تفصیل اور بھوپال میں آنے کا حال اور روزگار وترقی مناصب کی کیفیت خود شیخنا المرحوم نے اپنی بعض تصانیف میں خوب تحریر فرمائی ہے۔

دوسرا امر:

یہ ہے کہ جب غنا حاصل ہوئی تو علماء کو جمع کیا اور ان کو بھیجا۔ پھر ہر طرف سے قلمی کتابیں خریدیں اور ایک بڑا کتب خانہ جمع کیا اور اپنے پاس رہنے والے علماء کو تالیف کی تکلیف دی۔ پھر ان کی تصانیف لے کر اپنی طرف منسوب کرلیں۔ یہ امر بھی غیر واقع ہے۔ کیوں کہ ان کے غنا سے پہلے چند علمائے معمر یہاں ایک مدت سے موجود تھے۔ اور اپنی اپنی خدمتوں پر مقرر تھے۔ جن کو نہ تالیف وتصنیف کا شوق تھا اور نہ چنداں فارسی وعربی لکھنے کی عادت تھی۔ ہاں بفرطِ شوق نفائس کتب زرِ خطیر صرف کر کے یمن وغیرہ سے طلب کیں۔ اور ان سے (علمی) نفع لیا۔ اور اطراف وجوانب سے لوگوں نے کتابیں بھیجیں۔ زمانہ غنا میں دو چار اہل علم بتلاشِ روزگار یہاں آئے۔ حسب لیاقت ان کو جگہ ملی۔ ان میں سے بعض نے معاصرین کے اعتراضوں کے جواب بھی لکھے۔ لیکن شیخنا المرحوم نے ہرگز ان کو تکلیف نہیں دی کہ اپنی کتابیں ان سے تالیف کرا کے اپنی طرف منسوب کریں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو سرعت تحریر عطا فرمائی تھی، وہ شاید اس وقت میں کسی کی ہو، عربی وفارسی خوش محاورہ قلم برداشتہ بلا تکلف لکھتے تھے۔ ان کا مسودہ مثل مبیضہ ہوتا تھا۔ اللہ پاک نے ان کے وقت میں بہت برکت رکھی تھی۔ ذرا سے وقت میں کام بہت ہو جاتا تھا۔ بالالتزام تالیف کا وقت صبح کی نماز کے بعد سے نو بجے تک تھا۔ اور اگر دنیاوی کاروبار سے فرصت پائی تو اور اوقات میں بھی لکھتے تھے، ورنہ خیر!

تیسرا امر:

یہ ہے کہ ایسی قدیم کتابیں اختیار کرتے تھے جن کے ایک نسخے کے سوا اور نسخے نہیں ہوتے تھے۔ اور ان کا عنوان متغیر کرتے اور ان کے نام بدل کر اور نام رکھتے۔ اور اوّل صفحہ پر اپنا نام مع القابِ فخر کے لکھتے یہ امر بھی خلافِ واقع ہے۔ اس لیے کہ ان کی تالیفات کئی قسم کی ہیں جن کی تفصیل

①......ایک قسم تو یہ ہے کہ کسی کتاب کی شرح لکھی، جیسے عون الباری شرح تجرید بخاری، سراج وہاج شرح تلخیص مسلم وانتقاد رجیح شرح اعتقاد صحیح وبغیۃ الرائد شرح عقائد، یہ سب کتابیں شروح حدیث وغیرہ سے تلخیص کر کے لکھی ہیں۔ جس طرح کہ علمائے متقدمین ومتاخرین کا طریقہ ہے۔ جس کتاب سے نقل کیا اس کا نام لکھ دیا۔

②......دوسری قسم یہ ہے کہ کسی متقدم کی کتاب کی تلخیص کی ہے۔ جیسے حصول المامول ارشاد الفحول کی تلخیص ہے۔ اور مثیر ساکن الغرام الی روضات دارالسلام حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب حادی الارواح کی تلخیص ہے۔ اور فتح البیان تفسیر فتح القدیر امام شوکانی رحمہ اللہ کی تلخیص ہے۔ لیکن یہ محض تلخیص نہیں ہے بلکہ اور کتب تفاسیر سے اس میں بہت اضافہ کیا گیا ہے۔ گویا خود مستقل کتاب ہے۔ پس جس کتاب کی تلخیص کی۔ اس کتاب کا نام مع نام مصنف دیباچہ میں لکھ دیا ہے۔

③......تیسری قسم یہ ہے کہ کسی کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً عربی سے فارسی یا اردو میں۔ جیسے ترجمہ بلوغ المرام فارسی میں یا ترجمہ دررِ بہیہ اُردو میں جس کا نام فتح المغیث ہے۔ یہ کتب بہت ہیں۔ جس کا ترجمہ ہے اس کا نام مع مصنف دیباچہ میں لکھ دیا ہے۔ اس قسم کی تالیف ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے۔ میرے علم میں ایسا نہیں ہوا ہے کہ غیر کی کتاب کو نام بدل کر اپنی طرف منسوب کر لیا ہو، ان کی کتابیں اقسامِ مذکورہ سے خالی نہیں ہیں۔

اب رہا بعض معاصرین کا انتقاد سو یہ کچھ نئی بات نہیں ہے ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ کتب تاریخ وتراجم علماء میں اس کی تفصیل خوب لکھی ہے۔ معاصرت اصل منافرت ہوتی ہے۔ دیکھو حافظ ابن حجر وعینی وسیوطی وسخاوی وعلامہ ابن تیمیہ ابوحیان وغیرہم جن میں کیا کچھ ہو چکا ہے۔ خطا ونسیان وسہو وغلط لوازمِ بشری سے ہے۔ سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی معصوم نہیں ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

و من ذالذی ترضی سجایاہ کلھا
کفی المرء نبلاً ان تعد معائبہ

صاحب اکتفاء القنوع کو تو جیسے خبر پہنچی اس کے مطابق لکھا۔ بعض لوگ اور ہندوستان میں بھی اس قسم کا خیال رکھتے تھے۔ اس خیال کی بنا یا تو نادانی پر ہے یا حسد پر۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اپنا دیکھا بھالا جانا بوجھا لکھا ہے۔ شیخنا المرحوم کو خاکسار سے ایک مناسبت طبعی ایسی تھی کہ شاید ویسی کسی سے ہو۔

جب مدرسہ سلیمانیہ کا اہتمام اُن کے سپرد ہوا، اور میں بھی وہیں مدرس تھا تو اکثر ملاقات و یکجائی رہتی تھی۔ عجب لطف ومحبت سے پیش آتے تھے۔ ہر وقت ہنس کر کشادہ پیشانی سے ملتے بغایت حسن خلق کا برتاؤ رکھتے تھے۔ مسک الختام شرح بلوغ المرام کا مبیضہ مدرسے ہی میں کیا۔ یہ کتاب دو مجلد کلاں میں ہے۔ دو بار اپنے ہاتھ سے اس کو لکھا۔ جب میر منشی ہوئے پھر نائب دوم، پھر نواب بنے تو مجھے باجازت سرکار عالیہ دام اقبالہا اپنی خدمت میں بلا لیا۔ اس وقت سے لے کر اُن کی وفات تک اُن کی خدمت میں رہا۔ جس لطف سے پیش آتے تھے وہی لطف ہمیشہ رہا۔ خفا ہونا کیسا! کسی فکر میں ہوں جب ملیں تو مسکرا کر ملیں۔ ایسا خلق کسی کا دیکھا نہ سنا۔ شرح درر بہیہ مسمّٰی بہ روضہ ندیہ تالیف فرمائی۔ مسودہ خاص سے میں نے ایک نسخہ نقل کیا تاکہ طبع کے لیے لکھنؤ جائے۔ بعد ازاں آٹھ ماہ میں فتح القدیر سے فتح البیان ملخص فرمائی۔ پھر مدارک وخازن سے اس پر اضافہ کیا۔ پھر منظور ہوا کہ جمل (تفسیر، شرح، جلالین) وغیرہ سے کچھ اور زیادہ ہو چوں کہ اصل مسودہ میں اس کی گنجائش نہ تھی۔ اس لیے مجھے حکم دیا کہ مسودہ سے مبیضہ کروں۔ دو تین سال میں خاکسار نے اُس کا مبیضہ کیا۔ جس قدر اجزا تیار ہوتے خدمت شریف میں پیش کرتا تو آپ جمل سے اس پر اضافہ فرماتے تھے۔ جب چھپنا شروع ہوا تو اس کی کاپی کا مقابلہ میں اور وہ کرتے۔ وہ پڑھتے تھے اور میں سنتا تھا۔ اسی طرح ساری کتاب کا مقابلہ ہوا۔ پھر پے در پے کتب تالیف فرماتے رہے۔ سوائے چند کتب کے جو لکھنؤ یا قسطنطنیہ و مصر میں طبع ہوئیں۔ ساری تالیف کا مقابلہ میں نے اور انھوں نے کیا۔ وہ پڑھتے اور میں سنتا۔ اُن کی تالیفات عربی و فارسی و اُردو میں نے اُن کی زبان سے سنی ہیں۔ اور پھر دوسروں سے اس کا مقابلہ کیا ہے۔ اور تصحیح وغیرہ کی ہے۔ ان کے سارے مسودے میری نظر سے گزرے ہیں۔ اکثر تو تین بار اور بعض دو بار اور بعض ایک بار۔ منصف مزاج ایسے تھے کہ عبارت پڑھنے میں اگر کہیں سہو ہو گیا تو ان کو ٹوکا، پس اس کو مانا اور صحیح پڑھا۔ گو کتنے ہی آدمی بیٹھے ہوں۔ میں نے ان کی بعض کتب کے مسودات جلد بندھوا کر تبرکاً اپنے پاس رکھ چھوڑے ہیں۔ اگر سچ پوچھو تو ان کا گوشت پوست سب علم تھا۔ ان کی طبعی بات سوائے ذکر وفکر کے اور کچھ نہ تھی۔ مجھے براہِ محبت تالیف پر بہت آمادہ کرتے اور رغبت دلاتے تھے۔ چناں چہ انھی کے زور دینے سے کتاب ''المبتکر فی بیان المونث والمذکر'' تالیف کرنا شروع کی۔ جب تمام ہوئی تو خدمت میں پیش کی۔ بہت خوش ہوئے اور پسند فرمائی۔ آپ کی برکت سے عالم میں مقبول ہوئی۔ چناں چہ صاحب اکتفاء القنوع نے بھی اُس کا ذکر کیا ہے اور یوں لکھا ہے:

"ابو الحسن ذوالفقار احمد له مبتكر في بيان ما يتعلق بالمؤنث والمذكر طبع في بهوپال الهند ۱۲۹۷ھ ولا يقتصر هذا المبتكر على المؤنث والمذكّر هو مصنفٌ نفيس في اللغة مع كثير من الشواهد والآداب . منه يظهر للقاري حسن مساعي اهل الهند في خدمة معرفة اللغة العربيّة .

انتهٰی."

اس کتاب کو پچاس روپیہ ماہوار کے خوشنویس نے آٹھ ماہ میں لکھا پانچ سو نسخے اس کے طبع ہوئے۔شیخنا المرحوم کی کتب کے ساتھ مصر، روم ویمن ومکہ معظّمہ وغیرہ کو اکثر نسخے گئے۔باقی نسخے یہاں تقسیم ہوئے۔اب اس کا نسخہ کمیاب ہے۔

پھر محاسن المحسنین فی حکایات الصالحین فی ترجمہ روضۃ الریاحین لکھی۔پھر شرب المدام السلسال علی ذکر سلامان وابسال پھر طی الفراسخ الی منازل البرازخ پھر تشنیف الاسماع بسلوان المطاع پھر الروض الممطور فی ذکر علماء شرح الصدور پھر حدائق الزہور فی رجال شرح الصدور بزبان عربی، یہ طبع نہیں ہوا۔ پھر القول المیسور فی رجال شرح الصدور نام میں رسالہ مذکور کی تلخیص کی۔پھر مرأۃ النسواں ترجمہ حسن الاسوہ جب یہ کتب میں نے لکھیں تو بہت خوش ہوئے، اور پھر فرمایا الحمد للہ بھائی میری زبردستی اور تقاضے سے یہ کتابیں تالیف ہوگئیں۔کتب کی طبع اپنے صلبی مال سے کرتے تھے، مالِ زکوٰۃ سے نہیں۔ اس لیے سب نسخے مجھے عطا فرماتے تھے۔اور میری ملک کردیتے تھے میں جو چاہوں کروں۔

چناں چہ مبتکر کے سب نسخے ہدایا میں گئے۔اس طرح محاسن کے سب ہزار نسخے کئی سو نسخے طی وغیرہ کے مفت تقسیم ہوئے۔کئی سو نسخے کا تبادلہ کتب علمی سے کیا گیا۔مرأۃ النسواں چوں کہ سرکار عالیہ دام اقبالہا کے حکم سے طبع ہوئی تھی۔اس لیے اس کے سب نسخے ملک سرکاری ٹھہرے اُن کے حکم سے اس کی تقسیم ہوئی اور ہوتی ہے۔غرضیکہ سیدنا المرحوم کا مجھ پر خاص یہ اتنا عظیم الشان احسان ہے کہ مجھ سے اس کا ادنیٰ شکر ادا ہونا بھی محال ہے پورے شکر کا کیا ذکر ہے۔اس کے سوا اور ان کے بہت احسان ہیں۔ان کی خدمت میں دینی ودنیوی وعلمی بہت سے فوائد حاصل ہوئے۔مجھ عاجز سے سوا دعائے خیر کے اور کیا ہوسکتا ہے۔اللہ پاک ان کو درجاتِ عالیہ عطا فرمائے۔اور ان کی اولاد واحفاد کی عمر ودولت میں برکت دے اور اپنے مرضیات کی توفیق عنایت کرے، آمین۔

شیخنا المرحوم کی آخری کتاب مقالات الاحسان ہے۔یہ کتاب ترجمہ ہے۔فتوح الغیب کا جو کہ

سیدنا ومولانا حضرت سید عبدالقادر گیلانی ؒ کی تالیف ہے۔ جب اس کا طبع ہونا شروع ہوا تو میں نے اور انھوں نے اس کا مقابلہ کیا۔ جب صحت نامہ کا وقت آیا تو وہ بیمار تھے۔ میں نے اور ایک اور شخص نے اس کا مقابلہ ان کے روبرو کیا۔ مرض استسقا ہو گیا تھا۔ نہایت درجہ ایذا ہوئی۔ مگر بڑے مستقل مزاج تھے وفات کے وقت تک استقلال رہا۔ ہراس اور بے صبری کا کلمہ زبان سے ہرگز نہیں نکلا۔ ایام بیماری میں شب کو میں اُن کے پاس رہتا تھا۔ رات کو نیند نہیں آتی تھی اور نہ لیٹا جاتا تھا۔ پلنگ پر قبلہ رخ بیٹھے رہتے سامنے تکیے رکھ لیتے تھے۔ ان پر سر رکھ لیا کبھی اٹھالیا۔ اسی طرح ساری رات بسر ہوتی تھی۔ اکثر یاارحم الراحمین کہتے تھے۔ بیماری کی تو شدت لکھنے کی طاقت نہیں مگر علم کا شوق وہی۔ مجھ سے کہا بھائی تم آخر اور جگہ بیٹھ کر لکھتے ہو، ہمارے سامنے ہی لکھا کرو۔ میں اس وقت مرأة النسوان لکھتا تھا۔ پس میں نے ان کے روبرو لکھنا شروع کیا۔ ظہر سے عصر تک ان کے کمرے میں لکھتا پھر گھر جاتا۔ بعد عشاء کے پھر آجاتا تھا تو رات کو بھی چراغ کے روبرو بیٹھ کر ان کے سامنے لکھتا۔ اس سے ان کو انس ہوتا۔ اس اثنا میں باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ کئی دنوں سے اسی طرح ہوتا تھا۔ کبھی فرماتے بھائی آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو مثل دوا کے کہ جب بیمار ہوں تو ان کی حاجت ہو۔ اور ایک مثل غذا کے۔ کسی حالت میں اس سے چارہ نہیں ہے۔ تیری یہی مثال ہے۔ غرضیکہ روز چارشنبہ بست ونہم ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۷ھ کو ناگاہ جی میں آیا کہ آج تین بجے سے ان کے پاس جاؤں۔ چناں چہ جلدی سے کھانا کھا کر ان کے پاس حاضر ہوا تو تکیے پر سر رکھے ہوئے تھے۔ میں نے سلام کیا تو سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا اچھا ہوا۔ سویرے آ گئے پھر باتیں کرتے رہے۔ بیقراری زیادہ تھی دوا علاج ہوتا رہا۔

مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح ہوتے ہوتے رات کے بارہ بج گئے۔ اس وقت یا اس سے قبل کہا بھائی آگرے سے ہماری کتاب نہیں آئی میں نے کہا وہ چھپ گئی۔ اس کا صحت نامہ بھی تیار ہو کر گیا۔ فرمایا اچھا ہوا۔ مہینہ بھی پورا ہوا۔ اور ہماری تالیف بھی پوری ہوئی۔ پھر کوئی دوا لایا تو پی لی۔ ذرا دیر بعد میں نے کہا کچھ آپ کو تسکین ہے۔ فرمایا کسی قدر۔ پھر کہا ہم اب دوا نہیں پئیں گے۔ اتنے میں ایک بج گیا۔ ذرا دیر بعد بیقراری ہوئی تو بسرعت ٹوپی سر سے اتار کر ڈال دی اور ذرا پاؤں پھیلائے اور چہرے پر پسینہ آیا۔ بکشادہ پیشانی بکمال درستی ہوش وحواس جاں بحق تسلیم کی۔ اس وقت ایک بج کر ۳۵ منٹ ہو گئے تھے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ

بعد نمازِ صبح غسل دیا گیا۔ نماز جنازہ میں ایک خلق کثیر تھی۔ کئی بار نماز ہوئی۔ بروز پنج شنبہ یکم رجب ۱۳۰۷ھ کو قبل دوپہر کے اپنے خاص قبرستان میں مدفون ہوئے۔ آپ کے انتقال کا ایک عالم کو رنج والم ہوا۔ لوگوں نے مرثیے اور تاریخیں کہیں۔

بالجملہ بعد آپ کی وفات کے حسب فرمائش میر سید نور الحسن خاں صاحب فرزند اکبر شیخنا المرحوم الدرر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظ المخدوم لکھا۔ بعد اس کے حسب استبداد میر سید علی حسن خاں صاحب فرزند اصغر شیخنا المرحوم بحکم سرکار عالیہ دام اقبالہا اواخر ماہ صفر ۱۳۰۸ھ سے ترجمان القرآن کا تکملہ لکھنا شروع کیا۔ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے ماہ ذی قعدہ ۱۳۱۵ھ کو آٹھ جلدوں میں ختم کرادیا۔ اللہ سبحانہ قبول فرمائے اور سہو و خطا و نسیان سے درگزر کرے اور حسن خاتمہ روزی فرمائے، آمین۔

واقع میں بھوپال کے علم و فضل کی شہرت جو عرب و عجم و روم و شام وغیرہ میں ہوئی۔ سو اس کے باعث صرف شیخنا المرحوم ہیں۔ وہ بنفسہٖ مثل ایک خلق کثیر کے تھے کما قیل

لیس علی اللّٰہ بمستنکر!!

ان یجمع العالم فی واحد

حقیقت میں یہ سارے اوج موج شیخنا المرحوم کے محض سرکار عالیہ دام اقبالہا کی قدردانی و شریف نوازی و قدر افزائی علم و فضل سے تھے۔ چناں چہ ہمیشہ اپنی زبان سے اس کا شکریہ کیا کرتے تھے، اور اپنی تصانیف کے خاتمے میں بھی سرکار عالیہ دام اقبالہا کی قدردانی اور احسانات و انعامات کا شکریہ لکھ دیا۔ تاکہ ابد الآباد صفحہ روزگار پر ثبت رہے اس لیے کہ زبانی شکر قائم نہیں رہتا ہے۔ اور کتاب میں لکھا ہوا ہمیشہ ثابت و باقی رہتا ہے۔

والحمد للّٰہ اولا وآخرا وظاھرا وباطنا والصّلٰوۃ والسّلام علی سیّدنا ومولانا محمّد وعلٰی آلہٖ وصحبہ اجمعین الی یوم الدّین. آمین، آمین.

تمت

علامہ محمد عبدالحی الکتانی الجزائری کا اقتباس

وبالجملة فهو كبار من لهم اليد الطولى في احياء كثير من كتب الحديث وعلومه بالهند وغيره، جزاه الله خيراً. وقد عد صاحب عون المعبود على سنن ابى داؤد المترجم له احد المجددين على رأس المائة الرابعة عشر.
وما لبعض المسيحين في كتاب له اسمه واكتفاء القنوع بما هو مطبوع من ان المترجم كان عامياً وتزوج بملكة بوهبال فعندما اغتنى بالمال جمع اليه العلماء وارسل يبتاع الكتب بخط اليد وكلف العلماء بوضع المؤلفات ثم نسبها لنفسه بل كان يختار الكتب القديمة العديمة الوجود وينسبها لنفسه. الخ
فكلام اعدائه فيه وإلاّ فالتآليف تاليفه ونفسه فيها متحد.

(فہرس الفہارس والاثبات)

”نواب صدیق حسن خان ان کبار علماء میں سے ہیں جن کا ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان میں علومِ حدیث اوران کی کتابوں کے احیاء واشاعت میں بہت بڑا حصہ ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔ صاحب عون المعبود علامہ شمس الحق ڈیانوی نے، جنھوں نے ان کے عربی میں مختصر حالات تحریر کیے ہیں۔ نواب صاحب کو اوائل چودھویں صدی ہجری کے مجددین میں شمار کیا ہے۔
بعض عیسائی مستشرقین نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ”اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع“ ہے۔ اس میں نواب صاحب کا ذکر بڑے گھٹیا انداز میں کیا گیا ہے۔ اوران کی بابت یہ افترا پردازی کی گئی ہے کہ والیہ بھوپال کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد انھوں نے علماء کو پیسے دے کر کتابیں لکھوائیں اور اپنے نام سے چھپوالیں بلکہ کئی عدیم الوجود کتابیں حاصل کر کے انھیں اپنی طرف منسوب کرلیا۔
لیکن یہ سب باتیں ان کے دشمنوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ان کی تمام تالیفات ان کی اپنی ہی تالیف کردہ ہیں۔ اوراس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کی تمام کتابوں کا اسلوب یکساں ہے۔“

نواب صاحب بھوپالی اور ان کی بابرکت تالیفات

از مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم

اس نامور دہر ہر دلعزیز جامع ریاست دینی ودنیوی نے دین اسلام کے فروع واصول میں بزبان عربی وفارسی وہندی اس قدر تصنیفات کی کہ ادق مسائل دین جن پر خواص علماء بھی کم مطلع تھے۔ اب اکثر عوام واوساط الناس جاننے لگ گئے ہیں۔ ہندوستان وپنجاب بلکہ عرب میں کوئی ایسی جگہ نہ ہوگی یا کم ہوگی۔ جہاں کوئی اہل علم ہو یا علم کا ذکر واثر ہو اور جناب ممدوح کی کوئی تصنیف وہاں نہ ہو۔ اسی نظر سے بعض علمائے وقت نے ان کو اس صدی کا مجدد قرار دیا ہے اور ان کے حق میں یہ کہا ہے:

مجدد العلم فی ھذا الاوان و من   قد انقذ الناس من بدع واشراک

اس وقت میں علم کا مجدد ہے جس نے لوگوں کو بدعت وشرک سے چھڑایا۔

مروج العلم فی بدوٍ و فی حضر   بمنصل لدم الفجار سفاکِ

جنگلوں اور بستیوں میں علم پھیلانے والا فاسقوں کا تیر قلم سے خون بہانے والا۔

مفسر الذکر بالقول المبین فقد   علا بـه فوق اعلام و املاک

قرآن کا واضح بیان سے تفسیر کنندہ جس کے سبب وہ بڑے بلند مرتبہ والوں پر فوقیت لے گیا۔

ابدی لنا فی تالیفٍ لہ ظھرت   مقالۃ خاب منھا کل افاک

اس نے ہمارے لیے اپنی تصانیف ظاہر و باہر میں ایسی باتیں کھول دیں جن سے جھوٹے ٹوٹے میں پڑے۔"

مگر افسوس صد افسوس! بعض اشخاصِ ہند جن کو دین کی طرف توجہ نہیں یا یوں کہو کہ کم ہے۔ اور کتب ومسائل سے مطلق آشنائی نہیں یا یوں کہو کہ نہایت ہی کم ہے۔ جناب ممدوح کی تصانیف کی قدر نہیں کرتے اور وقتاً فوقتاً ان پر نکتہ چینیاں کرتے رہتے ہیں۔

اِن دنوں ایک کتاب موسوم بہ "اسلام اور مسلمانان" کسی صاحب مولوی محمد حسین اغلب موہانی نامی سابق اناچی ایڈیٹر اودھ اخبار نے تالیف کی ہے۔ جس میں انھوں نے مسلمانوں کے اسباب ترقی وتنزل کی ایسے طور پر تفصیل کی ہے کہ اس کے اکثر مطالب پر جو بذریعہ اس کے ریویو ۳۳ صفحہ کے

ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ ہمارا بھی صاد ہے۔

اِس کتاب میں انھوں نے نواب صاحب ممدوح کی تالیفات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور گویا ان تالیفات کو اسباب سے تنزل حالت اہل اسلام کے شمار کیا ہے۔ اور ان کے اوران کے مؤلف کی نسبت یہ چند نا ملائم الفاظ تحریر کیے ہیں کہ یہ ایک اسلام کا عالم غت ربود اور انبار بے سود تصنیفات کا مصنف ہو کر مذہبی مباحثہ موحدوں اور حنفیوں میں اوقات ضائع کرتے اور فضول روپیہ صرف کرتے ہیں۔

یہ ان کے الفاظ اس کتاب سے ریویو مندرجہ اخبار ''کوہ نور'' نمبر ۴۴ جلد ۳۰ مطبوعہ ۲/ جون ۱۸۸۲ء سے ہم نے نقل کیے ہیں۔ اصل کتاب کو ہم نے نہیں دیکھا خدا جانے اس میں کیا زیادتیاں اور بے جا نکتہ چینیاں جناب ممدوح اور اُن کی تصانیف کی نسبت مؤلف کتاب سے سرزد ہوئی ہیں۔ یہ الفاظِ کتابِ مذکور جو اس ریویو میں منقول ہیں سراسر غلط و محض خلاف واقع ہیں۔ اور صاف یقین دلاتے ہیں کہ جس شخص کے قلم سے یہ الفاظ نکلے ہیں اس نے نواب صاحب کی مصنفات کو خواب میں بھی نہیں دیکھا۔

اُن تصانیف پر یہ گمان کرنا کہ وہ مذہبی مباحثہ حنفیہ و موحدین پر مشتمل ہیں صریح خلاف واقعہ ہے۔ نواب صاحب کی کسی کتاب میں حنفی و شافعی یا وہابی و بدعتی یا شیعہ و سنی کا مباحثہ پایا نہیں جاتا۔ کوئی ہم کو ان کی کتاب میں اس قسم کا ایک مباحثہ دکھاوے تو ہم سے ہماری قدرت کے موافق جو انعام چاہے پاوے۔ کوئی مرد میدان ہے آوے۔

نواب صاحب کی کتاب تو درکنار اس قسم کے مباحثے ان کی زیر حکومت ریاست میں ہونے نہیں پاتے۔ کبھی کسی نے سنا نہ ہوگا کہ جیسے دہلی، مراد آباد، بریلی، لکھنؤ، بنارس، لاہور، امرتسر، وزیر آباد، سیالکوٹ، فرید کوٹ، وغیرہ پنجاب و ہندوستان میں مذہبی مباحثے حنفیہ و اہل حدیث و سنی و شیعہ و وہابی و بدعتی کے ہوتے ہیں۔ ویسا مباحثہ کبھی شہر یا ریاست بھوپال میں ہوا ہو یا اس مضمون کا کوئی رسالہ نواب صاحب یا ریاست بھر میں کسی اور کی طرف سے نکلا ہو۔

ہاں اوائل عمر میں اور زمانہ طالب العلمی کے قریب نواب صاحب نے ایک دو رسالہ مولود و رد شیعہ میں لکھا تھا۔ جس کا نام کلمۃ الحق و کشف الالتباس اُنھوں نے رکھا تھا۔ مگر اس وقت نواب صاحب کو یہ کمال علمی و حکمت عملی حاصل نہ تھا۔ اس وقت ان کا خیال و حال و قال اس طرز مخاصمانہ سے ایسا مخالف ہوگیا ہے کہ ایسے مخاصمانہ رسائل کو انھوں نے اپنی تصنیفات کے اعداد سے نکال دیا اور اپنی

مصنفات کی فہرست سے خارج کردیا ہے اس سے زیادہ واضح وروشن دلیل باہمی مناظرات سے نفرت وکراہت پرکوئی کیا دکھا سکتا ہے جو نواب صاحب بہادر نے قائم کر دکھائی ہے۔

اس حالت میں نواب صاحب یا اُن کی تصنیفات کو مذہبی مباحثات حنفیہ واہل حدیث کی طرف منسوب کرنا خلاف واقع نہیں تو کیا ہے۔

اور اُن تصانیف کی نسبت یہ کہنا کہ وہ انبار بے سود ہے یعنی اس کو مسلمانوں کی قومی ترقی میں کچھ دخل نہیں ہے سراسر ناواقفی اور کم فہمی پر مبنی ہے۔ یہ بات بجز اس شخص کے جو مذہب کو قومیت کا جز نہ سمجھتا ہو کوئی نہیں کہہ سکتا۔ اور ایسا سمجھنے والا نہ صرف اپنی ناواقفی ولاعلمی معنی قومیت سے ظاہر کرتا ہے۔ بلکہ وہ اس بات کا بھی اظہار کرتا ہے کہ اس کو قومیت سے تعلق نہیں ہے گو وہ قومی ترقی کا زبان سے خواہاں ہے۔

راقم ریویو نے ان کا کلام نقل کیا ہے جس کا ٹھیک مطلب یہ ہے کہ مذہب میں پیروی اقوام یورپ جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ اس سے مذہب کو نقصان پہنچتا ہے جو ترقی قومی کے منافی ہے معلوم نہیں موہانی صاحب نے یہ بات کہہ کر وہ بات کیوں کر کہی، یہ بات بھول گئے یا وہ بے سوچے قلم سے نکل گئی۔ اور جب کہ بشہادت اس بیان با برہان اور باعتراف قومی ترقی خواہاں بلکہ باقرار نکتہ چینیاں تصانیف نواب صاحب والا شان یہ امر ثابت ومحقق ہے کہ مذہبی ترقی بھی قومی ترقی کا جزو ہے اور قومی ترقی بدون ترقی مذہبی ناممکن ونامنظور ومتصور ہے تو پھر اگر نواب صاحب ممدوح نے اپنی تصانیف میں مذہب کو ترقی دی اور مذہبی مسائل کی حفاظت اور اشاعت کی تو اُن کی تصانیف کو انبار بے سود کہنا کیوں کر صحیح ہے اور ان کو ترقی قومی اہل اسلام سے خارج وبے دخل ٹھہرانا کیا معنی رکھتا ہے کہ موہانی صاحب ان کی نسبت ایسے الفاظ ناملائم فرماتے ہیں۔

اب رہا یہ امر کہ تصانیف نواب صاحب نے مذہبی ترقی کی ہے یا نہیں اور ان تصانیف سے مذہبی مسائل کی حفاظت اور اشاعت ہوئی یا نہیں جیسے کہ ان سے پہلے دینی تصانیف علمائے سلف وخلف سے مذہبی ترقی واشاعت ہوئی ہے۔ اس کا تصفیہ ہم عموماً ناظرین اور خصوصاً حضرات نکتہ چین پر چھوڑتے اور منجملہ تصانیف نواب صاحب دس بیس کتابوں کا نام ایک نقشہ کے ضمن میں بتا دیتے ہیں۔ ناظرین وحضرات نکتہ چین برائے خدا دو چار برس لگا کر ان کتابوں کا مطالعہ کر کے خود ہی ہم کو بتادیں کہ ان کتابوں میں حمایت اشاعت وترقی دین پائی جاتی ہے یا نہیں اور اس کا نفع دین میں ان کتب دینیہ سے

جو ان سے پہلے تصنیف ہو چکی کچھ کم ہے یا ان سے زیادہ۔ (نقشہ یہ ہے)

نقشہ بعض مؤلفات نواب صاحب بہادر بھوپال

سلمہ اللہ بالتوفیق والاقبال

نمبر	نام کتاب	علم	زبان	کیفیت
۱	فتح البیان فی مقاصد القرآن	تفسیر	عربی	چار مجلد میں ہے کہ ہر ایک ان میں سے تقریباً ہزار ہزار صفحہ میں ہے۔ صحت وسند میں سابقہ سب تفسیروں سے فائق ہے۔
۲	عون الباری شرح تجرید مختصر بخاری	حدیث	عربی	⑧ مجلد میں ہے جو اکثر پانچ پانچ سو صفحہ میں ہے اس میں صحیح بخاری کے عقدوں کو جو قرآن کے دوسرے درجہ میں ہے حل کیا ہے۔
۳	مسک الختام شرح بلوغ المرام	حدیث	فارسی	گیارہ سو صفحہ میں ہے۔ اس میں حدیث ومذاہب فقہیہ کی عمدہ تحقیق ہے۔
۴	اکسیر فی اصول التفسیر	تفسیر	فارسی	۱۲۰ر صفحہ میں ہے اس میں مسائل تفسیر اتقان وفوز الکبیر وغیرہ مؤلفات سلف وخلف کو عمدگی سے جمع کیا ہے۔
۵	منہج الوصول	اصول حدیث	فارسی	۱۳۳ر صفحہ میں ہے۔ یہ کتاب اصول حدیث میں جامع کتاب ہے۔

٦	ہدایۃ السائل	فقہ حدیث	فارسی	۵۲۲ صفحہ میں ہے۔ اس میں ادق ومعرکہ آراء مسائل فقہیہ کو بطور سوال وجواب بیان کیا ہے۔
۷	اتحاف النبلاء	تاریخ	فارسی	۴۴۴ صفحہ میں ہے۔ اس میں ائمہ محدثین وفقہاء کے تاریخی حالات اور ان کی مصنفات کو بیان کیا ہے۔
۸	افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ	اصولِ تفسیر	فارسی	۸۴ صفحہ میں ہے۔ اس میں تمام ناسخ ومنسوخ آیات واحادیث کو ایسے طور پر ذکر کیا ہے کہ گویا دریا کو کوزہ میں جمع کیا ہے۔
۹	حصول المامول	اصولِ فقہ	عربی	۱۲۰ صفحہ میں ہے۔ اس میں اصولِ فقہ کے مسائل کثرت سے وارد کیے ہیں۔
۱۰	روضہ ندیہ شرح درر بہیہ	فقہ حدیث	عربی	دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس میں ان مسائل فقہیہ کو جو ظاہر حدیث کے موافق ہیں مع بیان اختلاف مذاہب مدلل کیا ہے۔
۱۱	تاج الکرامۃ	تاریخ	فارسی	۵۰۰ صفحہ میں ہے اس میں تاریخ کے علاوہ مسائل دینی بھی کثرت سے ہیں۔

۱۲	ظفر اللاضی	فقہ	عربی	۱۲۰/صفحہ میں ہے۔ اس میں ان احکام اسلام کا بیان ہے جن کی رعایت قاضیوں پر واجب ہے۔
۱۳	ذخر المحتی	فقہ	عربی	۱۱۰/صفحہ میں ہے۔ اس میں مفتیوں کے لیے واجب الرعایت احکام اسلام کا بیان ہے۔
۱۴	لقطۃ العجلان	تاریخ	عربی	۱۰۰ صفحہ میں ہے۔ اس میں تاریخی حالات کے علاوہ مسائل اسلامی کثرت سے ہیں۔
۱۵	فتح المغیث	فقہ حدیث	اردو	اس میں ان مسائل فقہیہ کا بیان ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔
۱۶	ریاض المرتاض	سلوک وتصوف قدیم	فارسی	۳۲۸/صفحہ میں ہے۔ اس میں وہ سلوک بیان ہوا ہے جو کتاب وسنت سے ثابت ہے۔
۱۷	رحلۃ الصدیق	فقہ	عربی	۹۲ صفحہ میں ہے اس میں مسائل حج وعمرہ بیان ہوئے ہیں۔
۱۸	موائد العوائد	حدیث	فارسی	۲۵۴ صفحہ میں ہے۔ اس میں مختلف مضامین کی احادیث کو بحذف اسناد وارد کیا ہے۔
۱۹	جنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ	اصولِ فقہ	عربی	۱۰۸ صفحہ میں ہے۔ اس میں اتباع سنت وتقلید کے مسائل کو بلا خطاب خاص کسی شخص یا فرقہ کے بیان کیا ہے۔

۲۰	شرح الاعتقاد الصحیح	عقائد	عربی	۷۶ صفحہ میں ہے۔ اہل سنت کے عقائد قدیمہ کا بیان ہے۔

اس قسم کی اور ان مضامین کی کتابیں مؤلفہ نواب صاحب اور بہت ہیں۔ جن کی تعداد ہمارے علم میں سو کے قریب ہے۔ حضرات نکتہ چین ایمان وانصاف کو پیش نظر رکھ کر کہیں کہ کیا یہ کتابیں بے سود ہیں۔ اور اہل اسلام کا ان میں دینی فائدہ نہیں ہے۔ ایسا کہیں تو براہِ مہربانی یہ بھی ہم کو بتادیں کہ اُن کے مقابلہ میں اور کون سی کتابیں سود مند ہیں جن سے مسلمانوں کو دینی فائدہ ہے۔ ان سے کتب مؤلفہ نواب صاحب کا موازنہ ومقابلہ کیا جاوے گا اور عام مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں اُن کا مفید وغیر مفید ہونا بتایا جاوے گا۔

بالجملہ جو کچھ موہانی صاحب نے نواب صاحب کی تالیفات کی نسبت کہا ہے۔ اس کو صحت ونفس الامر سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے ہم اُمید کرتے ہیں کہ موہانی صاحب اس اپنی رائے کو واپس کرلیں گے۔ یہ جرأت وحق پرستی حاصل نہ ہوتو اُس پر نظر ثانی تو ضرور کریں گے۔

(فئوس الکملہ علیٰ رؤس الجھلہ، ص: ۹۷ تا ۱۰۲)

مجدد

کسی کے ذاتی و شخصی وصف منقصت یا کمال سے بحث کرنا چنداں ضروری امر نہیں ہے۔ مگر جب وہ ذاتی و شخصی وصف قومی وصف ہو جائے اور اس کا اثر ایک قوم پر پہنچے تو وہ وصف ذاتی و شخصی نہیں رہتا۔ اور اس سے بحث قومی ضروریات سے ہو جاتی ہے۔

مثلاً ایک شخص کسی کی نسبت شہادت دینا چاہتا ہے اور اس کے کلام کا اثر اس کی جان یا مال پر پہنچنے والا ہے تو اس کے ذاتی چال وچلن سے بحث کرنا ضروری و قومی امر ہے۔ ایسا ہی اگر کوئی شخص کسی قوم کا رہنما و مقتدا ہے اور اس سے عام لوگوں کی ہدایت یا ضلالت متصور ہے تو اس کے ذاتی حالات سے بحث کرنا ان لوگوں کا اعلیٰ فرض ہے جو قومی امور میں بحث کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

اِسی اصول [1] پر محدثین نے سلف سے خلف تک حدیث کے راویوں اور دین کے اماموں کے حالات سے بحثیں کی ہیں۔ اور فن اسماء الرجال میں کتابیں لکھی ہیں۔ اور مؤرخین نے سلاطین زمان وغیرہ اعیان کے حالات میں تاریخیں تالیف کیں۔

اِسی اصول پر ہم بھی بعض اوقات بعض اعیان اسلام کے حالات سے بحث کرتے ہیں۔ ان کے نشر مناقب و محامد کو موجب ہدایت ہزاروں اشخاص کا جو اُن کی طرف رجوع کریں، اُن کی تالیف سے ہدایت پاویں، خیال کر کے اشاعۃ السنہ میں ان کے فضائل و کمالات کو بیان کرتے ہیں اس امر کو اگر کوئی ذاتی و شخصی بحث سمجھے تو یہ اس کی نافہمی ہے اور جو اس کو اخبار نویسوں کی سی خوشامد تصور کرے یہ اس کی سوءظنی و بدگمانی ہے۔ یہ بدگمانی ہر ایک کام میں (اچھے سے اچھا کیوں نہ ہو) ہو سکتی ہے۔ (مثلاً ایک شخص دوپہر کی دھوپ میں نماز کے لیے کسی مسجد میں آتا ہے۔ اس کے اس فعل میں یہ بدگمانی ہو سکتی ہے کہ یہ ریا کار ہے۔ اس فعل سے یہ تسخیر خلائق مدنظر رکھتا ہے) مگر خدا اور رسول قرآن و اسلام ہم کو اس

---

[1] اصول جمع اصل بمعنی قانون ہے اور لغۃ کسی ایک قانون پر اس کا اطلاق صحیح نہیں ہے مگر چوں کہ عام لوگ بجائے اصل لفظ اصول بولتے ہیں۔ اور اگر لفظ اصل بولا جاوے تو سمجھ نہیں سکتے۔ لہٰذا ہم نے بھی وہی عام فہم لفظ اصول بجائے اصل بولا ہے اور غلط العام فصیح کا لحاظ کیا ہے۔

بدگمانی سے مانع ہیں۔ اور ہر ایک مسلمان کے فعل میں (گو وہ بدنیتی سے کیا گیا ہو) حسن ظنی و نیک نیتی کے گمان کرنے کو واجب کرتے ہیں۔ چناں چہ اشاعۃ السنہ نمبر ا جلد ٦ میں بصفحہ ٩ کتاب و سنت سے اس کا ثبوت دیا گیا ہے) لہٰذا کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا کہ ہمارے یا کسی مسلمان کے فعل میں (جب تک کہ اس کے پاس ایسی قطعی دلیل بدگمانی کی جو خدائے تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن چل سکے) موجود نہ ہو بدگمانی کرے۔ آیندہ اختیار ہے قیامت قریب ہے۔ خدائے تعالیٰ رقیب ہے۔ اگر اس بدگمانی پر قطعی دلیل نہ ہوگی تو خدا تعالیٰ سے جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔ اس بات کو عوام نہیں تو مولوی صاحبان تو سوچیں جو قرآن کو موت کو حساب کو پس پشت ڈال کر ہمارے بعض مضامین پر جھٹ فتوے لگاتے ہیں کہ یہ فلانے صاحب کی خوشامد کے لیے ہے۔ اور یہ انگریزوں کی تالیف کے لیے ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔

اِسی اصول پر ہم نے پرچہ سابق (نمبر ۴ جلد ٦ میں ایک مضمون بعنوان ''نواب صاحب بھوپال اور ان کی بابرکت تالیفات'' لکھا تو اس کے ضمن میں نواب صاحب ممدوح کی نسبت بلا اختیار یہ فقرہ مدحیہ قلم سے نکل گیا کہ

''جناب ممدوح کو بعض علماء نے اس صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔''

اس پر ہمارے ایک خیر خواہ دوست مولوی صاحب نے جو ایک لکھنوی اخبار کے ایڈیٹر ہیں یہ نکتہ چینی کی ہے کہ نواب صاحب ممدوح نے ایک مصور کو تصویر پر انعام دیا یا ریاست سے دلوایا ہے اور اپنی تصویر قد آدم تاج المحل بھوپال میں رکھوایا ہے۔''

اور ضمناً ہم پر بھی یہ اعتراض جڑ دیا ہے کہ

''ہم نے ان کو ایسی حالتوں کے ساتھ مجدد کیوں قرار دیا ہے۔''

اس مقام میں ہم اس دوست کا ازالہ شبہ و شکایت کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اوّل تو نواب صاحب سے یہ فعل سرزد نہیں ہوا اور اگر بقول کسی مفتری و دروغ گو کے اس کا وقوع مان بھی لیا جاوے تو اس سے ان کا مجدد ہونا زائل نہیں ہوتا۔

مجدد ہونے کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں ہے اور منصب مجددیت عین منصب نبوت یا اس کا مساوی نہیں ہے کہ مجدد سے کوئی خطا یا گناہ ہونا نہ پاوے۔ اس کی شرط اور معنی یہی ہیں کہ مجدد وہ ہے جو علم اور سنت کی اشاعت اور بدعت کی امانت عمل میں لاوے، اور دین کو مدد پہنچاوے اور جناب ممدوح

سے علم وسنت کی اشاعت اور اسلام کی معاونت اور بدعات ومنکرات کی بیخ کنی اس کثرت سے ہوئی ہے کہ پچھلے مجددین میں اس کی نظائر کم پائی جاتی ہیں۔اور اس کے مقابلہ میں وہ منکرات جن کو ہمارے دوست ان کے ذمہ لگاتے ہیں۔ (اگر ان کو مان بھی لیا جاوے) بحوائے ارشاد واجب الانقیاد اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ لائق اعتبار وشمار نہیں ہے۔

ہم پہلے اسی شق (دوم) کا ثبوت دیتے ہیں۔شق اوّل (ان افعال کے اُن سے سرزد ہونے) کی پیچھے تفصیل کریں گے۔وباللہ التوفیق۔

ثبوت شق دوم

واضح ہو کہ یہ لفظ مجدد ایک حدیث نبوی کا لفظ ہے جس کو ابوداؤد نے اپنی کتاب سنن میں روایت کیا ہے:

”عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فِیْمَا اَعْلَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ . مَنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا.“ [1]

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے خدائے تعالیٰ اِس امت کے لیے ہر صدی پر ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو ان کے دین کو نیا کریں گے (یعنی رواج دیں گے اور قائم کریں گے۔)

اس حدیث کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے گو اس کی تعیین مصداق میں ان کا اختلاف ہے۔کوئی کسی کو اس کا مصداق بناتا ہے۔کوئی کسی کو اور اس لفظ مجدد کے معنی سبھی یہی بیان کرتے ہیں کہ جو سنت کو بدعت سے جدا کرے اور علم کو پھیلاوے اور بدعات ومنکرات کو ہٹاوے یہ کسی نے نہیں کہا کہ مجدد وہ ہے جو نبیوں کی طرح معصوم ہو، اور کوئی خطا یا گناہ نہ کرے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے مرقاۃ الصعود شرح سنن ابوداؤد میں کہا ہے:

هذا الحدیث اتفق الحفاظ علی تصحیحه منهم الحاکم فی المستدرک والبیهقی فی المدخل وممن نص علٰی صحته من المتاخرین الحافظ ابن حجر فاخرج الحاکم فی المستدرک عن ابن وهب عن یونس عن الزهری

---

[1] [سنن ابوداؤد، ص:۳۲۳، جلد:۲، ح:۴۲۹۱]

قال فلمّا کان فی راس المایة من اللّٰه علٰی هذهِ الامة بعمر بن عبد العزیز قال الحافظ بن حجر وهٰذا یشعر بان الحدیث کان مشهوراً فی ذٰلک العصر ففیه تقویة لسندہٖ مع انه قوی لثقة رجاله انتهٰی وقال ابو جعفر النحاس فی کتاب الناسخ والمنسوخ قال سفیان بن عیینة بلغنی انه یخرج من العلمآء من یقوی اللّٰه به الدین وان یحیی بن آدم عندی منهم وقال ابوبکر البزار سمعت عبد الملک بن عبد الحمید الیمونی یقول کنت عند احمد بن حنبل فجری ذکر الشافعی فرایت یرفعه وقال یروی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال یبعث الله لهٰذه الامة علٰی راس کل مایة سنة من یقرر لها دینها قال فکان عمر بن عبد العزیز علی راس المایة الاولٰی وارجو ان یکون الشافعی علی راس المایة الاخریٰ واخرج البیهقی عن طریق ابی سعید الفریابی قال قال احمد بن حنبل ان اللّٰه یقبض من راس کل مایة سنة من یعلم الناس السنن وینفی عن رسول اللّٰه الکذب فنظرنا فاذا فی راس المایة عمر بن عبد العزیز وفی راس المائتین الشافعی. واخرج ابو اسمعیل الهروی من طریق حمید بن زنجویه قال سمعت احمد بن حنبل یقول یروی فی الحدیث عن النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم انّ اللّٰه یمنّ علٰی اهل دینه فی راس کل مایة سنة برجل من اهل بیتی لیبین لهم امر دینهم. ❶

’’حدیث کے حافظ اس حدیث کی صحت پر اتفاق رکھتے ہیں۔ ازاں جملہ حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے مدخل میں اس کی تصحیح کی ہے۔ اور پچھلے اماموں سے حافظ ابن حجر نے اس کی صحت بیان کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ متقدمین نے بھی اس حدیث کے ذکر سے زبان ہلائی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں ابن وہب سے اس نے یونس سے اس نے زہری (تابعی) سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ پھر کہا (زہری نے فرمایا ہے کہ جب پہلی صدی کا خاتمہ ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے اس امت پر عمر بن عبدالعزیز (خلیفہ) کے وجود سے فضل کیا یعنی پہلی صدی کا مجدد بنایا، حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ زہری کا یہ قول بتا رہا ہے کہ یہ حدیث تابعیوں کے زمانہ میں بھی مشہور تھی۔ اس میں اس کی سند کی

❶ [مرقاة الصّعود]

تقویت پائی جاتی ہے۔ باوجودیکہ اس کی سند راویوں کی جہت سے بھی قوی ہے۔ ابوجعفر نحاس نے کتاب ناسخ ومنسوخ میں کہا ہے کہ سفیان بن عیینہ (تبع تابعین) نے فرمایا ہے مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ خدائے تعالیٰ علماء سے ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا۔ جن سے دین کو قوت دے گا۔ میرے خیال میں یحییٰ بن آدم (محدث) ان میں سے ہے۔ ابوبکر بزار نے کہا ہے میں نے عبدالملک سے سناوہ کہتے ہیں میں احمد بن حنبل کے پاس بیٹھا تھا۔ وہاں امام شافعی کا ذکر چل پڑا تو میں نے امام احمد بن حنبل کو دیکھا کہ وہ امام شافعی کو اونچا کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ اُس امت کے لیے ہر صدی پر ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو دین کو قائم کریں گے۔ سو پہلی صدی پر عمر بن عبدالعزیز ہوئے اور مجھے امید ہے کہ دوسری صدی کے مجدد امام شافعی ہوں۔ بیہقی نے دوسری سند سے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ ہر صدی پر ایسے لوگوں کو مقرر کرتا ہے جو لوگوں کو احکام دین سکھاویں اور آنحضرت کی حدیث سے لوگوں کا افترا ہٹاویں۔ ہم نے خیال کیا تو پہلی صدی میں عمر بن عبدالعزیز اور دوسری صدی میں امام شافعی کو پایا۔ ایسا ہی امام احمد بن حنبل سے ہروی نے اور سند سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے اہل بیت سے خدا ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو ان کو دین کی بات بتاویں۔"

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے تجدید دین کے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص سنت کو بدعت سے ممیز کرے گا اور علم کو پھیلاوے گا۔ اہل علم کی عزت کرے گا اور بدعت کی بیخ کنی کرے گا۔ اور اہل بدعت کی شوکت توڑے گا۔

تیسیر شرح جامع صغیر میں ہے:

من یجدد مفعول یبعث لھا ای لھذہ الامۃ دینھا ان یبین السنۃ من البدعۃ ویعز اھلہ ویقمع البدعۃ ویکسّر اھلہ. ❶

اس حدیث میں مجدد سے مراد عام ہے ایک آدمی ہو یا کئی ہوں۔ وہ ہے جو سنت کی بدعت سے تمیز کرے اور اہل بدعت کو ذلیل۔

ابن کثیر نے کہا ہے کہ

ان اللّٰہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مایۃ سنۃ من رجلا او اکثر یجدد لھا

---

❶ [مرقاۃ]

دینھا ای یبین السنة من البدعة ویذل اھلھا قال ابن کثیر ویدعی کل قومٍ فی امامھم انه المراد والظاھر حمله علی العلمآء من کلّ طائفة . [1]

ہر ایک گروہ اس امر کا مدعی ہے کہ اس گروہ کا امام اس حدیث میں مراد اور اس کا مصداق ہے۔ اور ظاہر یہ کہ سبھی گروہ کے علماء کو اس میں داخل سمجھا جاوے۔

مجمع البحار میں شرح جامع الاصول سے نقل کیا ہے کہ

وحدیث یبعث علی راس کل مایة سنة من یجدد دینھا اختلفوا فیه وکلّ فرقة حملوہ علی امامھم والاولی الحمل علی العموم ولا یختص بالفقھاء فان انتفاعھم باولی الامر والمحدثین والقراء والوعاظ والزھاد ایضاً کثیر والمراد من انقضت المایة وھو حی عالم مشھور .

ج والحدیث اشارة الی جماعة من الاکابر علی راس کل مایة ففی راس الاولی عمر بن عبد العزیز ومن الفقھآء والمحدّثین وغیرھم مالا یحصی وفی الثانیة المامون والشّافعی والحسن بن زیاد واشھب المالکی وعلی بن موسی ویحیی بن معین ومعروف الکرخی وعلی الثالثة المقتدر وابو جعفر الطحاوی الحنفی وابو جعفر المامی وابو الحسن الاشعری والنسائی وعلی الرّابعة القادر باللّٰه وابو حامد الاسفرأینی وابو محمّد الخوارزمی الحنفی والمرتضی اخو الرضا الامامی وعلی راس الخامس المستظھر باللّٰه والغزالی والقاضی فخر الدّین الحنفی وغیرھم . ش [2]

''اس مجدد کی تعیین مصداق میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ ہر ایک فرقہ اس کو اپنے ہی امام پر لگاتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اس کو عام سمجھا جاوے، اور فقہاء مذاہب سے مخصوص نہ کیا جاوے۔ کیوں کہ لوگوں کا دین میں نفع اٹھانا سلاطین اور محدثین اور قاریوں اور واعظوں اور زاہدوں سے بھی بہت ہوا ہے۔ اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو صدی گزرنے کے وقت زندہ ہو اور شرح شفاء سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں اس جماعت اکابر کی طرف اشارہ ہے جو ہر صدی میں

---

1. [تیسیر شرح جامع الصغیر]
2. [مجمع البحار، ص:۱۷۷، جلد:۱]

ہوئے۔ سو پہلی صدی میں (خلفاء سے) عمر بن عبدالعزیز تھے۔ اور فقہاء ومحدثین وغیرہ سے بے شمار تھے۔ دوسری صدی میں (خلفاء سے) مامون اور (فقہاء سے) امام شافعی وحسن بن زیادہ اشہب مالکی اور (محدثین میں سے) علی بن موسیٰ ویحییٰ بن معین اور (زاہدوں میں سے) معروف کرخی، تیسری صدی پر (خلفاء سے) مقتدر باللہ اور (فقہاء سے) ابوجعفر طحاوی اور ابوجعفر امامی اور ابوالحسن الاشعری اور (محدثین میں سے) نسائی چوتھی صدی پر (خلفاء سے) القادر باللہ اور (فقہاء سے) ابوحامد اسفرائنی اور ابوبکر خوارزمی حنفی اور مرتضٰی امامی رضا کا بھائی، پانچویں صدی پر خلفاء سے مستظہر باللہ (اور فقہاء وزاہدوں سے) امام غزالی وقاضی خاں حنفی وغیرہم۔''

ان عبارات اجلہ علماء (حنفیہ وشافعیہ) میں ہمارے معترضین وناظرین غور کی نگاہوں سے نظر کریں، اور انصاف سے کہیں کہ مجدد کے کیا معنی ہیں۔ اور جن لوگوں کو پہلے علماء نے مجدد قرار دیا ہے۔ ان میں کیا اوصاف پائے جاتے ہیں؟ جن کے سبب وہ مجدد قرار پائے۔ اور وہ کسی گناہ یا خطا کے محل نہ تھے؟ پھر انصاف سے یہ بھی بتاویں کہ جس شخص (نواب صاحب بھوپال) کا مجدد ہونا ہم نے بعض علماء سے نقل کیا ہے ان میں وہ اوصاف (کل یا جز) پائے نہیں جاتے؟ اور ان میں پہلے مجددوں کی نسبت زیادہ خطایا گناہ موجود ہیں؟

جہاں تک وہ فکر کو جولانی دیں گے ان مجددین کے اوصاف وہ اس سے بڑھ کر نہ پاویں گے کہ ازاں جملہ مجددین خلفاء نے عدل وانصاف کیا۔ شعائر اسلام کو پھیلایا، ظلم ومنکرات کو اٹھایا اور مجددین علماء نے احکام شرعیہ کو کتاب وسنت سے مستنبط فرمایا اور کتاب وسنت اور ان دونوں سے مستنبط احکام کو عالم میں بذریعہ تقریر وتحریر وتالیف شائع کیا۔ اور مع ذلک ان اوصاف کے مقابلہ میں وہ ان میں کچھ نقص وخطاء بھی پاویں گے جن سے کوئی بشر بعد انبیاء خالی نہیں ہے۔

یہی حال اس شخص کا ہے جس کا مجدد ہونا ہم نے بعض علماء سے نقل کیا ہے۔ پھر ہم پر کیا اعتراض ہے ہم اس مقام میں بعض سابق مجددین کے حالات بطور تمثیل بیان کرتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں اس شخص کے حالات بھی معرض بیان میں لاتے ہیں۔ ناظرین ومعترضین ان کے اور ان کے حالات میں مقابلہ وموازنہ کریں۔ پھر انصاف سے کہیں کہ وہ شخص ان حالات کے نظر سے سابق مجددین کی نسبت اس لفظ کے اطلاق کا زیادہ مستحق ہے یا نہیں۔

پس واضح ہو کہ اگر چہ مجددین مذکورین سے بعض اکابر میں بعض ایسے اخص اوصاف پائے جاتے ہیں جو (آج کل کہاں) ایک مدت سے عنقاء ہو رہے ہیں (جیسے امام شافعی میں اجتہاد مطلق مستقل اور یحییٰ بن معین ونسائی میں حدیث کی امامت اور عمر بن عبدالعزیز میں کمال عدالت (جس کے سبب بھیڑ یا بکری ایک جنگل میں مل کر چلتے اور چرتے تھے۔ اور معروف کرخی رحمہ اللہ میں زہد وریاضت وعلیٰ ہذا القیاس۔)

مگر اُن ہی لوگوں میں اور بعض اور مجددوں میں وہ اوصاف (جن کی نظر سے وہ مجدد کہلائے) ایسے عام اور وسیع ہیں۔ جو اکثر زمانوں کے بہت سے علماء اور ارباب شوکت میں بکثرت پائے گئے ہیں۔ جیسے عام عدالت وعلم وفقاہت وحدیث کی روایت واشاعت اور کتابوں کی تالیف وتصنیف واتباع سنت کا پھیلانا بدعت ومنکرات کا مٹانا وعلیٰ ہذا القیاس۔

خلیفہ قادر باللہ (چوتھی صدی کے مجدد) کے حالات واعلیٰ اوصاف تاریخ الخلفاء وغیرہ میں یہ بیان کیے ہیں کہ

وكان القادر بالله من الديانة والسيادة وادامة التهجد وكثرة الصدقات وحسن الطريقة على صفة اشتهرت عنه تفقه على العلامة ابى بشر الهروى الشافعي وقد صنف كتاباً في الاصول ذكر فيه فضايل الصحابة واكفارا المعتزلة والقائلين بخلق القرآن وكان ذلك الكتاب يقرؤ في كل جمعة في حلقة اصحاب الحديث بجامع المهدى وبحضرة الناس وناهيك بان الشيخ تقى الدين بن الصلاح عده من الفقهآء الشافعية واورده في طبقاتهم.[1]

''وہ ہمیشہ تہجد پڑھتے اور کثرت سے خیرات کرتے تھے۔ انھوں نے اصول میں ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ جس میں صحابہ کے فضائل بیان کیے اور معتزلہ اور قرآن کو مخلوق کہنے والوں کی تکفیر کی وہ کتاب خلیفہ مہدی کی جامع مسجد میں ہر جمعہ اہل حدیث کے حلقہ میں عام لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی تھی۔ اُن کی فضیلت کے لیے تجھے یہی کافی ہے کہ شیخ تقی الدین ابن الصلاح نے ان کو فقہاء شافعیہ سے شمار کیا ہے اور ان کے طبقات میں داخل کر لیا۔''

---

[1] [تاریخ الخلفاء، ص: ٤٣٣ تا ٤٣٧]

اور خلیفہ مستظہر باللہ (پانچویں صدی کے مجدد) کے اعلیٰ فضائل یہ بیان کیے ہیں کہ

قال ابن الاثیر کان لین الجانب کریم الاخلاق یسارع فی اعمال البر حسن الخط جید التوقیعات لا یقارنه فیها احد یدل علی فضل عزیز وعلم واسع سمحاً جواداً محباً للعلمآء والصلحآء وفی سنة احدی وخمس مایة رفع السلطان الضرایب والمکوس ببغداد وکثر الدعآء له وزاد فی العدل وحسن السیرة. ❶

''وہ متواضع اور خوش اخلاق تھے۔ نیک کاموں میں جلدی کرنے والے خوش خط عمدہ فرمان نویس۔ ان باتوں میں کوئی ان کا قرین نہ تھا۔ صاحب فضل وعلم وسیع وجواں مرد وسخی وعلماء، صلحاء دوست تھے۔ ان کی خلافت میں سلطان نے بغداد والوں سے جزیہ اٹھا دیا۔ اور عدل وانصاف بہت کیا۔ جس کے سبب ان کے لیے دعا بکثرت ہوئی۔''

اور خلیفہ مقتدر باللہ (تیسری صدی کے مجدد) کی فضیلت بیان کی ہے کہ

وفی ثلث مایة ادخل الحسین الحلاج مشهوراً علی جمل الی بغداد فصلب حیا ونودی علیه هذا احد دعاة القرامطة فاعرفوه ثم حبس الی ان قتل فی سنة تسع واشیع علیه انه ادعی الالوهیة وکان المقتدر جید العقل صحیح الرأی.

''انھوں نے حلاج (منصور) کی اونٹ پر سوار کرا کر تشہیر کی۔ پھر اس کو سولی پر چڑھایا اور لوگوں میں پکارا گیا کہ فرقہ قرامطہ کا داعی ہے۔ آخر نویں سال وہ مارا گیا۔ اور یہ مشہور کیا گیا کہ یہ الوہیت کا مدعی تھا۔ اور لکھا ہے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کی عقل جید تھی اور رائے صحیح۔''

خلیفہ مامون (دوسری صدی کے مجدد) کے اعلیٰ فضائل یہ بیان کیے ہیں کہ

جمع الفقهآء من الآفاق وبرع فی الفقه والعربیة وایام الناس وکان افضل من رجال بنی العباس حزماً وعزماً وعلماً ورایاً وهیبة وشجاعة وسواداً وسماحة قال ابو معشر المنجم کان المامون اماراً بالعدل فقیه النفس یعد من کبار العلمآء. ❷

---

❶ [تاریخ الخلفاء، ص: ٤٣٦ تا ٤٣٩]

❷ [تاریخ الخلفاء، ص: ٣١١]

''اس نے فقہاء کو جمع کیا اور فقہ وعربیۃ وتواریخ میں ماہر ہوا، اور وہ عباسیوں سے عزم وعلم وحلم ورائے وہیبت وشجاعت وفراخ دلی وغیرہ میں افضل تھا۔''

ابومعشر نے کہا ہے مامون عدل کرنے کا بہت حکم دیتا اور فقیہ النفس تھا۔ بڑے علماء سے شمار کیا جاتا۔ اس قسم کے ان کے اور فضائل بیان کیے جن کا علم وفراست وفہم وکیاست کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

یہ تو ان مجددوں کے اوصاف کمال ہیں۔ جن کے سبب وہ مجدد کہلائے۔ ان کے مقابلہ میں ان میں ایسے اوصاف نقص بھی پائے جاتے ہیں جن کو خطاء یا گناہ کہا جاسکتا ہے پھر ان اوصاف کی نظر سے ان لوگوں کو مجدد ہونے سے خارج نہیں کیا جاتا۔

اس قسم کے اوصاف ہم ان سبھی مجددوں کے بیان کریں تو یہ امر معیوب سمجھا جاوے گا۔ لہٰذا صرف ایک دو صاحبوں کے اوصاف کو بطور تمثیل بیان کیا جاتا ہے۔

خلیفہ مامون کی نسبت تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ

ولمّا كبر عنى بالفلسفة وعلوم الاوائل ومهر فيها فجره ذٰلک الى القول بخلق القراٰن وجعل ولى العهد بعده على الرضا بن موسى الكاظم بن جعفر الصادق حمله على ذٰلک افراطه فى التشيع حتى قيل انهم ان يخلع نفسه ويفوض الامر اليه وفى سنة ثمان عشرة امتحن الناس بالقول بخلق القراٰن فكتب الى نائبه على بغداد اسحق بن ابراهيم فى امتحان العلمآء كتابا يقول فيه الخ. ❶

''جب وہ بڑا ہوا تو وہ علم فلسفہ اور حکماء قدیم کے علوم میں ماہر ہوا۔ اس امر نے اس کو اس بات کی طرف کھینچا کہ وہ قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہو۔ اور اس کو تشیع میں افراط تھا۔ یہی امر اس کو امام علی بن موسیٰ کے ولی عہد کرنے پر باعث ہوا تھا۔ بعض کہتے ہیں اس نے یہ بھی ارادہ کرلیا تھا کہ خود خلافت سے دست بردار ہو جائے اور خلافت امام مذکور کے سپرد کردے۔

اٹھارویں سال اس نے لوگوں کا مسئلہ قرآن کے مخلوق ہونے میں امتحان لینا شروع کیا اپنے نائب اسحٰق بن ابراہیم کی طرف (جو بغداد میں تھا) خط لکھا جس کا مضمون طولانی ہے۔ اس پر اس نے علماء کو جمع کیا اور جواب لیا۔ علماء سے کسی نے ٹلایا کسی نے صاف جواب دیا۔ یہ حال اس کو پہنچا تو اس

---

❶ [ایضاً، ص: ۳۱۲]

نے بعض علماء کی نسبت صاف حکم دیا کہ اُن سے قرآن مخلوق ہونے کا اقرار کراؤ یا ان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو۔ اس حکم کی تعمیل کا وقت نہ آنے پایا تھا کہ ملک الموت خدائے تعالیٰ کا حکم لے کر آ پہنچا۔''

اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ

واخرج عن محمد بن العباس كان المامون يحب لعب الشطرنج شديداً ويقول هذا يشحذ الذهن. واخرج من عدة طرق ان المامون كان يشرب النبيذ واخرج عن اسحٰق الموصلى قال المامون الذ الغناء ما طرب له السماع خطأً كان او صواباً. ❶

''مامون شطرنج کھیلا کرتا۔ اور اس کھیل کو بہت دوست رکھتا تھا۔ اور کہتا کہ اس سے ذہن تیز ہوتا ہے۔

اور لکھا ہے کہ وہ نبیذ بھی پیا کرتا۔ اور اس کو راگ کا بھی شوق تھا۔ وہ کہا کرتا کہ بالذت وہ سرود ہے جس سے سامع کو طرب (خوشی) حاصل ہو پھر خواہ وہ درست ہو خواہ نادرست۔''

اور خلیفہ مقتدر باللہ کے حالات میں اس فقرہ منقولہ سابق کہ

وكان مقتدر بالله جيد العقل صحيح الرأى لكنه كان موثرا للشهوات والشراب مبذراً وكان النسآء غلبن عليه فاخرج عليهن جميع جواهر الخلافة ونفائسها واتلف اموالاً كثيرة وكان فى داره احد عشر الف غلام خصيان غير الصقالبة والروم والسّود (تاريخ الخلفاء، ص: ٣٩٤) و (فى صفحه ٣٩٠ منه) وفى سنة اثنتين ختن المقتدر خمسة من اولاده فغرم على ختانهم ستماية الف دينارٍ وختن معهم طائفة من الايتام واحسن اليهم وفيها صلّى العيد فى جامع مصر ولم يكن يصلّى فيه قبل ذٰلك. ❷

وہ ''جید القول تھا'' کے ساتھ ہی فرمایا ہے کہ وہ نفسانی شہوتوں کو مقدم کرنے والا تھا اور فضول خرچ۔ اس کی عورتوں نے اس پر غلبہ کیا تو اس نے خلافت کے جواہرات اور نفیس مال ان کو نکال کر دے دیئے، اور بہت سا مال تلف کر دیا۔ اس کے گھر میں قوم صقالبہ اور رومیوں اور حبشیوں کے سوا

---

❶ [ص: ٣٣٠] ❷ [تاريخ الخلفاء، ص: ٣٩٤]

گیارہ ہزار خصی غلام تھے۔ یہ صفحہ ۳۹۴ میں بیان کیا ہے۔ اور صفحہ ۳۹۰ میں کہا ہے کہ اس نے اپنے لڑکوں کے ختنے کرائے تو ان پر پانچ لاکھ دینار خرچ کر دیئے۔ اور عید کی نماز شہر کی جامع مسجد میں پڑھائی۔ اس سے پہلے عید کی نماز جامع مسجد میں کبھی نہ پڑھائی جاتی تھی۔

اسی قسم کی باتیں بعض اور مجددوں میں پائی جاتی ہیں۔ ولیکن ان سب کی تفصیل کی بالفعل مصلحت اجازت نہیں دیتی۔ سردست ہم ان ہی چند تمثیلات پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اور اگر ہمارے معترضین کسی مجدد کے بے گناہ و معصوم ہونے کا صریح دعویٰ کریں گے تو ہم بھی اس شخص میں اس قسم کی باتیں نکال کر گن سنائیں گے۔

اب ہم شمہ از اوصاف کمال نواب صاحب بھوپال قلم میں لاتے ہیں اور ناظرین و معترضین سے ان اوصاف اور مجددین سابق الوصف کے اوصاف میں با انصاف مقابلہ وموازنہ کرنے کے خواستگار ہیں۔

واضح ہو کہ جس قدر اوصاف کمال علمی و عملی ہم نے مجددین سابقین کے نقل کیے ہیں۔ اور وہ ان میں فرادیٰ فرادیٰ پائے جاتے ہیں۔ وہ سبھی آپ کی ذات بابرکات میں مجتمعۃً موجود ہیں۔ لہٰذا ہم آپ کی نسبت بمقابلہ مجددین سابق الوصف بے شائبہ تکلف (شاعرانہ) یہ کہہ سکتے ہیں

آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

اس کا سر اور وجہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو علم وشوکت (نیابت سلطنت) دونوں منصب مرحمت فرمائے ہیں۔ (جو اکثر مجددین سابق میں جمع نہیں ہوئے) اس لیے آپ ان سب مجددوں کے صفات کمال کے جامع ہوئے بلکہ اکثر مجددوں پر سبقت لے گئے۔

جس قدر تالیف وتصنیف کتب مختلف علوم کی اور ان کی اشاعت (جو منصب اوّل کے نتائج سے ہے) آپ سے ہوئی ہے۔ اس قدر مجددین سابق الوصف سے نہیں ہوئی یا کم ہوئی۔

آپ نے مختلف علوم (کتاب وسنت وفقہ واصول وغیرہ) میں مختلف زبانوں (عربی، فارسی، ہندی) میں نہ صرف کتابیں تصنیف کر کے صندوقوں یا کتب خانوں میں رکھوادی ہیں۔ بلکہ بصرف ہزار ہا روپیہ جیب خاص سے چھپوا کر اکثر بلاد (ہندوستان و پنجاب وعرب ومصر ویمن ودمشق وبلغار وبیروت وغیرہ) میں گھر گھر پہنچادی ہیں۔ اور سارت بها الركبان ووارت في البواری والعمران کا مصداق بنادیں۔

ان بلاد میں ایسا کوئی شہر نہ ہوگا جہاں کوئی اہل علم ہو اور آپ کی تصنیف نہ ہو اور ان علوم اور ان کے خوادم علوم میں ایسا کوئی علم نہ ہوگا یا کم ہوگا جس میں آپ نے کوئی تالیف نہ کی ہو۔

جن ادق مسائل اصول وفروع کو خواص فضلاء کم جانتے تھے، ان کو آپ کی تصانیف کے ذریعہ سے ادنیٰ طلباء، بلکہ بعض عوام جاننے لگے ہیں اور جن کتابوں حدیث واصول کو اکابر علماء خواب میں دیکھنے کو بھی ترس رہے تھے۔ آپ کی توجہ سے اب وہ اصاغر طلباء کے مطالعہ میں ہیں۔

علم ناسخ ومنسوخ کتاب اللہ وسنت کو (جو اکابر محدثین ومجتہدین کے خصائص سے تھا) آپ نے ایک مختصر رسالہ میں بیان کر کے ایسا عام فہم کر دیا ہے کہ کس وناکس (جو فارسی عبارت پڑھنے پر دسترس رکھتا ہے) اس کو ضبط کر سکتا ہے۔

علم اصول فقہ کو (جو اخص شرائط اجتہاد سے ہے) آپ نے ایک مختصر کتاب میں اس آسانی سے واضح کر دیا ہے کہ تھوڑی سی استعداد والا طالب العلم بھی اس علم پر احاطہ کر سکتا ہے۔

متون کتب حدیث (صحاح ستہ وغیرہ) کو آپ نے عام لوگوں کے لیے دستور العمل بنا دیا ہے۔

کئی کتابوں کا (جیسے موطا امام مالک، جامع ترمذی، وسنن ابوداؤد) آپ نے ہندی زبان میں ترجمہ کرا کے چھپوا دیا ہے۔ اور کئی کتابوں (صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہ) آپ کی توجہ سے مترجم ہو رہی ہیں۔

اور شروح کتب حدیث کی تصنیف وطبع واشاعت سے آپ نے خواص علماء کو عمل بالحدیث واجتہاد کا راستہ نکال دیا ہے۔ بعض کتب حدیث (جیسے مختصر صحیح بخاری وبلوغ المرام وغیرہ) کی شروح تو آپ نے خود تالیف کر کے چھپوا دی ہیں۔ اور بعض شروح متقدمین کی تالیف بصرف زر کثیر طبع کرا دی ہیں۔

کتاب مستطاب:

نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار (جو عمل بالحدیث واجتہاد کے لیے کافی ذریعہ ہے) آپ ہی کی توجہ سے آٹھ جلدوں میں مصر میں چھپی ہے۔ اور اب تھوڑی قیمت پر مل سکتی ہے۔ اور فتح الباری شرح صحیح بخاری تالیف شیخ الاسلام حافظ ابن حجر (جس کی نظیر کتب اسلام میں اس کے بعد نہیں پائی گئی) جناب کی عالی ہمتی سے مصر میں طبع ہو رہی ہے۔ تھوڑے عرصہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ہمدست عشاق اتباع ہوگی۔ ایسی قسم کی تالیف واشاعت آپ سے بقیہ علوم کے متعلق ہوئی ہے۔ جس کی تفصیل وتوصیف میں جولانی کرنے سے ہمارا اشہب قلم لنگ ہے اور عرصہ قرطاس تنگ۔

شائقین تفصیل آپ کی کتب مؤلفہ کا حال آپ کی فہرست مولفات (ملحقہ کتاب منہج الوصول اور

آپ کے تراجم جو اکثر تصانیف جناب کے ساتھ بطور تقریظ شامل کی گئی ہیں) سے ملاحظہ فرمادیں وہ میسر نہ ہوں، تو ہمارے پرچہ سابق (نمبر ۴ جلد ۶) کو جس میں کسی قدر ان کی تفصیل ہے مطالعہ میں لادیں اور ان کی اشاعت کا مشاہدہ و تجربہ جس ملک اور شہر سے چاہیں کرلیں۔

آپ کی تالیف بابرکت میں ایک خصوصیت جس کو آپ کی کرامت کہیں تو بے جا نہیں۔ آنحضرت ﷺ کا (جن کی سنت کے آپ خادم ہیں) معجزہ خیال کریں تو ناروا نہیں ایسی پائی جاتی ہے جو ایک عرصہ سے کتب مؤلفہ اہل اسلام سے مفقود ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی تالیفات آپ کی حیات میں اور آپ کے ہم عصروں میں مقبول و معمول بہا ہوگئی ہیں۔ اور اکثر علماء ہندوستان، پنجاب، عرب، مصر، دمشق، بیروت، بلغار، یمن وغیرہ نے سر آنکھوں پر رکھ لی ہیں۔ تلقتها الافاضل الفحول وهبت عليها قبول القبول اور یہ بات اور لوگوں کی تالیفات میں ایک مدت سے پائی نہیں گئی۔ ان کی تالیفات ان کے مرنے کے بعد اُن لوگوں میں جو ان کے بعد پیدا ہوئے مقبول ہوئی ہیں۔ ان کے معاصرین نے قبول نہیں کیں۔ اسی وجہ سے اور ان ہی لوگوں کی نسبت یہ مثل المعاصرة اصل المنافرة۔

''یعنی ہم عصری منافرت کی جڑ ہے'' مشہور ہو رہی ہے۔

اور جس قدر آپ سے احیاء سنت و اقامت خیرات و حسنات اور ازالہ بدعات و اخمال منکرات (جو لوازم و نتائج منصب دوم جناب سے ہے) وقوع میں آئی ہے۔ وہ بھی اکثر مجددین سابق سے بڑھ کر ہے۔ ہماری قلم میں کہاں طاقت ہے اور ہمارے پرچہ میں کب وسعت ہے کہ ہم اس کی تفصیل کرسکیں۔ ولیکن بحکم مالا یدرک کله لا یترک کله مشتے نمونہ از خروارے کے از بسیار بطور تمثیل ایک فہرست کے ضمن میں ناظرین کے آگے پیش کرتے ہیں۔

فہرست رسوم حسنہ جن کو جناب نے قائم کیا، و رسوم سیئہ جن کا آپ نے ازالہ کیا یا ازالہ کے درپے ہیں۔

رسومِ حسنہ

① ...... علماء و فضلاء بہ نسبت سابق زیادہ ملازم و دخیل ریاست ہوئے۔

② ...... طالب علموں کے وظیفے بہ نسبت سابق بڑھا دیئے گئے۔

③ ...... یتیموں کی تعلیم کے لیے وقفی مدرسہ قائم ہوا۔

④......قرآن پڑھنے والی لڑکیوں کے وظائف مقرر ہوئے۔

⑤......سرکاری محل میں تلاوت قرآن بکثرت جاری ہوئی۔

⑥......مساجد کے مصارف بہ نسبت سابق بڑھائے گئے۔

⑦......اندھے، اپاہج وغیرہ معذوروں کے وظیفے مقرر ہوئے۔

⑧......رفاہِ عام کے لیے شفا خانے بڑھائے گئے اور اطباء زیادہ رکھے گئے۔

⑨......تالاب و کنویں (جن کی بھوپال میں بہت حاجت ہے) کثرت سے کھدوائے گئے۔

⑩......سڑکوں وغیرہ مواقع ضرورتِ عام پر درخت لگوائے گئے۔

⑪......روشنی و صفائی شہر کا خرچ ریاست کے ذمہ کیا گیا۔ رعایا سے اٹھایا گیا۔

رسومِ بد جن کا ازالہ ہو چکا

⑫......زنا کاری عام شہر کسبیوں کے شہر سے اخراج سے روکی گئی۔

⑬......گانے بجانے کی تعلیم، تعلیم دینے والوں کے اخراج سے روکی گئی۔

⑭......ہیجڑوں کا پیشہ سکھانا شہر سے روکا گیا۔ اور اکثر ہیجڑوں کا شہر سے اخراج ہوا۔

⑮......مسلمانوں کو شراب خواری سے عام ممانعت ہوئی۔

⑯......مسجدوں کے قریب باجا بجانا (جو بیاہوں، شادیوں میں لوگ بجاتے ہیں) موقوف ہوا۔

⑰......رئیسہ کے دربار سے سرود موقوف ہوا۔

⑱......تعزیہ داری کی اکثر بدعات مہندی وغیرہ سے ممانعت ہوئی۔

⑲......شادی و ختنہ کی رسوم، خلافِ شریعت کے بذریعہ اشتہاراتِ عام ممانعت ہوئی۔

رسوم بد جن کا ازالہ پیش نظر جناب ہے اور تدریجاً وقوع میں آنا چاہتا ہے:

⑳......ہیجڑوں کا بازاروں میں گاتے بجاتے پھرنا۔

㉑......بعض اقوام اہل اسلام کی مستورات کا شادیوں میں رات کے وقت زیب و زینت کے ساتھ سڑکوں پر پھرنا۔

㉒......آمدنی سایرات۔

㉓......تعزیہ سازی اور اس کے متعلق رسوم۔

(۴۴)......حقوق چوہدرایت ورقوم سود اہل اسلام۔

(۴۵)......شہر کے باہر کسبیوں کا آباد رہنا۔

(۴۶)......آمدنی آبکاری وغیرہ مسکرات۔

اسی پر صدہا اور نظائر کو ناظرین قیاس کریں۔ جن کی تفصیل و بیان سے ہم قاصر ہیں۔

نوٹ: یہ رسوم بد جن سے نواب صاحب بھوپال نے اہل اسلام بھوپال کو ممانعت کی ہے۔ ان رسوم کی مانند ہیں جن سے گورنمنٹ انگلشیہ بھی اپنی رعایا کو مانع ہے (جیسے قمار بازی، ننگے پھرنا، مردوں کو ہیجڑا بنانا وغیرہ وغیرہ)

نواب بھوپال کی ان رسوم میں مداخلت و ممانعت کسی کے مذہب اور واجبی آزادی میں بے جا مزاحمت و ناجائز دست اندازی (جو اصولِ سلطنت برٹش گورنمنٹ کے خلاف ہے) نہیں ہے بلکہ اس میں ان لوگوں کے مذہب کی (جن کو ان رسوم سے روکا گیا ہے) عین تائید و پیروی پائی جاتی ہے۔

نواب صاحب نے ان رسوم بد سے صرف مسلمان رعایا کو روکا ہے سو ان کے مذہب میں ان رسوم کا نام و نشان نہیں پایا جاتا بلکہ صاف ممانعت آ چکی ہے۔ زنا، شراب خوری، ناچنا، گانا بجانا، ہیجڑوں کا پیشہ کرنا خود ان لوگوں کے (جو یہ کام کرتے ہیں) خیال میں بھی مذہبی رسوم نہیں ہیں۔ ایسا ہی عوام سنیوں کا تعزیہ بنانا یا مہندی نکالنا (گو ان کے خیال میں مذہبی رسم ہو مگر ان کے علماء بلکہ محقق علماء شیعہ کے خیال میں) بھی مذہبی رسم نہیں ہے اور اصل مذہب اسلام میں اس کی کہیں ہدایت نہیں۔ پھر نواب صاحب کا ان باتوں سے سنی مسلمان کو روکنا مذہبی دست اندازی کیوں کر ہو سکتی ہے؟

مذہبی دست اندازی تب ہوتی جب ہندو یا عیسائی رعایا کو وہ ان کی مذہبی رسوم سے روکتے یا ان سے رسوم اسلام کا جبراً اتباع کرواتے بلکہ غور سے دیکھا جاوے تو ایسی رسوم بد (مبدء شر و فساد) میں دست اندازی (ان کا مذہبی رسوم ہونا مانا بھی جاوے تو) بے جا مزاحمت و واجبی آزادی میں دست اندازی و اصولِ سلطنت برٹش گورنمنٹ کے مخالف نہیں ہے برٹش گورنمنٹ نے خود بعض ایسی رسوم میں (جن کو اپنے خیال میں بد اور مبدء شر سمجھا ہے (گو کسی قوم کی مذہبی رسم ہی کیوں نہ کہلاتی ہوں) دست اندازی کی ہے۔ اور یہ بات خلاف اصول سلطنت نہیں سمجھی گئی۔ دیکھو ستی ہونا ہندوؤں میں ایک قدیم مذہبی رسم سمجھی (گو حقیقت میں یہ رسم مذہبی نہ ہو اور ان کی کتاب میں اس کی ہدایت نہ ہو) جاتی ہے اور تپسیا کر کے (بھوکے رہ کر یا آگ کی تپش میں جل کر) خودکشی کرنا بعض ہندوؤں میں مکتی (نجات) کا

سبب سمجھا جاتا ہے۔اور بردہ فروشی عموماً مسلمانوں میں ایک مذہبی رسم ہے۔اور چور کا ہاتھ کاٹ دینا اور زانی کو قتل کی سزا دینا ذی اختیار مسلمانوں کا اعلیٰ مذہبی فرض خیال کیا جاتا ہے۔مگر انگریزی سلطنت میں اور جہاں تک اس کا اختیار و تعلق ہے۔ان رسوم پر کوئی ہرگز عمل کرنے نہیں پاتا۔ان رسوم میں گورنمنٹ کی مداخلت ومزاحمت کا یہی سبب ہے کہ گورنمنٹ ان رسوم میں اپنے خیال میں شر وفساد دیکھتی ہے۔ اور ان لوگوں کا ان رسوم کے ادا کرنے کا حق واجبی نہیں سمجھتے۔پس اگر کسی مسلمان ذی اختیار نے کسی رسوم بد معمولہ اہل اسلام (جیسے زنا کاری وشراب خوری) کو بدومبدء شر زفساد سمجھا اور بنظر مصلحت عام واصلاح انتظام اس سے اپنے ماتحت مسلمانوں کو روک دیا (گو اپنے خیال میں کوئی ان باتوں کو مذہبی رسم سمجھ لے) تو اس میں بے جا مزاحمت وناواجبی مذہبی دست اندازی کہاں پائی گئی چہ جائیکہ وہ رسوم درحقیقت مذہبی رسوم نہ ہوں مذہب اِن رسوم سے خود مانع ہو۔

بعض متعصب یا پالیسی گورنمنٹ سے ناوقف انگریز ایسے مسلمانوں کو (جو اپنے حدود اختیار میں اپنے ہم مذہب اقوام میں مذہبی رسوم کو جن سے گورنمنٹ مانع نہیں جاری کرنا۔اور ان رسوم کے مخالف رسوم سے روکنا چاہتے ہیں) حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔اور متعصب خیال کرتے ہیں۔مگر جو خود تعصب سے خالی ہیں اور پالیسی گورنمنٹ سے خوب واقف ہیں۔(جیسے ہمارے ہر دلعزیز فیاض وائسرائے گورنر جنرل لارڈ رپن بالقابہ ہیں۔(خدا ان کو اپنی مرضیات کی توفیق بخشے) وہ ایسے مسلمانوں کو پکا دیانت دار اور گورنمنٹ ورعایا کا پورا وفادار خیال کرتے ہیں۔اور وہ خوب جانتے ہیں کہ جس کو خدا کا مذہب کا پاس نہیں اس کو دنیا کے حکام کا رعایا کا کیا پاس ہوگا۔اور جو خدا کا مذہب کا پکا مطیع ہوگا۔وہ دنیا کا حکام کا رعایا کا بھی سچا وفادار رہے گا وحق شناس ہوگا۔

ان اوصاف کمال نواب صاحب (احیاء سنت ومراسم حسنات واشاعت علم ازالہ منکرات) کا اوصاف مجددین سابق الوصف سے اور ان کے عیوب وخطاؤں (بقول مفتریان تصویر پر انعام دینے یا اسی قسم کی اور باتوں) کا عیوب وخطاؤں مجددین سابق سے مقابلہ وموازنہ کریں پھر انصاف سے داد دے کر فرماویں کہ نواب صاحب ممدوح بہ نظر اوصاف کمال مجددین سابق الوصف کی نسبت مجدد کہلانے کے زیادہ مستحق نہیں ہیں؟

اور ان کے عیوب وخطا عیوب مجددین سابق سے بڑھ کر ہیں کہ وہ ان عیوب کے سبب اس رتبہ سے باوجود استحقاق ومقتضی کے محروم رہیں۔

اور یہ بھی فرمادیں کہ ہم نے اور ہمارے ہم عصر علماء نے جو نواب صاحب کو (ان کے اوصاف کمال کی نظر سے) مجدد کہا ہے اور ان کے عیوب و خطاؤں کا (ناحق ان کے ذمہ لگائے جاتے ہوں، خواہ واقعی ان میں موجود ہوں) اس خیال سے کہ مجدد ہونے کے لیے معصوم ہونا کسی کے نزدیک (بجز اہل تشیع) شرط نہیں اور اس قسم کے عیوب مجددین سابق میں بھی پائے گئے ہیں۔ لحاظ و اعتبار نہ کیا تو اس میں ہم نے کون سی آیۃ یا حدیث یا اجماع امت یا تعامل سلف کا خلاف کیا۔ اور کیا گناہ ہم سے ہوا؟

شاید ہمارے معترض ہم سے اس بات پر آشفتہ خاطر ہوں کہ ہم نے صرف نواب صاحب ہی کو مجدد کہا ہے اور علماء وقت خصوصاً معترض کے ہم وطنوں (لکھنؤ والوں) کو مجدد نہیں کہا۔

اس میں ہمارا عذر و جواب یہ ہے کہ ہم نے وہ مضمون (جس میں نواب صاحب کو مجدد لکھا ہے) بالاستقلال مجددوں کے بیان میں نہیں لکھا کہ اس میں مجددین لکھنؤ وغیرہ کا بھی ذکر آجاتا۔ اور تو کسی کا ذکر کیا ہوتا ہم نے اپنے شیخ حجۃ الخلف بقیۃ السلف مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کا ذکر بھی نہیں کیا۔ اور اگر وہ مضمون مجددوں کے بیان میں ہوتا تو ہم سے اپنے شیخ کا جن کو ہم اس وقت اوّل درجہ کا مجدد جانتے ہیں کا ذکر کیوں چھوٹتا۔ آیندہ ہم اگر مجددوں کے بیان و تعداد میں کوئی مضمون لکھیں گے تو اس میں ہم مجددین لکھنؤ وغیرہ کا نام بھی ضرور درج کریں گے۔ بشرطیکہ ہمارے معترض ہم کو ان کے ایسے اوصاف کمال بتادیں جیسے ہم نے نواب صاحب کے اوصاف نقل کیے ہیں۔

تفصیل شق اوّل یعنی نواب صاحب کا انعام نہ دینا:

ہم نے جس روز وہ اخبار جس میں نواب صاحب پر یہ نکتہ چینی (کہ انھوں نے تصویر پر انعام دیا یا دلوایا ہے) کی گئی اور ہم پر یہ چٹکی "کہ ہم نے ان کو ایسی حالت کے ساتھ مجدد کہا ہے" لی گئی ہے۔ پڑھا تو اسی دن فوراً خط متضمن دریافت اصل حالہ روانہ بھوپال کیا۔ وہاں سے یہ جواب آیا کہ یہ خبر بالکل بے اصل و پوچ ہے۔ نواب صاحب نے کسی مصور کو انعام نہ جیب خاص سے دیا ہے نہ سرکار سے دلوایا ہے، ایک لکھنؤ کے مصور نے ایک اہلکار ریاست (نائب مدار المہام) کے ذریعہ سے سرکار سے انعام پایا ہے۔ نواب صاحب کو اس کارروائی کا علم بھی نہیں ہوا چہ جائیکہ اُن کی رضا یا سعی پائی گئی ہو۔ اب ہمارے دوست معترض موت کو، قیامت کو، قریب سمجھ کر اور یہ آیۃ

﴿لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ

عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾ ❶

اورحدیث كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ ۔ ❷

پیش چشم رکھ کر انصاف سے فرماویں کہ اس کارروائی (انعام مصور میں) نواب صاحب کا کیا دخل ہے اوراس میں ان پر یا ہم پر کیا الزام۔

آپ کی تصویر قد آدم کا کھینچا جانا اور تاج المحل بھوپال میں رکھا جانا بھی آپ کی رضا واختیار سے نہیں ہوا۔تصویر کشی تو دربار قیصری میں ہوئی تھی، جہاں اور نوابوں اور راجگان وغیرہ کی بھی فوٹو گراف میں تصویریں اتاری گئی تھیں۔اس میں نواب صاحب کی بے اختیاری مخفی نہیں ہے۔ناظرین ومعترضین خود خیال کر سکتے ہیں کہ نواب صاحب اس مجلس سے اٹھ سکتے تھے یا تصویر اتارنے سے منع کر سکتے تھے۔

اورتاج محل میں اس تصویر کا رکھا جانا بیگم صاحبہ رئیسہ کے حکم سے ہوا ہے۔نواب صاحب اس میں بھی ہرگز ہرگز راضی نہیں ہیں۔وہ تصویر کھینچنی یا کھنچوانی یا اختیاراً ❸ گھر میں رکھنے کو بہت برا جانتے ہیں یہ بات ہم کو ایک خاص مراسلہ سے معلوم ہوئی ہے۔اس پر اگر کوئی سوال کرے کہ نواب صاحب کو

---

❶ ''جس کا تجھے علم نہ ہواس کے پیچھے مت لگ، کان، آنکھ اور دل سب سے سوال ہوگا۔'' [بنی اسرائیل: ٣٦]

❷ ''آدمی کو جھوٹا ہونے یا جھوٹ بولنے کے لیے یہی کافی ہے کہ ہر سنی بات (بلاتحقیق) کہہ دے۔'' [مسلم: ٥/٥]

❸ اختیاراً کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ بلا اختیار تو اس وقت تمام ہندوستان بلکہ عربستان وغیرہ اسلامی بلاد میں کوئی گھر کسی مقدس سے مقدس (مولوی صوفی ولی متقی) کا بھی ایسا نہ ہوگا۔جس میں بے اختیار تصویر موجود نہ ہو، آج کل اکثر اشیاء ساخت یورپ ویورپین اشخاص (روپیہ پیسہ بیگ، لمپ، چھری، کپڑا وغیرہ وغیرہ) تصویر سے خالی نہیں۔کسی مقدس ومتقی کے گھر میں اور کچھ نہ ہوگا۔تو دیا سلائی کا بکس بھی نہ ہوگا۔وہ بھی تو تصویر سے خالی نہیں ہمارے معترض (مولوی صاحب) کے کارخانہ اخبار میں علاوہ تصویر دار اخباروں اور کتابوں کے کاغذ کے رم بہت ایسے نکلیں گے، جن پر کتوں وبلیوں کی تصویروں کے ٹکٹ لگے ہوں گے۔اس سے ضرور ماننا پڑے گا کہ اضطراراً بلا اختیار تصویر گھر میں رکھنے سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔یہاں یہ بحث کہ کون سی تصویر گھر میں رکھنی ناجائز اور کون سی جائز ہے۔ بالفعل اجنبی معلوم ہوتی ہے جب کوئی یہ بحث پیش کرے گا کہ جو تصویریں ہمارے گھر میں ہیں وہ جائز ہیں اور جو بھوپال میں ہیں وہ ناجائز ہیں تو اس وقت ہم اس امر میں بحث کریں گے۔

(بیگم صاحبہ) رئیسہ سے ایسا تعلق ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ جو چاہیں ریاست میں کر ڈالیں۔ پھر وہ رئیسہ کو ایسے امور سے کیوں مانع نہیں ہوتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ باوجود اس تعلق کے آخر محکوم ریاست ہیں۔ بااختیار حاکم نہیں ہیں کہ جو چاہیں فوراً کرادیں۔ ہاں حسب موقعہ و مقتضائے مصلحت نیک صلاح دینے کا حق و منصب رکھتے ہیں۔ سو انھوں نے بہت موقع پورا کیا۔ بیسیوں منکرات کو ریاست سے ہٹایا جس کا نمونہ فہرست میں بتایا گیا ہے۔ اور ہنوز کئی منکرات باقی ہیں (جن میں یہ امر جس سے بحث ہے بھی داخل ہے) ان کے ازالہ کے وہ فکر میں ہیں۔ خدا نے چاہا اور توفیق کو بڑھایا تو رفتہ رفتہ ان سبھی منکرات کا اندفاع ہوگا، اور بھوپال "بلدة طيبة ورب غفور" کا مصداق ہو جائے گا۔ اس وقت تک جس قدر ریاست بھوپال سے منکرات کا ازالہ ہوا ہے۔ یہ بھی جناب کی کرامت و برکت ہے۔ اس قسم کا تعلق ان کے مدعیان ہمسری کو کسی ریاست سے حاصل ہو تو ہم کو اُمید نہیں کہ ان سے اس کا عشر عشیر بھی ہو سکے، بلکہ یہ خوف ہے کہ ان کو ایسے منکرات میں رئیسوں کے تابع اور شامل حال ہونا پڑے۔ یہ آپ ہی کا کام تھا جو تھوڑے عرصہ میں کر دکھایا۔

هذا ما اعتقد فيه واحسب والله حسيبه وهو بكل شيء حسيب.

یہ مضمون گویا "مضمون نواب صاحب بھوپال اور ان کی بابرکت تالیفات" کا بقیہ ہے۔ اس وجہ سے اس مضمون کا مابقی مستقل طور پر لکھا نہیں گیا۔

(منقول از "اشاعۃ السنۃ" جلد ٦، شمارہ ٤،٢۔ جون ١٨٨٣ء و شمارہ نمبر ٦)